مجاهدین پاکستان

★ میجر ضیاءُ الدین احمد عباسی

★ میجر عزیز بھٹی

★ فلائٹ لفٹیننٹ خواجه یونس

و دیگر شهداءُ کی یاد میں

اس خطهٔ پاک پر اسلامی پرچم سب سے پہلے اموی خلیفه امیرالمومنین الولید بن امیرالمومنین عبدالملک بن امیرالمومنین مروان کے جواں سوال کمانڈر محمد بن قاسم ثقفی نے لہرایا تھا رضی اللہ عنہم اجمعین۔

باره سو سال بعد کے سیاسی انقلاب میں برطانوی حکومت نے یه پرچم عارضی طور سے سرنگوں کر دیا مگر مسلمانان برکوچک کی عزیمت مانده نه پڑسکی تا آنکه اسی خطهٔ پاک کے بطل جلیل و **قائد اعظم محمد علی جناح** کے حسن تدبیر سے ایک بار پھر یه اسلامی پرچم سر بلند هوا اور دنیا کی سب سے بڑی اسلامی حکومت منصهٔ شهود پر آئی۔

اٹھاره برس بعد بد عهد بھارت نے بلا اعلان جنگ جب اس خطهٔ پاک پر بزدلانه حمله کی جسارت کی تو اسی سرزمین کے دوسرے بهادر فرزند **فیلڈ مارشل محمد ایوب خان** صدر مملکت کی مضبوط قیادت کے طفیل همارے شیر دل مجاهدوں نے دشمن کو وه ماردی که دنیا حیران ره گئی اور دشمن کے سارے منصوبے خاک میں مل گئے۔

یه کتاب جو اسی اموی خلافت کے صحیح حالات میں هے جسکے مبارک عهد میں اسلامی ریاست کا پرچم سب سے اول یہاں لہرایا تھا اسے ان پاکستانی مجاهدوں کے نام منسوب کرتا هوں جنهوں نے اس پرچم کی سربلندی اور وطن عزیز کے دفاع میں تاریخی کارنامے انجام دیتے هوئے اپنی عزیز جانیں تک قربان کردیں۔ منافع بھی اسکا قومی دفاعی فنڈ سے مخصوص کرتا هوں۔

محمود احمد عباسی

کراچی ۱۰-۱ اکتوبر سنه ۱۹۶۵ء

تبصرۂ محمودی

بر

173

ہفواتِ مودودی

حصہ اوّل

اسلامی سیاسی نظام بعہد عثمانؓ، علیؓ ومعاویہؓ ودیگر خلفاء رضی اللہ عنہم اجمعین

محمود احمد عبّاسی

مکتبہ علم وحکمت
سنوتر منشی لاہور

ناشر مکتبہ محمود ۲۶/۱ بی ایریا. لیاقت آباد. کراچی ۱۹

نام کتاب .... تبصرۂ محمودی بر ہفواتِ مودودی

حصہ اول

اسلامی سیاسی نظام بعہد عثمانؓ و علیؓ

و معاویہؓ و دیگر خلفاء رضی اللہ عنہم اجمعین

نام مصنف .... محمود احمد عباسی

نام مطابع

مطابع سعیدیہ - تیرتھ داس روڈ کراچی

تعداد طبع بار اوّل .... ایک ہزار

نام کاتب .... عبد المقتدر

قیمت .... تین روپے ۲۵ پیسے

فہرست عنوانات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

خلافتِ راشدہ اور ملوکیت

داستانِ عہدِ گُل را بشنو از مُرغِ چمن
زاغہا آشفتہ تر گفتند ایں افسانہ را

جناب ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے ماہنامہ ترجمان القرآن میں "خلافت راشدہ سے ملوکیت تک" وغیرہ عنوانات سے ایک سلسلہ مضامین شائع کیا ہے۔ ہمارے سامنے اس وقت مئی، جون اور جولائی ۱۹۶۵ء کے تین شمارے ہیں[1]۔

مودودی صاحب بلند پایہ مصنف، کہنہ مشق انشاء پرداز اور وسیع المطالعہ عالم ہونے کے ساتھ "جماعتِ اسلامی" کے بانی اور اس کے امیر و رہنما ہیں۔ جماعتِ اسلامی نے برِ کوچک پاک و ہند میں اپنا جو مقام پیدا کر لیا ہے اور مودودی صاحب کی جو اعلیٰ حیثیت بن گئی ہے اس کا تقاضا تھا کہ جو بات ان کے قلم سے نکلتی وہ مبنی بر حقائق ہوتی اور امہات الکتب سے انھوں نے استشہاد کیا ہوتا، روایتوں کی جانچ کر کے صحیح و غلط کا امتیاز کیا ہوتا اپنے مآخذ اور کتب تاریخ کے حوالے دینے کے ساتھ وضع اور

---

[1] جولائی ۶۵ء کے شمارہ میں سلسلہ مضمون کی آخری قسط سمجھ کر ہم نے تنقید کے لئے قلم اٹھایا چند ابواب اس کتاب کے لکھے گئے تھے کہ اگست کے شمارے سے دوسرا سلسلہ مضامین شائع ہوا اس پر تنقید بھی آخر میں کی گئی ہے۔

کذاب راویوں کا سراغ بھی کتب اسماء الرجال سے چلا لیا ہوتا جن کی وضعی روایتوں کی بھرمار ان کے ماخذ طبری میں ہے اور طبری سے بعد کے مورخین نے آنکھ بند کر کے نقل در نقل کیا ہے وہ ایسا کرتے تو ان مضامین کا نتیجہ البتہ تعمیری نکلتا۔

مگر نہایت افسوس بلکہ غم و غصہ ہے اور ہر حساس مومن کو ہونا چاہیئے کہ مودودی صاحب نے نصوص صریحہ و ثابتہ اور حقایق تاریخیہ و وقائع ملیہ کی صحیح روداد کو پس پشت ڈال کر اکثر و بیشتر اپنی خیالی اور لوگوں کی وضعی باتوں پر اپنے سلسلۂ مضامین کی بنیاد رکھی اور جس جس طریقے سے مسخ شدہ صورت حال پیش کر سکتے تھے اس سے انھوں نے دریغ نہیں کیا جس کا نتیجہ اس کے سوائے کیا ہو سکتا ہے کہ مسلمان خصوصاً ان کے ادارے سے وابستہ لوگ اپنی ملی تاریخ سے بیزار ہوں، سلف صالحین سے ان کے دل پھر جائیں اور دعوتِ محمدیہ ایک وقتی تحریک ثابت ہو جو اپنی مدت پوری کر کے ختم ہو گئی اور اس کا گلا انہی لوگوں نے گھونٹ دیا جنھوں نے جان و مال قربان کر کے اسے پروان چڑھایا تھا۔

اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ مسلمانوں پر زوال آیا، اسلام میں ایسی باتیں داخل ہو گئیں جن کا دین سے کوئی تعلق نہیں اور صدیوں سے ان پر وہ ذہنی، علمی، روحانی اور رسمی مذہبی ادبار طاری ہیں جن سے نجات فی الوقت مشکل معلوم ہوتی ہے لیکن تنزل و زوال کے اصلی اسباب کا سراغ ایمانداری اور دیانت سے لگانا چاہیئے۔ ہمیں دیکھنا ہو گا کہ وہ اسباب کس حد تک داخلی ہیں اور کہاں تک خارجی نیز یہ کہ داخلی خرابیوں کی ذمہ داری کن پر پڑتی ہے اور جو خارجی اثرات مترتب ہوئے ان کا آلۂ کار کون لوگ بنے۔

جب ہم تحریک قرآنیہ کی موجودہ ظاہری اضمحلال اور اس کی خیالی ناکامی کی ذمہ داری خود صحابہ کرام پر ڈالدیں گے اور ان کی وقتی خانہ جنگی کی غلط تصویر پیش کر کے اسے دائمی فساد کا بانی قرار دیں گے اور مودودی صاحب کے ایک رفیق کار کی طرح یہ کہنے کی جسارت کریں گے کہ "چند قدم چل کر یہ اُمت راہِ حق سے ہٹی تو ہٹتی ہی چلی گئی"، یا خود مودودی صاحب کے الفاظ دُھرائیں گے کہ "حضرت علی کی شہادت کے بعد اس امت کی قیادت جاہلیت کے ہاتھ میں چلی گئی" تو پھر امید کا چراغ کس طرح روشن کیا جا سکے گا؟

مودودی صاحب کے سلسلہ مضامین میں طعن وتشنیع کے ہدف اکثر بیشتر خلفائے بنی امیہ ہیں جن کے خلاف پہلے بھی وہ باوقات مختلفہ بہت کچھ لکھ چکے ہیں۔ سات برس پہلے ترجمان القرآن ماہ مئی ۱۹۵۹ء میں ایک سوال کے جواب میں انھوں نے لکھا تھا:۔

"اموی فرمانرواؤں کی حکومت حقیقت میں خلافت نہ تھی اگرچہ ان کی حکومت میں قانون اسلام ہی کا تھا لیکن دستور (CONSTITUTION) کے بہت سے اسلامی اصولوں کو انھوں نے توڑ دیا تھا نیز ان کی حکومت اپنی روح میں اسلام کی روح سے بہت ہٹی ہوئی تھی" الخ

اس پر لاہور کے شیعہ ماہنامہ "معارف اسلام" (جون ۱۹۵۹ء) نے مودودی صاحب کی ایک حد تک حق گوئی اور بیباکی پر ان کی "خدمت میں ہدیہ تبریک" پیش کرتے ہوئے لکھا تھا کہ "ہم محترم سید صاحب موصوف کی حق گوئی پر انھیں مبارکباد پیش کرتے ہیں اور توقع رکھتے ہیں کہ آیندہ ذرا کھل کر واقعات کی نقاب کشائی فرمایا کریں گے" (ص۴۳) غالباً کھل کر نقاب کشائی کا تہیہ مودودی صاحب نے اس سلسلہ مضامین میں کیا ہے جن میں امیرالمومنین حضرت عثمان ذی النورینؓ کو بھی نہیں بخشا سلسلہ مضامین کی اشاعت بھی اس وقت سے کی گئی جب حضرت عثمانؓ کے اس مصحف شریف کے عکس کی زیارت کو لوگ جوق جوق راولپنڈی پہنچنے لگے تھے جو محترم صدر مملکت فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں صاحب تاشقند سے لائے تھے اور جس پر حضرت ذی النورینؓ کے خون پاک کے دھبے دکھائی دیتے ہیں جو مظلومانہ شہادت کے وقت اس پر جذب ہوئے تھے۔

مودودی صاحب معلوم ہوتا ہے اپنے نسلی تعصب میں اس بری طرح پھنسے ہوئے ہیں کہ انھیں اموی خلفاء و امراء اسلام پر طعن کرتے وقت یہ احساس نہیں رہتا کہ ان کے طعن وتشنیع کا ہدف کون بنتا ہے۔ انھوں نے تو کتاب "تجدید واحیائے دین" میں یہ بھی لکھدیا ہے کہ حضرت عثمانؓ ہی کے دور خلافت میں جاہلیت کو اسلامی نظام اجتماعی کے اندر گھس آنے کا موقع مل گیا۔ نیز ترجمان القرآن جولائی ۶۰ء کی اشاعت میں خروج حسینی کے سلسلہ میں جو طویل مضمون ان کا شائع ہوا تھا اس میں یہ معنی خیز فقرہ بھی تھا:۔

"جب تک کسی شخص کو بیعت حاصل نہ ہو وہ بر سر اقتدار نہ آئے اور جب
لوگوں کا اعتماد اس پر سے اُٹھ جائے تو وہ اقتدار سے چمٹا نہ رہے"۔
ناموں کی صراحت تو نہیں کی لیکن سیاق و سباق سے ہویدا ہے کہ "اقتدار سے
چمٹے رہنے" سے روئے سخن امیر المومنین حضرت عثمانؓ کی طرف ہے اور بیعت حاصل نہ ہونیکا
لغو طعن امیر المومنین حضرت معاویہؓ یا امیر المومنین یزیدؒ پر ہے ہمیں یہاں تو اس بارے
میں کچھ کہنا نہیں اس کی تردید کا موقع آگے آرہا ہے۔ انھوں نے خلافت اور ملوکیت
کی شرعی اصطلاحوں کو جو خود ساختہ معنی پہنائے ہیں اور پھر امیر المومنین حضرت معاویہؓ
جیسے یگانہ روزگار امام اور خلیفہ راشد و مرشد سے لیکر بعد کے تمام خلفاء کرام کو "کھٹھنا
بادشاہ" ثابت کرنے کی کوشش میں سخت سے سخت الفاظ استعمال کئے ہیں اور ان مطاعن
کا ہدف امیر المومنین سیدنا عثمان ذی النورین صلوٰات اللہ علیہ کی ذات اقدس تک
کو بنا دیا ہے اس کا اصل سبب سوائے نسلی تعصب اور عصبیت جاہلیت کے اور کیا ہو سکتا ہے
مودودی صاحب کا مقصد علمی ہوتا تو اس کا التزام رکھتے کہ جو بات کہیں وہ اعلیٰ مآخذ
کی روشنی میں ہو اور جن امور کی تحقیق کی جا چکی ہے انھیں سامنے رکھیں اگر ان تنقیحات سے
اختلاف ہو تو دلائل سے اپنا موقف ثابت کریں لیکن افسوس ہے اور اہل علم کے لئے
موجب شرم و عار کہ اُنھوں نے وہی سبائیوں کے چبائے ہوئے لقموں سے اپنے مضامین
کا پیٹ بھرا ہے اور الامامۃ والسیاسۃ و شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید و
مروج الذہب مسعودی وغیرہ جیسی کتابوں کے حوالے دئے اور ابو مخنف جیسے کذاب
راوی کی وضعی روایتوں پر جو ابن جریر طبری نے قال ابو مخنف کی تکرار سے درج کر ڈالی ہیں
تکیہ کیا ہے اور انھیں حقائق تاریخیہ باور کرانا چاہا ہے۔
کہتے ہیں کہ کتب خانہ ان کا بہت وسیع ہے اس لئے ان سے یہ توقع ہو سکتی تھی کہ
مواقف صحابہ کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، قاضی ابو بکر بن العربی جیسے بزرگواروں
کی تحقیقات ان کے سامنے ہوگی نیز علامہ محب الدین الخطیب رحمہ اللہ کے تحقیقی تعلیقات
کا انھیں علم ہوگا پھر بھی انہوں نے غیر محقق اور بے پایہ باتیں دوہرائی ہیں اور ہدف ملامت

عظما و خلفا بنی امیہ کو بنایا ہے تو ہم اس نتیجے پر پہنچنے میں حق بجانب ہیں کہ نسلی تعصب و آباء پرستی کے سوائے شاید کوئی دوسرا جذبہ کار فرما نہیں۔ امیر المومنین حضرت معاویہؓ کے عہد مبارک سے جو سیاسی نظام مسلمانوں میں صدیوں تک عملاً مقبول رہا اسے وہ محض اس لئے باطل کہتے ہیں کہ اپنے علوی بزرگوں کے پے بہ پے ناکام خروجوں[1] اور ان کی سیاسی ناکامیوں کی تلخی کا انھیں شدّت سے احساس ہے اس لئے جو ان کے منہ میں آتا ہے اور قلم سے نکلتا ہے اس میں انھیں باک نہیں وہ حجت اپنے مزعومات ہی کو سمجھتے ہیں۔

اہل علم کے نزدیک یقیناً یہ امر موجب عبرت ہوگا کہ مودودی صاحب نے ہر قسم کی کتابوں کے حوالے دیئے ہیں لیکن انھوں نے لائق اعتنا، نہ سمجھا تو مؤطا شریف اور صحیح بخاری کو حالانکہ صحابہ کرام کے احوال کے لئے یہ دونوں کتابیں اہم ترین مآخذ کی حیثیت رکھتی ہیں مگر ہم نے یہ شاید غلط کہا مودودی صاحب نے صحیح بخاری سے ایک حدیث تو حضرت عمارؓ کے مقتول ہونے کی لی ہے تاکہ حضرت معاویہؓ کو باطل پر ثابت کریں اگرچہ حوالہ بخاری کا نہیں دیا بلکہ دوسری کتابوں کا دیا ہے اور دوسری حدیث لی ہے تاکہ حضرت مروانؒ کو ملعون بنا سکیں لیکن یہاں بھی عبارت دوسری کتابوں کی نقل کی ہے اور صحیح بخاری کی عبارت قابلِ غور نہ سمجھی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار!

ہم ان کے سلسلۂ مضامین کی ایک ایک اہم بات پر کتاب و سنّت اور تعامل صحابہ کی روشنی میں بحث و گفتگو کرنا چاہتے ہیں، ——

خلافت و ملوکیت | مودودی صاحب نے شریعت مطہرہ کی یہ دو اصطلاحیں تو لے لیں مگر ہوائے نفس کے تحت ان کا مدلول غلط اور خلاف منشاء خدا و رسول متعین کر کے امت کو گم راہ کرنا چاہا۔

شریعت اسلامیہ کے مطابق خلافت علی منہاج النبوۃ کے صرف ایک معنی ہیں کہ اُمّت کا

---

[1] علوی حضرات کے تقریباً ۶۶ خروجوں کے تفصیلی حالات جو چوتھی ہجری تک سیاسی اقتدار کے حصول میں کئے گئے تھے جو اکثر و بیشتر ناکام رہے ہماری کتاب "تحقیق مزید" میں ملاحظہ ہوں۔

سیاسی نظام ایک دنیوی حکومت کی صورت میں کتاب وسنت پر مبنی ہو۔ اور اس کے نفاذ کے لئے اجتہاد سے کام لیکر ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جو فطرتِ انسانیہ کے مطابق ہو تاکہ نسلی لسانی اور جغرافیائی تقاضے بھی پورے ہو سکیں اور ایک ایسی عالمگیر برادری پیدا ہو جائے جو اپنی اجتماعی زندگی کو اصول کے مطابق اپنے احوال کے تحت ڈھال سکے کیونکہ کسی خاص نسل کسی خاص زبان اور کسی خاص وطن کی خصوصیات کو دنیا کے تمام انسانوں پر مسلط نہیں کیا جا سکتا۔

اسی لئے شریعت کو اس سے قطعاً بحث نہیں کہ نظام سیاسی کی ہیئت ترکیبی کیا ہوگی، سر حکومت کیسے بر سر اقتدار آئیگا اور مختلف النوع معاشروں کو برادری کے ایک رشتے میں کیسے منسلک کیا جا سکے گا۔ اللہ تعالے نے مسلمانوں سے جس خلافت کا وعدہ کیا تھا اس میں یہ نہیں بتایا کہ اس کا دستور اساسی کیا ہوگا۔ وہاں الفاظ ہیں کما استخلف الذین من قبلھم (جیسے ان سے پہلے لوگوں کو حکومت دی تھی)۔ دنیا میں حکومت کی جتنی اور جیسی صورتیں رائج چلی آرہی تھیں ویسی ہی مسلمانوں کی حکومت بھی ہوگی۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اس حکومت کا مقصد دین برپا کرنا ہوگا اور اس کے قوانین ایسے لچکدار ہوں گے کہ دنیا کی ہر قوم ان کے تحت زندگی بسر کر سکے۔

کتاب اور سنّت نے امت کو کوئی دستور اساسی نہیں دیا اور نہ ایک بڑھنے والی ترقی پذیر بین الاقوامی امت کو کسی خاص دستور کا پابند کیا جا سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں نہ کسی رائج الوقت جمعیت کو توڑنے کی کوشش کی اور نہ آئندہ کے لئے کوئی متعین راہ عمل امّت کے لئے چھوڑی۔ صرف چند لچک دار اصول دے دئیے جن کے تحت حسب ضرورت مختلف قسم کے سیاسی نظام برپا کئے جا سکتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانے میں عرب کی زندگی قبائلی تھی اور ہر قبیلہ اپنے اصول اور رواج کے مطابق اپنا سر قبیلہ مقرر کرتا تھا۔ آپ نے یہ سلسلہ اسی طرح قائم رہنے دیا۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آپ نے جو والی مقرر کر کے بھیجا ہو یا جو نمائندہ تبلیغ واشاعت یا تحصیل زکوٰۃ اور اجراء قوانین کے لئے آپ کی طرف سے گیا ہو اس نے

قبائل کا اندرونی نظام مختل کرنے کی کوشش کی ہو۔

آپ کے قرب و جوار میں شخصی حکومتیں قائم تھیں۔ انھیں جب آپ نے دین اسلام کی دعوت دی تو اس میں صراحت کر دی کہ اگر وہ اسلام لے آئیں تو ان کی حیثیت عرفی برقرار رہے گی اور جس سیاسی نظام کے وہ لوگ عادی ہیں اسے توڑا نہیں جائے گا۔ چنانچہ ہرقل کو جو نامہ مبارک بھیجا گیا، اس میں صراحت تھی أَسْلِمْ تَسْلَمْ (اسلام لے آؤ محفوظ رہو گے) [بخاری: ج ۱ ص ۹ طبع مصر] یہاں محفوظ رہو گے کے صرف ایک ہی معنی ہو سکتے ہیں کہ دنیا و آخرت میں زوال و عذاب سے محفوظ رہو گے۔ ہرقل اگر مسلمان ہو جاتا تو کیا اسے اسلام لانے کی یہ سزا دی جاتی کہ تخت چھوڑ کر مودودی صاحب کی "شوروی حکومت" کا پابند ہو جاتا؟ یقیناً اس کی حکومت بدستور برقرار رہتی جیسا کہ نجاشی کی حکومت قائم رہی۔ ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مطالبہ نہیں کیا فی الحال تخت چھوڑ دو پھر استصواب رائے عامہ کے بعد اگر تم صدر منتخب ہو گئے تو رہو گے ورنہ نہیں۔ اسی طرح حضرت باذانؓ جو کسریٰ کی طرف سے یمن کے حاکم تھے انھیں بھی حضور نے یہی پیغام بھیجا تھا کہ اگر وہ اسلام لے آئیں تو یمن کی حکومت پر بدستور فائز رہیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

پھر ہم خاص تاریخ خلافت پر جب غور کرتے ہیں تو ہمیں کسی طرح یہ نہیں معلوم ہوتا کہ نصب امام کا کوئی خاص طریقہ ہے۔ چنانچہ مئی ۱۹۵۶ء کے شمارے میں مودودی صاحب نے خود لکھا ہے (ص ۱۸۱) "کہ حضرت عمرؓ نے سقیفۂ بنی ساعدہ کی مجلس میں اچانک اٹھ کر حضرت ابوبکرؓ کا نام تجویز کیا تھا اور ہاتھ بڑھا کر فوراً ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ ان کو خلیفہ بنانے کے بارے میں پہلے کوئی مشورہ نہیں کیا تھا، تو پھر وہ شوروی خلافت کب قائم ہوئی جس کے متعلق مودودی صاحب نے اسی شمارے میں (ص ۱۸۰) لکھا ہے "لیکن مسلم معاشرے کے لوگوں نے خود یہ جان لیا کہ اسلام ایک شوروی خلافت کا تقاضہ کرتا ہے"۔ سقیفۂ بنی ساعدہ میں صحابہ کرام کا نمائندہ اجتماع کیا ہوتا، وہ تو انصار کا بھی نمائندہ اجتماع نہیں تھا۔ اور مہاجروں میں سے وہاں صرف تین صاحب تھے۔ لیکن حضرت صدیق اکبرؓ

صلوٰت اللہ علیہ کی شخصیت ہی ایسی بلند و بالا تھی کہ سب کی گردنیں خود بخود جھک گئیں اور تکمیل بیعت ہو گئی۔

پھر حضرت فاروق اعظم رضوان اللہ علیہ کی ولایت عہد کا واقعہ جو مودودی صاحب نے طبری کے حوالے سے بیان کیا ہے اس کی توثیق حضرت خلیفۂ رسول اللہ کے فرمان سے قطعاً نہیں ہوتی۔ یہ فرمان آپ نے ایسی حالت میں لکھوایا تھا کہ آپ کا آخری وقت تھا جس کے دوران تھوڑی سی غفلت بھی ہو گئی تھی۔ پھر ہوشیار ہو کر آپ نے اسے مکمل کرایا۔ اس وقت اس کا موقعہ ہی کہاں تھا کہ آپ مسجد میں ایک مجمع کے سامنے تقریر کریں۔ البتہ ایک آدھ روز پہلے بعض اکابر سے حضرت فاروقؓ کے متعلق رائے ضرور لی تھی مگر یہ اس طرح کہ انہیں اس انتخاب میں کوئی دخل ہو۔ ان کو ولی عہد بنانے کا آپ پہلے ہی فیصلہ کر چکے تھے۔ فرمان صدیقی میں اس کا بھی کوئی ذکر نہیں کہ "میں نے اپنے کسی رشتہ دار کو مقرر نہیں کیا ہے" یہ آپ کہہ بھی کیسے سکتے تھے جبکہ مہاجروں میں سے ہر شخص آپ کا رشتہ دار تھا۔ فرمان کے الفاظ ہیں:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم هذا ما عهد ابوبكر بن ابی قحافة فی آخر عهده بالدنیا خارجاً منها وعند اول عهده بالآخرة داخلاً فیها حیث یؤمن الكافر ویوقن الفاجر ویصدق الكاذب۔ انی استخلفت علیكم بعدی عمر بن الخطاب فاسمعوا له واطیعوا وانی لم آل الله ورسوله ودینه ونفسی وایاكم خیراً۔ فان عدل فذالك ظنی به وعلمی فیه	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ عہد ہے جو ابوبکر بن ابی قحافہ نے دنیا سے نکلتے ہوئے آخری وقت میں اور آخرت میں داخل ہونے کے شروع وقت میں کیا، جبکہ کافر ایمان لے آتا ہے، غلط رو شخص یقین حاصل کرتا ہے، اور جھوٹا شخص تصدیق کرتا ہے۔ میں نے اپنے بعد تم پر عمر بن الخطاب کو اپنا جانشین کیا ہے لہٰذا تم اس کی بات سنو اور اطاعت کرو میں نے اللہ اور اس کے رسول اور اس کے دین اور اپنی جان اور تم سب کے بہتری کے سوا اور کچھ نہیں سوچا ہے۔ اگر انہوں نے عدل کیا تو میرا گمان اور میرا علم ان کے متعلق

وان بدّل فلکل امرئٍ ما اکتسب والخیر اردت ولا اعلم الغیب وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون والسّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

یہی ہے اور اگر وہ بدل گئے تو ہر شخص اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے میں نے تو بھلائی ہی سوچی ہے اور غیب کا مجھے علم نہیں اور جو لوگ ظلم کریں گے وہ عنقریب دیکھ لیں گے کہ ان کا ٹھکانہ کہاں ہوگا۔ تم سب پر سلامتی ہو اللہ کی رحمت ہو اور اس کی برکتیں ہوں۔

پھر آگے ہے ثم امر بالکتاب فختمہ ثم امر عثمان فخرج بالکتاب مختوماً فبایع الناس ورضوا بہ (پھر آپ نے حضرت عثمانؓ کو حکم دیا کہ فرمان کو سربمہر کر دیں۔ چنانچہ وہ اسی سربمہر فرمان کو لیکر نکلے اور لوگوں نے بیعت کرلی اور اس پر راضی ہو گئے)

اس فرمان میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس سے یہ اندازہ ہو کہ اس تقرر میں کسی اور کی رائے کو بھی دخل تھا۔ پھر بیعت لینے کا طریقہ بھی بتاتا ہے کہ لوگوں کو اس سربمہر فرمان پر بیعت کرنی تھی جس کا بھی نام نکلتا۔ نامزدگی میں استصواب رائے عامہ کا قطعاً کوئی تصور نہیں اور یہ صرف حضرت خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی مرضی سے سب کچھ ہوا۔

مودودی صاحب نے مئی کے شمارے میں صحیح بخاری کے حوالے سے حضرت فاروق اعظمؓ کی تقریر نقل کی ہے جو آپ نے اپنے آخری حج سے واپسی پر خلافت کے متعلق کی تھی۔ جس کے آخری الفاظ انھوں نے یہ لکھے ہیں: "اب اگر کوئی شخص مسلمانوں کے مشورے کے بغیر کسی کے ہاتھ پر بیعت کرے گا تو وہ اور جس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی دونوں اپنے آپ کو قتل کے لئے پیش کریں گے" (ص ۱۸۱)

حضرت فاروق اعظمؓ کی تقریر کا یہ فقرہ محدثین و مولفین نے نقل کیا ہے جس میں ایک کلیہ بیان ہوا ہے لیکن ہم دیکھتے یہ ہیں کہ خود حضرت فاروقؓ نے اپنے بعد چھ بزرگواروں کو نامزد کیا کہ آپس میں فیصلہ کرکے کسی ایک پر راضی ہو جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت فاروقؓ نے یہ چھ نام امت کے سامنے پیش نہیں کئے تھے اور نہ یہ فرمایا تھا کہ باہمی فیصلہ کرنے کے بعد عوام کو بغرض استصواب مطلع کریں۔ یہ تو حضرت عبدالرحمٰنؓ کا اپنا تقویٰ اور احساس ذمہ داری تھا کہ چار بزرگواروں کے الگ ہو جانے کے بعد جو دو صاحب باقی

رہے تھے ان میں سے کسی کو محض اپنی رائے سے منتخب نہ کریں بلکہ اہل مدینہ اور امراء عساکر سب سے مشورہ کر کے نتیجے کا اعلان کردیں۔ چنانچہ تین دن اور تین راتیں ایک ایک گھر جا کر آپ نے لوگوں کی رائے لی تھی۔ اور ہر طرف سے یہی آواز سنی تھی کہ حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوں۔ مودودی صاحب کو بھی اس کا اعتراف ہے۔

گویا حضرت فاروق اعظمؓ نے تقریر میں جو کلیہ مسلمانوں کے مشورے کے متعلق بیان فرمایا تھا اس پر عمل اس صورت میں ہوگا جب مسلمانوں کا کوئی امام نہ ہو یا جانے والا امام کسی کے لئے وصیت نہ کر گیا ہو یا کوئی ہدایت نہ دے سکا ہو۔ جب جانے والا امام کسی کے بارے میں وصیت کر جائے تو وہ وصیت بہر حال نافذ ہوگی۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت فاروقؓ اپنی زندگی کی اہم ترین تقریر کریں اور پھر چلتے وقت اس تقریر کے مطابق عمل نہ کریں جو مودودی صاحب ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کے قول اور عمل میں ہرگز تضاد واقع نہیں ہوا کیونکہ آپ کو وصیت کر جانے کا موقعہ مل گیا تھا۔ یہ بات اور ہے کہ وصیت کسی خاص شخص کے لئے نہیں تھی بلکہ ان چھ حضرات میں سے کوئی بھی خلیفہ ہو سکتا تھا۔ مگر ہوتا وہ اسی وصیت کے مطابق جو حضرت فاروقؓ نے کی تھی۔

حضرت فاروق اعظم رضوان اللہ علیہ کی تقریر کا مقصد اس کے علاوہ اور کچھ نہ تھا کہ نصب امام کا حق صرف ارباب حل و عقد کو ہے یا پھر جانے والے امام کو اسی لئے حضرت علیؓ کی خلافت آخر وقت تک معرض بحث رہی کہ نہ جانے والے امام نے ان کو نامزد کیا نہ ارباب حل و عقد نے نصب کیا پھر تحکیم پر راضی ہو کر اپنا موقف خود ہی کمزور کر لیا۔ کسی شخص کو ان کے خلیفہ ہونے کی اہلیت پر اعتراض نہ تھا اور نہ کسی نے ان کے مقابلے میں خلافت کا دعویٰ کیا تھا اور نہ ان کے متوازی کوئی حکومت قائم کرنی چاہی تھی۔ اعتراض صرف ان لوگوں پر اور ان کے طریقہ کار پر تھا جنھوں نے متفق علیہ اور محبوب ترین امام کو ظلماً و کفراً شہید کر کے یہ خلافت برپا کی تھی۔ اسی لئے دونوں ثالثوں نے فیصلہ دیا تھا کہ معتمد اصحاب کے عام اجلاس میں خلافت کے مسئلے کا از سر نو تصفیہ کیا جائے۔ اس موضوع پر بحث آگے آرہی ہے۔

فرائض خلافت خلافت اسلامیہ محض ایک دنیوی حکومت ہوتی ہے جس کی بنیاد کتاب وسنت پر ہو۔ اور خلافت کا انحصار خلیفہ یا اس کے کارکنوں پر نہیں ہے بلکہ اس سے مراد وہ اجتماعی نظام ہے جسے غیر معصوم مسلمان کتاب وسنت کی بنیاد پر قائم کریں۔ اور یہ نظام جب کبھی قائم ہوگا اسے خلافتِ راشدہ ہی کہا جائیگا کیونکہ رشد وہدایت کا منبع اللہ کی کتاب اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے نہ کہ کسی شخص کی ذات۔

احادیث میں جو ہے اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمر واهتدوا بهدی عمار وما اقرأکم ابن ام عبد فصدقوه (میرے بعد ان دونوں ابوبکرؓ وعمرؓ کا اتباع کرنا اور عمار کی راہ چلنا اور ابن ام عبد جو پڑھائے اس کی تصدیق کرنا) تو اس حدیث کا تعلق خلافت سے نہیں ہے بلکہ صحابیت سے ہے کیونکہ یہ بزرگوار علوم نبویہ کے حامل تھے اور اپنی خصوصیات کی بناء پر امت میں ان کا مقام تھا۔ ظاہر ہے کہ خلیفہ تو ان میں سے صرف پہلے دو ہی ہوئے۔

جس حدیث کے تحت خلفاء کی سنت کا اتباع واجب ہوا وہاں نہ کسی کا نام ہے اور نہ ان کی تعداد۔

علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین من بعدی۔	تم پر میری سنت کا اتباع لازم ہے اور ان راست رو ہدایت یافتہ خلفاء کا جو میرے بعد ہوں گے۔

جن لوگوں نے راشدوں کی تعداد چار مقرر کر دی ہے وہ بے دلیل ہے۔ بلکہ اسے بھی چوتھی صدی ہجری کی بدعت کہنا چاہیئے کیونکہ یہ تمام نصوص صریحہ وثابتہ اور تعامل صحابہ کے خلاف ہے۔ راشدوں کی نہ کوئی تعداد معین ہے اور نہ اس سلسلے میں زمانے کی کوئی تحدید ہے۔ بلکہ اس امر کی صراحت ہے کہ یہ سلسلہ صدیوں تک رہے گا اور ہر حال میں مسلمانوں پر واجب ہوگا کہ وہ جماعت اور اس کے ائمہ سے وابستہ رہیں۔ تلزم جماعة المسلمین وامامهم نص قطعی ہے [بخاری: کتاب الفتن] فتنہ وفساد اور فرقہ بازی کے زمانے میں سلامتی صرف جماعت اور اس کے امام سے وابستہ رہنے میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو فرمایا ہے اُولٰئك هم الراشدون (یہی لوگ ہیں ہدایت یافتہ) لہذا جس نظام پر وہ مجتمع ہوئے اور اس سے راضی ہو گئے وہی نظام حق ہے اور اس سے ہٹ کر اور اسے باطل بتا کر جو صورت پیدا کرنے کی کوشش کی جائیگی وہ باطل ہو گی۔ البتہ اس کی رجحیّت تسلیم کر کے اپنے احوال کے تحت کوئی مناسب راہِ عمل پیدا کی جائے تو جائز ہے بشرطیکہ امت راضی ہو جائے۔ کیونکہ خلافت برپا کرنے کا کوئی مخصوص طریقہ منصوص نہیں بلکہ یہ امت کا اختیاری فعل ہے کہ باہم رضامندی سے وہ جس طرح چاہیں اسے برپا کریں۔ وہ جو بھی طریقہ اختیار کریں گے حق ہوگا، اور اس میں بعد کے لوگ جو تبدیلی کریں گے وہ بھی حق ہو گی۔ کیونکہ تشکیل حکومت ہمیشہ حاضر الوقت احوال اور زمانے کے تقاضوں کے مطابق کی جاتی ہے اسی لئے شریعت میں کوئی متعین طریقہ نہیں۔

اللہ تعالےٰ نے خلافتِ اسلامیہ کے فرائض یہ بتائے ہیں [الحج: ۴۱]

الذین ان مکنھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر وللہ عاقبۃ الامور۔	وہ لوگ جب ہم انھیں دنیا میں حکومت عطا فرماتے ہیں تو وہ نماز قائم کرتے ہیں زکوٰۃ دیتے ہیں، اچھی باتوں کا حکم کرتے ہیں بری باتوں سے روکتے ہیں ویسے تمام امور کا انجام ومآل اللہ کے ہاتھ ہے۔

جس حکومت میں یہ شعبہائے زندگی منظم ہوں وہ خلافت راشدہ ومرشدہ ہے۔ خلفاء اور ان کے کارکنوں کی کوتاہیاں اور فردگزاشتیں اس کی حیثیت کم نہیں کرتیں۔ جو لوگ کسی خلیفہ کی شخصی کمزوریوں کے سبب اس کی خلافت کو کوئی دوسرا نام دینا چاہتے ہیں وہ کج فہم ہیں اور راہل ہوئی۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے ان کی خام خیالی کی جڑ پہلے ہی کاٹ دی ہے اور بتا دیا ہے کہ کتاب کی وراثت نے امت کو جو بزرگی اور عنداللہ مقبولیت عطا کی ہے اسے کوئی نہیں چھین سکتا اور ان کے شخصی معائب اس راہ میں حائل نہیں ہو سکتے (الفاطر: ۳۲)

ثم اورثنا الکتٰب الذین اصطفینا	پھر ہم نے کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنایا

من عبادنا فمنهم ظالم لنفسہ ومنهم مقتصد ومنهم سابق بالخیرات باذن اللہ ذلک هو الفضل الکبیر

جنھیں ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا بعض ان میں اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں بعض درمیانی چال چلنے والے ہیں اور بعض لوگ اللہ کے حکم سے نیکیوں میں سبقت کرنے والے ہیں اور یہ بہت بڑا فضل ہے۔

اس تمام بیان سے ناظرین کرام پر یہ چند باتیں واضح ہو گئی ہوں گی۔

(۱) خلافت نبوت کسی شخص کی حکومت نہیں بلکہ ایک سیاسی نظام ہے جو شریعت مطہرہ پر مبنی ہو۔ اس نظام میں اجتماعی فلاح وبہبود کے ہر شعبے کے لئے سرکاری کارکن ہوتے ہیں جو پورے معاشرے کی نگرانی کریں۔ ان میں کوئی شخص یا اشخاص معیاری نہ ہوں تو اس سے نظام کی حجیت پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ انتظامیہ آزاد عدلیہ، پھر محکمہ احتساب، محکمۂ افتاء اور سب سے بڑھ کر خود مسلم معاشرہ یہ سب مل کر خلافت راشدہ قائم کرتے ہیں۔ اور اس نظام کا سربراہ خلیفہ اور امام کہلاتا ہے۔

(۲) رشد وہدایت کا منبع اللہ کی کتاب اور رسول کی سنت ہے نہ کسی امتی کی ذات۔ صحابہ و علماء و فقہا یا خلفاء کو جو راشد کہا جاتا ہے تو ان کے علم اور نورانیت کے سبب کہ منشاء نبوی ان کے ذریعہ معلوم ہوتا ہے۔

(۳) وہ خلافت جو اجماع صحابہ اور ان کے بعد کسی عہد کے مسلمانوں کے اجماع سے قائم ہو وہ خلافت راشدہ ہے

(۴) ایسی خلافت جب بھی قائم ہو تو اس کے خلاف کھڑا ہونا اور خروج کرنا خدا و رسول سے غداری ہے اور اس شخص کو اپنے ایمان کی خیر منانی چاہئیے کیونکہ اس پر انتہائی سخت وعید ہے۔

من فارق الجماعة شبراً فقد خلع ربقه الاسلام من عنقه الا ان یراجع (متفق علیہ)

جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھر بھی جدا ہوا تو اس نے اسلام کا جوا اپنی گردن سے اتار پھینکا سوائے اس کے وہ اپنے موقف سے باز آجائے۔

یہ وعید خلافت اسلامیہ کے خلاف خروج کے بارے میں ہے۔ جبکہ کھڑے ہونے والے

کی پشت پر رائے عامہ نہ ہو۔ فقہی اور نظری اختلافات جو جماعت کے اندر رہ کر اور نظام خلافت سے وابستہ رہنے کی صورت میں ہوں وہ اس کے تحت نہیں آتے کیونکہ اس سے علم و فکر میں ارتقاء ہوتا ہے۔

(۵) یہی وجہ ہے کہ امیر المومنین یزید اول علیہ الرحمۃ والرضوان کے خلاف جب اہل مدینہ نے بغاوت کی تو شیخ الصحابہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اسے خدا اور رسول سے غداری قرار دیا تھا۔ [بخاری: کتاب الفتن ص ۲۳۰، ج ۴، طبع مصر]

عن نافع قال لما خلع اھل المدینہ یزید بن معاویۃ جمع ابن عمر حشمہ وولدہ فقال انی سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول ینصب لکل غادر لواء یوم القیمۃ وانا قد بایعنا ھذا الرجل علی بیع اللہ ورسولہ وانی لا اعلم غدرا اعظم من ان یبایع رجل علی بیع اللہ ورسولہ ثم ینصب لہ القتال وانی لا اعلم احداً منکم خلعہ ولا بایع فی ھذا الامر الا کانت الفیصل بینی وبینہ۔

حضرت نافعؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب اہل مدینہ نے (امیر المومنین) یزید بن معاویہؒ کی بیعت توڑ دی تو (حضرت) ابن عمرؓ نے اپنے متعلقین اور آل اولاد کو جمع کیا اور فرمایا میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ قیامت کے دن ہر غدر کرنے والے کے لئے ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا۔ اور ہم نے اس شخص کے ہاتھ پر اللہ اور اس کے رسول کے نام سے بیعت کی ہے اور مجھے اس سے بڑی کوئی غداری نہیں معلوم ہوتی کہ ہم ایک شخص کے ہاتھ پر اللہ اور اس کے رسول کی بیعت کریں اور پھر اس سے جنگ کرنے کھڑے ہو جائیں مجھے یہ معلوم نہیں ہونا چاہیئے کہ تم میں سے کسی نے بیعت توڑ دی یا اس بغاوت کے معاملے میں کوئی بیعت کی۔ ایسا ہوا تو پھر میرا اور اس کا کوئی تعلق نہیں رہے گا۔

ملوکیت

شریعت اسلامیہ کے مطابق قانون سازی کا حق کسی کو نہیں۔ ان الحکم الا للہ (حکم دینا صرف اللہ کے ہاتھ ہے) لہذا حکومت اسلامیہ میں احکام الہٰی کے نفاذ کے بارے میں صرف اجتہاد ہے۔ کہ اپنے معاشرے کے احوال کے مطابق

احکام الٰہی نافذ کرنے کے لئے مناسب طریقے اختیار کئے جائیں[1] حکومت کا ہر قانون روح اسلامی کے مطابق ہونا لازمی ہے۔ اسی کو فقہ اسلامی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قانون بنا دینے سے شرعی حلّت و حرمت یا کراہت و اباحت پر کوئی اثر مترتب نہیں ہونا چاہئے۔

[2] جس حکومت میں قانون سازی کا حق سرحکومت یا قوم کے نمائندوں کو ہو ایسی حکومت کو خلافت نہیں کہتے وہ ملوکیت کہلائے گی جیسے دنیا کی اور حکومتیں ہوتی ہیں، وہ حکومت شخصی ہو، آمرانہ ہو، جمہوری ہو یا اشتراکی ہو۔ اسے ملوکیت کہا جائیگا اور اگر ایسی حکومت کتاب و سنت پر مبنی ہوگی تو وہ خلافت کہلائے گی اگرچہ اس کی شکل کچھ ہو اور کسی زمانہ میں ہو۔

[3] گویا ملوکیت صرف وہ حکومت کہلائے گی جو کتاب و سنت پر مبنی نہ ہو۔ اور ایسی حکومت کا سربراہ خلیفہ نہیں ہوگا بلکہ بادشاہ ہوگا۔ اسی لئے مسلمانوں کے کسی علاقے میں اگر شاہی نظام برپا ہوا تو سرحکومت کو سلطان کہا گیا اگرچہ عرف عام میں وہ بادشاہ کہلائے۔ لیکن سرکاری حیثیت اس کی سلطان ہی کی رہی۔ اور اس کے صرف ایک ہی معنی رہے کہ اس کے فیصلے آخری ہوں جن کا مرافعہ نہ کیا جا سکے[4] خلفائے اسلام کے تحت ایسے متعدد سلاطین ہوئے ہیں۔

ایسے شخص کو سلطان اس لئے کہا جاتا تھا کہ اس کے زیر نگیں علاقے میں کتاب و سنت کی حکم رانی تھی وہ خود قانون ساز نہ تھا البتہ اسے اپنے زیر نگیں علاقہ میں سیاسی اعتبار سے اندرونی خود مختاری حاصل تھی۔ صرف امور خارجہ میں وہ مرکز سے وابستگی کا پابند تھا۔ جیسے سلطان غازی محمود غزنوی[7] یا سلطان غازی صلاح الدین ایوبی[9]۔ ترکی خلفاء بھی اسی معنی میں سلاطین کہلاتے تھے۔ اور یہ ان کا ادب تھا کہ آئینی حیثیت سے خلفائے اسلام ہونے کے باوجود انھوں نے صرف سلطان کا لقب اختیار کیا کیونکہ بہت سے مسلم علاقے سرکاری طور پر ان کے حلقۂ اثر سے باہر تھے۔

غرض یہ کہ مسلم حکومتوں میں شاذونادر ہی کوئی بادشاہ ہوا ہے۔ وہ سب سلاطین تھے۔ مودودی صاحب نے جو اپنے مزعومات کے تحت یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ صحابہ کے زمانے ہی میں خلافت ختم ہو کر ملوکیت آگئی تھی تو ان کا یہ بیان بے پایہ ہے

اور اس سے کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع صحابہ اور قیاس سب کی نفی ہوتی ہے۔ اور اس میں پوری امت کی تضلیل و توہین کا ایسا پہلو نکلتا ہے کہ اس سے ختم نبوت کا بنیادی عقیدہ متزلزل ہو جاتا ہے اور ان طالع آزما لوگوں کے لئے راہ نکلتی ہے جو نئی امامت اور نبوت کی ڈول ڈالنا چاہیں۔

یہاں ایک نہایت اہم حدیث کی طرف ہم متوجہ کرنا چاہتے ہیں (صحیح مسلم ج ص، ۳۹۵ طبع مصر) حضرت نافع بن عتبہ فرماتے ہیں کہ ایک غزوے کے موقع پر میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ چار باتیں یاد رکھی ہیں۔

قال تغزون جزیرۃ العرب فیفتحھا اللہ ثم فارس فیفتحھا اللہ ثم تغزون الروم فیفتحھا اللہ۔ الخ	آپ نے ارشاد فرمایا تم جزیرۃ عرب کے خلاف جہاد کروگے اور اللہ اس پر فتح دے گا پھر فارس پر اور اللہ اس پر بھی فتح دیگا پھر تم روم کے خلاف جہاد کروگے اور اللہ اس پر بھی فتح دے گا۔

گویا آپ کی امت کی جو حکومت عرب کو فتح کرے گی وہ حضرت صدیق اکبرؓ کے زمانے کی بات ہے اور جو فارس فتح کرے گی وہ حضرت فاروق اعظمؓ اور حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے عہد کی بات ہے اور جو روم کے خلاف جہاد کا سلسلہ شروع کرے گی جو حضرت عثمانؓ کے عہد سے حضرت معاویہؓ کی سرکردگی میں شروع ہوا، اور ان کے عہد میں امیر یزیدؒ کے زیر کمان قسطنطنیہ پر پہلا حملہ ہوا پھر اموی اور عباسی دور میں بارہا یہ جہادی معرکے ہوتے رہے تا آنکہ سلطان محمد فاتحؒ کے دست مبارک پر قسطنطنیہ فتح ہوا، ان سب حکومتوں کی حیثیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک یکساں ہے یعنی مسلمان کتاب وسنت پر مبنی جیسی بھی حکومت قائم کریں گے اس کی ہیئت ترکیبی کچھ بھی ہو وہ اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک مقبول ہے۔

اور یہ کوئی ایک ہی حدیث نہیں ہے متعدد ہیں مثلاً صحیح بخاری (ج ۲، ص ۱۹۲ طبع مصر)

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا ھلک کسریٰ فلا کسریٰ	رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسریٰ ہلاک ہو جائے تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں ہوگا اور جب

بعدہ واذا ھلک قیصر فلا قیصر بعدہ والذی نفسی بیدہٖ لتنفقن کنوزھما فی سبیل اللہ	قیصر ہلاک ہوگا تو پھر اس کے بعد کوئی قیصر بھی نہیں ہوگا اور اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ تم ان دونوں کے خزانے اللہ کی راہ میں خرچ کروگے۔

تو اب ہم پوچھنا چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک حکومت کے جو طرز مقبول ہیں اور ان پر آپ نے فخر کیا ہے، انھیں باطل کہہ کر مودودی صاحب نے اپنی حیثیت کیا بنا لی؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب قیصر ہلاک ہوگا تو اس کے بعد پھر کوئی قیصر نہ ہوگا یعنی ترکی خلفاء کی حیثیت اس ارشاد کے اعتبار سے قیصروں کی سی نہیں ہے وہ خلفاء وسلاطین ہیں اور عالم اسلام کے سربراہ مگر مودودی صاحب اموی وعباسی خلفاء کو بھی کسریٰ وقیصر کہتے اور ان کی خلافت کے لئے ملوکیت کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ اور کمال یہ ہے بخاری کی روایت چھوڑکر کم درجے کی روایت کے ذریعہ امیرالمومنین یزید علیہ الرحمۃ کی ولایت عہد کے سلسلے میں قیصر وکسریٰ کا نام ایک صحابی کے منہ سے ادا کرانا چاہتے ہیں جو منشاء نبوی کے خوب جاننے والے تھے اور امت میں آج کوئی بھی ان کی سمجھ کو نہیں پہنچ سکتا۔

یہ حدیث ناطق ہے کہ مسلمانوں میں ملوکیت نہیں آئی اور نظام خلافت جب تک برپا رہا اس وقت تک بھی نہیں آسکتی تھی کیونکہ ہر خلافت کی بنیاد اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر رہی۔

ملوکیت تو اس وقت آئی جب خلافت ختم ہوگئی ہر مسلم ملک نے قانون سازی اختیار کی اور خدا و رسول کے صریح احکام کے خلاف قانون بنائے اور اپنی وفاداریاں کلمۃ اللہ کے بجائے اپنے ممالک اور اپنے خودساختہ آئین سے وابستہ کیں۔

ایک لغو اور بے پایہ روایت

مودودی صاحب نے کنزالعمال کے حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے (شمارہ مئی ص ۱۹۲) مگر یہ بتائے بغیر کہ علماء حدیث کے ہاں اس کتاب کی کیا حیثیت ہے اور اس کی روائتیں

کن اصول کے تحت قبول کی جاتی ہیں۔ انھوں نے یہ روایت محض اس لئے نقل کی ہے کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ پر چوٹ کریں اور منافق بتائیں۔ اس سلسلے میں یہ طنز بھی ملاحظہ ہو کہ انھیں "حضرت معاویہ کے والد حضرت ابوسفیان" لکھا ہے اور دوسری جگہ محض "ابوسفیان"۔ ان ناموں کے ساتھ رضی اللہ عنہ لکھنا یا (رض) کی علامت بنانا ظاہر ہے کہ ان کے ہاں جائز نہیں۔ ہم یہ عبارت پوری نقل کرتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ پر بھی چوٹ ہے کہ گویا انھوں نے خلافت کو ملوکیت میں تبدیل کر دیا تھا لیکن حضرت علیؓ نے اسے پھر خلافت بنانے کی کوشش کی۔ فرماتے ہیں:-

حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت علیؓ (۳۵-۴۰ھ ۶۵۶-۶۶۱) نے پھر اسی معیار پر کام کرنے کی کوشش کی جو حضرت ابوبکر و عمر نے قائم کیا تھا۔ وہ قبائلی تعصب سے بالکل پاک تھے۔ حضرت معاویہ کے والد حضرت ابوسفیان نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کے وقت ان کے اندر اس تعصب کی روح کو ابھارنے کی کوشش کی تھی۔ مگر انھوں نے یہ راہ اختیار کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ ابوسفیان نے ان سے کہا تھا کہ "قریش کے سب سے چھوٹے قبیلے کا آدمی (ابوبکرؓ) کیسے خلیفہ بن گیا۔ تم اٹھنے کے لئے تیار ہو تو میں وادی کو سواروں اور پیدلوں سے بھر دوں"۔ مگر انھوں نے صاف جواب دے دیا کہ "تمھاری یہ بات اسلام اور اہل اسلام کی دشمنی پر دلالت کرتی ہے۔ میں ہرگز نہیں چاہتا کہ تم کوئی سوار اور پیادے لاؤ۔ مسلمان سب ایک دوسرے کے خیر خواہ اور آپس میں محبت کرنے والے ہوتے ہیں۔ ہم ابوبکرؓ کو اس منصب کا اہل سمجھتے ہیں۔ اگر وہ اہل نہ ہوتے تو ہم لوگ کبھی انھیں اس پر مامور نہ ہونے دیتے"۔ یہی حضرت علی کا نقطۂ نظر خلیفہ ہونے کے بعد بھی رہا جب وہ خلیفہ ہوئے تو انھوں نے ٹھیک اسلامی اصول کے مطابق عربی اور عجمی شریف اور وضیع ہاشمی اور غیر ہاشمی سب کے ساتھ یکساں انصاف کا معاملہ کرنا شروع کیا اور کسی گروہ کو کسی دوسرے گروہ کے مقابلے میں ایسے ترجیحی سلوک سے

نوازنا پسند نہ کیا جو دوسرے گروہوں میں رشک و رقابت کے جذبات ابھار دینے والا ہو"

یہ روایت اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ باطل ہے اور اس سے جو نتائج مودودی صاحب نے نکالے ہیں وہ یادر ہوا ہیں۔ دلائل ملاحظہ ہوں ۔

(۱) قریش ایک قبیلہ تھا اور اس کے گھرانوں میں ادنیٰ اعلیٰ کا کوئی تصور نہ تھا سب کے سب ایک دوسرے کے کفو تھے اور گوناگون رشتوں میں منسلک۔ ہر گھرانے کو قبیلے کی کوئی نہ کوئی اہم خدمت سپرد تھی اور سب کو عرب کی قیادت اور کعبے کی تولیت کا یکساں شرف حاصل تھا۔ وہاں ایک شخص کی عظمت و حرمت کا مدار اس کے ذاتی خصائل و فضائل پر تھا۔ اس اعتبار سے حضرت ابوبکرؓ کی شخصیت قریش میں محترم تھی اور آپ کا شمار رؤساء مکہ میں تھا۔ وہ جب حبشہ کی طرف ہجرت کرنے نکلے ہیں تو راہ میں ابن دغنہ ملے۔ انھیں جب حال معلوم ہوا تو ان سے کہا "قسم ہے خدا کی تم قوم کی زینت ہو اور ہر ایک کے دکھ درد میں شریک ہوتے ہو۔ غریب اور مسافر کے ساتھ سلوک کرتے ہو۔ تم چلو میں تمھیں اپنی پناہ میں لیتا ہوں (الخ)" (صحیح بخاری ابواب المناقب (القسامۃ فی الجاھلیۃ) ج ۲، ص ۳۳۱ طبع مصر)

قریش میں جس شخص کی یہ حیثیت ہو اس کی تحقیر حضرت ابوسفیانؓ کیسے کر سکتے تھے۔

(۲) جاہلیت کے زمانے میں بھی حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ یہ جانتے تھے کہ دعوت محمدیہ کے عظیم ترین رکن تین ہیں۔ ایک خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم، دوسرے حضرت صدیق اکبرؓ اور تیسرے حضرت فاروق اعظمؓ چنانچہ اُحد کے میدان میں جب تیر اندازوں کی غلطی سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور مسلمانوں کی فتح مثل شکست کے ہو گئی حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت تک کی خبر اڑ گئی۔ تو قریش کے امیر عسکر حضرت ابوسفیانؓ نے اس کفر کی حالت میں آواز دے کر مسلمانوں سے پوچھا تھا تو صرف ان تینوں حضرات کے متعلق۔

[صحیح بخاری، ج ۴، ص ۲۰ طبع مصر]

واشرف ابوسفیان فقال أفی القوم محمد فقال لا تجیبوہ فقال	ابوسفیانؓ سامنے آئے تو کہا کیا تم لوگوں میں محمدؐ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جواب مت دینا"۔

فی القوم ابن ابی قحافۃ فقال لاتجیبوہ فقال أفی القوم ابن الخطاب۔ الخ

انھوں نے پھر کہا "کیا تم لوگوں میں ابو قحافہ کے بیٹے (ابوبکرؓ) ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا "جواب مت دینا" پھر انھوں نے کہا کیا تم لوگوں میں خطاب کے بیٹے ہیں؟ الخ

حضرت ابو سفیانؓ جب کفر کی حالت میں حضرت صدیق صلوات اللہ علیہ کا مقام جانتے تھے تو اسلام میں وہ ایسی لغویات اُن کے متعلق کیسے کہہ سکتے تھے۔

(۳) حضرت ابو سفیانؓ اگر خاندانی منافست پیدا کرنا چاہتے اور ایسی بات واقعی کہی ہوتی تو اپنے ہم چشم قدیم دوست اور تمام بنو ہاشم بلکہ سب مسلمانوں کے بزرگ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے کہتے نہ کہ حضرت علیؓ سے جو اپنے بزرگوں کے خورد تھے۔ اور جن کے ہاتھ میں نہ کوئی طاقت تھی اور نہ ایسا اثر کہ لوگ ان کی طرف طبعاً جھکتے۔

(۴) عہد نبوی میں حضرت ابو سفیانؓ نجران کے والی تھے، اور وفات نبوی کے وقت ان کا مدینے میں ہونا قطع نظر اس لغو روایت کے اور کسی طرح ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ وہ اگر وفات نبوی کی خبر سن کر آئے ہوں گے یا حضرت خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلبی کا فرمان بھیجا ہوگا تو بھی تکمیل بیعت کے ڈیڑھ مہینے بعد پہنچ سکے ہوں گے۔ اور یہ وہ وقت تھا جب جیش اسامہؓ روانہ ہو چکا تھا۔ مدینہ کے قرب و جوار کے قبائل کی طرف سے بے اطمینانی تھی اور چاروں طرف سے ارتداد اور بغاوتوں کی خبریں آرہی تھیں۔ اس وقت تمام مسلمان بشمول حضرت علیؓ اپنے امام کی قیادت میں زندگی اور موت کی جدوجہد میں مشغول تھے۔

اس عظیم ابتلاء کے وقت ہم اموی سادات کی بڑی شان دیکھتے ہیں۔ حضرت ابو سفیانؓ کے دونوں فرزند حضرت یزیدؓ اور حضرت معاویہؓ جہاد کے لئے تیار ہیں یا روانہ ہو چکے ہیں اور انھی کے زیر کمان مجاہدوں کا پہلا دستہ بھیجا گیا تھا۔ پھر بدر کے بعد دوسری فیصلہ کن جنگ مسیلمہ کذاب کے خلاف درپیش ہے اور مسلمانوں نے جان کی بازی لگا رکھی ہے ایک سے ایک آگے بڑھ کر دین پر قربان ہو رہا ہے۔ لیکن افسوس کہ اس موقعہ پر ہمیں کسی ہاشمی کا نام نظر نہیں آتا۔ البتہ جہاں

ہم حضرت یزید بن ابی سفیانؓ اور حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ کو جان کی بازی لگاتے دیکھتے ہیں وہاں ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو حجاز و نجران کے درمیانی علاقے کا والی بنا کر بھیجدیا ہے (فتوح البلدان ج ۱، ص ۱۵۹، ترجمہ مولانا ابوالخیر مودودی)

گویا اول تو حضرت ابوسفیانؓ اس وقت مدینہ میں موجود ہی نہ تھے اور اگر حاضر ہوئے تھے تو حضرت صدیقؓ کی بیعت ہو جانے کے کئی ہفتے بعد پھر مستقر کو واپس ہو چکے تھے۔ حالات حاضرہ اس کی اجازت ہی نہیں دیتے تھے کہ مسلمان کسی بارے میں لیت و لعل سے کام لیتے فضول باتوں میں وقت ضائع کرتے اور اندرونی خلفشار کے درپے ہوتے۔

اب ہم مودودی صاحب سے دریافت کرتے ہیں اور ناظرین کرام کو دعوت فکر دیتے ہیں کہ مودودی صاحب نے اس بے پایہ روایت سے جو نتائج و مطالب مرتب کئے ہیں وہ روایت کس حیثیت کی ہے۔

اگر آدمی اپنا، اپنے خاندان کا، اپنے گروہ کا یا اپنے قبیلے کا استحقاق ثابت کرے بعد جماعت کے اندر رہ کر، اختلال پیدا کئے بغیر کامیابی کی کوشش کرے تو اسے کوئی ذی عقل شخص تعصب سے تعبیر نہیں کر سکتا۔ اور اگر مودودی صاحب کے نزدیک یہ قبائلی عصبیت ہے تو اس میں سب مبتلا تھے یعنی انصار جب وہ اپنی خلافت قائم کرنے کے لئے سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور حضرت صدیق اکبرؓ جب انھوں نے قریش کی امامت کی مصلحت ثابت کرکے باقی تمام قبائل کو خلافت سے محروم کر دیا اور بنو ہاشم جو چھ مہینے تک امام وقت سے بقول مولفین جو مودودی صاحب کے نزدیک معتبر ہیں عدم تعاون کرتے رہے۔ مودودی صاحب کے بیان کی تاریکی میں دیکھنے کی کوشش کی جائے تو سب سے زیادہ قابل اعتراض اور افسوس ناک رویہ بنو ہاشم کا تھا۔ انصار سب کے سب بے تخلف بیعت میں داخل ہو گئے سوائے حضرت سعد بن عبادہؓ کے لیکن بنو ہاشم اس کے لئے تیار نہیں ہوئے۔

مودودی صاحب کی جو منطق ہے اس پر اگر وہ قائم ہیں تو انھیں اوپر دیا ہوا اپنا بیان واپس لینا ہوگا کیونکہ جن الزامات کی بنا پر انھوں نے حضرت عثمانؓ کو "خلافت راشدہ"

کا بیڑا غرق کرنے والا ثابت کرنا چاہا ہے وہ تمام الزام زیادہ شدت کے ساتھ حضرت علیؓ پر عائد ہوتے ہیں اور مودودی صاحب کے انداز تجزیہ کے مطابق حضرت علیؓ سے زیادہ خاندانی عصبیت رکھنے والا ان سے بڑھ کر خویش پرور اور خود بیں حکم ران شاید ہی کسی دوسرے کو ثابت کیا جا سکے۔ اس خویش پروری میں وہ ایسی ایسی تباہ کن غلطیاں کر جاتے تھے جن کے سبب ان کی مقبولیت روز بروز گھٹتی چلی گئی۔ حضرت علیؓ کا یہ کردار ان ماخذ سے پوری طرح ثابت ہوتا ہے جن پر مودودی صاحب نے تکیہ کیا ہے اور ان کی موجودگی میں وہ حضرت علیؓ کا کردار ثابت نہیں کر سکتے جو انھوں نے بڑی آب و تاب سے پیش کیا ہے۔

لیکن جو اہل ایمان ہیں جن کے دل میں صحابہ کرام کی عظمت ہے اور جو اس عہد کے فتنوں کا سبب اصلی جانتے ہیں وہ یہ انداز اختیار نہیں کر سکتے جو مودودی صاحب کا ہے اور انھیں اپنے تمام اسلاف کرام یکساں قابلِ تعظیم لائق تحسین اور موجب فخر نظر آتے ہیں ان کا تمام غیظ و غضب ان لوگوں پر ہوتا ہے، جو ان فتنوں کے اصل بانی تھے، جنھوں نے جماعت سے اپنا رشتہ توڑ لیا، جنھوں نے اُمت کو تباہ کرنے کی کسی تدبیر سے دریغ نہ کیا۔ جنھوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف ہنگامہ بپا کر کے انھیں شہید کیا اور جنھوں نے حضرت علیؓ کی خلافت پر حاوی ہو کر انھیں اپنے اقدامات سے ایسا زچ کیا کہ وہ ساری عمر پریشانیوں میں مبتلا رہے۔

مودودی صاحب نے حضرت علیؓ کی مدحت میں جو کچھ فرمایا ہے کہ وہ اسلامی اصول کے مطابق عربی و عجمی شریف و وضیع، ہاشمی و غیر ہاشمی سب کے ساتھ یکساں انصاف کا معاملہ کرتے تھے اور کسی گروہ کو کسی دوسرے گروہ کے مقابلے میں ترجیحی سلوک سے نوازنا پسند نہیں کرتے تھے جو دوسرے گروہوں میں رشک و رقابت کے جذبات ابھارنے والا ہو۔ تو بحمد اللہ تعالےٰ یہ صفات ہمارے تمام خلفاء میں تھیں۔ انھوں نے جسے بڑھایا وہ اس کے ذاتی فضائل کی بنا پر اور جسے گھٹایا وہ اس کی شخصی نااہلیوں کے سبب، جسے نوازا وہ اس کی خوبیوں اور وفاداریوں کی وجہ سے اور جسے سزا دی وہ اس کی غلطیوں اور ناشائستہ حرکتوں کی بنا پر۔ اس سلسلے میں اگر کہیں کسی سے چوک ہو گئی یا اس نے کوئی قدم غلط اٹھالیا

تو اس لئے کہ وہ سب انسان تھے اور انسان خطاء و نسیان کا مرکب ہے۔

نکتہ چینی کا حق صرف ان ہم عصر لوگوں کو ہے جو واقعات کے ظاہر و باطن سے واقف ہوں اور بعد کے لوگ نکتہ چینی کے مجاز اس وقت ہیں جب ان کے سامنے ناقابلِ تردید یادداشتیں ہوں اور حسی آثار ہوں۔ خیال و گمان اور وضعی روایتوں پر تکیہ کر کے جو لوگ نکتہ چینی کی راہ اختیار کرتے ہیں ان کا حشر وہی ہوتا ہے جو اس مضمون سے مودودی صاحب کی علیت کا نظر آئیگا۔

حضرت فاروقِ اعظمؓ کی جانشینی

مودودی صاحب کے دل میں معلوم ہوتا ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت و محبت و حرمت نہیں۔ کیونکہ صحابہ کے احوال اور واقعات تاریخ کے سلسلہ میں اپنے باطل نظریات کی تائید کے لئے وہ چھانٹ چھانٹ کر ایسی روایتوں سے استدلال کرتے ہیں جو دشمنانِ صحابہ کی وضع کردہ ہیں اور سنداً و متناً ہیچ محض ہیں، بہترین ماخذ اور معتبر ترین مصادر سے استدلال چونکہ ان کے مفید مطلب نہیں لہذا ان سے انھیں گریز ہے۔ اس ذہنیت کا بدترین نمونہ ان کا حسب ذیل بیان ہے (مئی ص ۱۹۱) فرماتے ہیں۔

"حضرت عمرؓ کو اپنے آخر زمانے میں اِس بات کا خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں ان کے بعد عرب کی یہ قبائلی عصبیتیں (جو اسلامی تحریک کے زبردست انقلابی اثر کے باوجود بالکل ختم نہیں ہوگئی تھیں) پھر نہ جاگ اٹھیں اور ان کے نتیجے میں اسلام کے اندر فتنے برپا ہوں۔ چنانچہ ایک مرتبہ اپنے امکانی جانشینوں سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے اُنھوں نے حضرت عبداللہ بن عباس سے حضرت عثمانؓ کے متعلق کہا" اگر میں ان کو اپنا جانشین تجویز کردوں تو وہ بنی ابی مُعَیط (بنی امیہ) کو لوگوں کی گردنوں پر مسلّط

کردیں گے اور وہ لوگوں میں اللہ کی نافرمانیاں کریں گے۔ خدا کی قسم اگر میں نے ایسا کیا تو عثمانؓ یہی کریں گے اور اگر عثمانؓ نے یہ کیا تو وہ لوگ ضرور معصیتوں کا ارتکاب کریں گے اور عوام شورش برپا کرکے عثمانؓ کو قتل کردیں گے"۔

خطرہ مودودی صاحب نے پہلے بھی حضرت عمرؓ کی اساءت ادب کرتے ہوئے لکھا تھا "حضرت عمرؓ خلیفہ رسولؐ جن کے قلب سے وہ جذبہ اکابر پرستی جو زمانہ جاہلیت کی پیداوار تھا آنحضرت کی وفات تک پوری طرح محو نہ ہو سکا تھا (ترجمان القرآن ج ۱۲ عدد ۴ ص ۲۰۰ بحوالہ مودودی شہ پارے) مگر اب تو انھوں نے یہ بالکل جھوٹی بات کہی ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ کو اپنے جانشینوں کے بارے میں کوئی خطرہ تھا یا وہ امت کے مستقبل کی طرف سے پریشان رہتے تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اصحاب پر پورا اعتماد تھا، اور اسی لئے آپ نے اپنی جانشینی کے بارے میں کوئی حکم دینا ضروری نہ سمجھا، تو حضرت فاروق اعظم رضوان اللہ علیہ کا ایمان انھیں ایسے خدشات میں کس طرح مبتلا کر سکتا تھا؟ کیا وہ قرآن میں نہیں پڑھتے تھے کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (تم بہترین قوم ہو جسے اقوام عالم کے لئے بطور نمونہ چنا گیا ہے) اور کیا انھیں معلوم نہیں تھا وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ (اللہ اپنا نور پورا کرکے رہے گا۔ اگرچہ کافروں کو یہ امر ناگوار ہو) اور کیا انھیں اس وعدہ ربانی میں شک ہو سکتا تھا۔ (الفتح)

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا۔

خدا تعالیٰ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے اسی لئے جلدی سے فی الوقت تمھیں یہ کچھ دیدیا اور لوگوں کی دست درازی سے تمھیں محفوظ رکھا تاکہ اہل ایمان کے لئے ایک نشان ہو اور وہ تمھیں سیدھی راہ چلاتا رہے۔

ان جیسی اور بھی بیسیوں آیات ہیں جن میں صراحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ صحابہ کرام اور ان کا اتباع کرنے والے لوگوں کو ہمیشہ غالب رکھے گا انھیں گوناگوں نعمتوں سے

نوازے گا اور انہی کو اقوام عالم کے سامنے دعوتِ محمدیہ کی نمایندگی کا دائمی شرف عطا فرمائیگا' اِن صریح آیات کی موجودگی میں حضرت فاروق اعظمؓ کو امت کے مستقبل کی طرف سے کیا خطرہ ہوسکتا تھا۔ چنانچہ آپ کے بالکل آخری وقت جب جانشینی کا مسئلہ اٹھایا گیا تو فرمایا (صحیح مسلم باب الاستخلاف وترکہ ج ۲' ص ۱۲۲ طبع مصر نیز صحیح بخاری ج ۴ ص ۲۴۸)

ان اللّٰہ عز وجل یحفظ دینہ وانی لئن لا استخلف فان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لم یستخلف وان استخلف فان ابابکر قد استخلف	اللہ تعالےٰ اپنے دین کی حفاظت کرے گا۔ اور میں اگر کسی کو جانشین نہ بناؤں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو جانشین نہیں بنایا۔ اور اگر کسی کو جانشین تجویز کروں تو (حضرت) ابوبکرؓ اپنا جانشین مقرر فرما گئے تھے۔

یہ کیسی کھلی ہوئی اور محکم دلیل ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ کے ذہن میں اپنے بعد کے جانشین کے بارے میں قطعاً کوئی اُلجھن نہیں تھی۔ جب وفات کے وقت آپ پوری طرح مطمئن تھے تو اس سے پہلے جب دنیا میں چاروں طرف آپ کی نگرانی میں اسلام کا پرچم لہرا رہا تھا' اور مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کی بنیادیں آپ استوار کر رہے تھے اور قدم قدم پر اللہ تعالےٰ آپ کو دکھا رہا تھا کہ وہ اپنے وعدے کس طرح پورے کرتا ہے' تو اس کا موقعہ ہی کہاں تھا کہ اُمت کے مستقبل کی فکر میں ایسے گہرے سانس لیں اور آہیں بھریں کہ سُننے والے کو اندیشہ ہو کہیں ان کی پسلیاں نہ چٹک جائیں۔

مودودی صاحب کو ایمان اور علم کا دعویٰ تو ایسا ہے کہ اپنے آپ کو شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور امام ربانی مجدد الف ثانیؒ سے بھی بڑا مجدد وقت سمجھتے ہیں جیساکہ اُنھوں نے تجدید واحیائے دین میں تحقیقی مطالعہ کر کے اگلوں اور پچھلوں سب میں خامیاں نکالی ہیں۔ لیکن برغم خویش اللہ کے کلام کا "ترجمان" ہونے کے باوجود انھوں نے ان آیات پر غور نہیں کیا کہ اللہ تعالےٰ صحابہ کرام اور ان کے دامن سے وابستہ جماعت کو ہمیشہ راہِ حق پر رکھے گا اور ان کا کوئی اجتماعی اقدام ایسا نہ ہوگا کہ بارگاہِ الٰہی میں نامقبول ہو۔

ان آیات پر اگر انھوں نے ایمان کے ساتھ غور کر لیا ہوتا تو ان کا رویّہ صحابہ کرام کے ساتھ ایسا گستاخانہ کیوں ہوتا کہ اپنے اس سلسلۂ مضامین میں انھوں نے اکابر واجلۂ واعاظم صحابہ کو طعن وتشنیع کا ہدف بنانے میں باک نہ کیا۔ اور پھر بنا رکھی ان روایاتِ واہیہ پر جن کی کوئی حقیقت نہیں۔ مثلاً الاستیعاب کی یہی مردود روایت جس کا نہ سر ہے نہ پیر۔

یہ عبارت جس کا ایک ٹکڑا مودودی صاحب نے حضرت عثمانؓ پر طعن کرنے کے لئے بطور حجت پیش کیا ہے، ہم اسے یہاں پورا نقل کرتے ہیں۔ اور نتیجہ اخذ کرنا ان سمجھدار لوگوں پر چھوڑتے ہیں جن کے دلوں میں صحابہ کرام کی عزّت ومحبّت ہے اور جو تاریخ اسلام کو ان خرافات سے پاک کرنا چاہتے ہیں جنھیں دشمنانِ امّت نے صحابہ کے خلاف پروپگنڈے کے طور پر شہرت دے دی۔ جن علماء نے ایسی واہی روائتیں اپنی کتابوں میں بلا سوچے سمجھے روایت پرستی کی بنا پر لکھدیں یہ ان کی امانتِ علمی سمجھئے کہ جس طرح انھیں بات پہنچی درایتاً غور کئے بغیر سند بیان کرکے یا حوالہ دے کر لکھدی اور بہت ممکن ہے کہ بعد میں کاتبوں اور وراق نے اضافہ کردی ہو۔ لیکن ظلم وہ لوگ کرتے ہیں جو تحقیق کئے بغیر یا تحقیق سے قصداً اغماض کرکے انھیں بطور حجت پیش کریں۔ مودودی صاحب کا شمار انہی ظالموں میں ہے

وضعی روایت اس وضعی روایت کی پوری عبارت یوں ہے :۔

عن ابن عباس قال بین انا امشی مع عمر یوماً اذ تنفس نفساً ظننت انه قد قصبت اضلاعه۔ فقلت سبحان الله! والله ما اخرج منك هذا یا امیر المومنین الا امر عظیم۔ فقال ویحك یا ابن عباس ما ادری ما اصنع	(حضرت) ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ آپ فرماتے ہیں ایک دن (حضرت) عمرؓ کے ساتھ چلا جا رہا تھا کہ آپ نے ایک گہری سانس لی اور مجھے ایسا لگا کہ کہیں ان کی پسلیاں نہ چٹک گئی ہوں تو میں نے کہا سبحان اللہ! امیر المومنین بخدا یہ تو کوئی بہت بڑی بات ہے جس کے سبب آپ نے ایسی آہ کی۔ فرمایا "افسوس ابن عباس میری سمجھ میں نہیں آتا کہ امّت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا

بامة محمد صلی اللہ علیہ وسلم
قلت ولما؟ وانت بحمد الله
قادر ان تضع ذلك مكان الثقة
قال انی اراك تقول صاحبك
اولی الناس بها یعنی علیا رضی الله
عنه۔ قلت اجل والله انی لاقول
ذلك فی سابقته وعلمه وقرابته
وصهره۔ قال انه كما ذكرت
ولكنه كثير الدعابة۔ فقلت
فعثمان؟ قال فوالله لو فعلت
لجعل بنی ابی مُعَيط علی رقاب
الناس يعلمون فيها بمعصية
الله لو فعلت لفعل ولو فعل
لفعلوه فوثب الناس عليه فقتلوه
فقلتُ طلحة بن عبيدالله قال
الا اكيسم هو ازهی من ذلك۔
ماكان الله ليرانی اوليه
امر امة محمد صلی اللہ علیہ
وسلم وهو اعلی ما عليه الزهو۔

قلت الزبير بن العوام؟ قال
اذا يلاطم الناس فی الصاع والمد۔
قلت سعد بن ابی وقاص؟ قال ليس

کیا کروں؟" میں نے عرض کیا یہ کیا بات ہوئی؟ خدا کے
فضل سے آپ یہ قدرت رکھتے ہیں کہ کسی قابل اعتماد
شخص کو اس کے لئے نامزد کر دیں۔" فرمایا مجھے تم یہ
کہتے لگتے ہو کہ تمہارے صاحب سب لوگوں سے زیادہ
اس کے مستحق ہیں" آپ کی مراد حضرت علیؓ سے تھی۔
میں نے کہا "جی ہاں! اور میں یہ ان کی سابقت ان کے
علم ان کی قرابت اور ان کی دامادی کے سبب کہتا ہوں"
فرمایا "ہاں وہ ہیں تو ایسے ہی لیکن ان میں بہت ظرافت ہے"
میں نے عرض کیا "تو عثمان؟" فرمایا "بخدا اگر میں نے ایسا
کیا تو وہ ابومُعَیط کی اولاد کو لوگوں کی گردنوں پر سوار
کر دیں گے کہ وہ ان میں اللہ کی نافرمانی کریں۔ بخدا
اگر میں نے ایسا کیا تو وہ (یعنی حضرت عثمانؓ) وہی
کریں گے اور انھوں نے ایسا کیا تو وہ (یعنی بنو ابی
مُعَیط) بھی وہی کریں گے اور پھر لوگ ان پر (یعنی
حضرت عثمانؓ پر) ٹوٹ پڑیں گے اور انہیں قتل
کر دیں گے۔

میں نے عرض کیا "طلحہ بن عبیداللہ؟" فرمایا "ارے
وہ خود پرست! اس کا مقام اس سے کہیں ارفع ہے
خدا نہ کرے کہ امت محمدی کے معاملات میں اس جیسے
مغرور شخص کے سپرد کر دوں۔

میں نے کہا "زبیر بن العوام؟" فرمایا "وہ لوگوں کو
سیروں اور پاؤوں پر چپتائے گا (یعنی حساب کتاب میں
سختی کریں گے) میں نے کہا "سعد بن ابی وقاص؟" فرمایا

بصاحب ذلك۔ ذاك صاحب مقنب يقاتل به قلت عبدالرحمٰن بن عوف؟ قال نعم الرجل ولكنه ضعيف عن ذلك۔

وہ اس کام کے نہیں وہ تو بس اس کے ہیں کہ سواروں کا دستہ لیں اور جنگ کریں میں نے کہا عبدالرحمٰن بن عوف؟ فرمایا "آدمی اچھے ہیں مگر یہ کام ان کے بس کا نہیں۔"

واللّٰہ یا ابن عباس ما یصلح لھٰذا الامر الا القوی فی غیر عنف اللین فی غیر ضعف الجواد فی غیر سرف الممسك فی غیر بخل قال کان واللّٰہ عمر کذلك۔

بخدا اے ابن عباس! اس کام کے لائق تو بس وہ ہے جو قوی ہو تند خوئی کے بغیر، نرم رو ہو کمزوری کے بغیر، سخی ہو اسراف کے بغیر اور جز رس ہو بخل کے بغیر" (حضرت ابن عباس) فرماتے ہیں بخدا (حضرت) عمرؓ ایسے ہی تھے۔

ادنیٰ تامل سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ روایت قطعی وضعی ہے اور راوی کا خود اپنا ذہن اس میں کام کر رہا ہے جو واقعات گذر چکے ہیں ان کی توجیہہ ان چھ بزرگوں کا نام لیکر جنھیں حضرت عمرؓ نے اپنے آخر وقت خلافت کے لئے موزوں قرار دیا تھا وہ اپنے طور پر اس طرح کر رہا ہے کہ حضرت علیؓ کو باعتبار صفات افضل بتا کر باقی پانچوں بزرگوں کو حضرت عمرؓ ہی کی زبان سے گھٹیا بتائے خصوصاً حضرت عثمانؓ حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ کے کردار میں نقائص کا اظہار کرے جن سے حضرت علیؓ یا ان کی پارٹی سے سیاسی مخالفت رہی تھی۔

پہلے ہم اس وضعی روایت کی داخلی شہادتوں پر تبصرہ کرتے ہیں بعد میں اس کے راویوں میں کذّاب راویوں کی نشان دہی کریں گے:۔

(۱) جیسا ابھی بیان ہوا حضرت فاروق اعظمؓ کو اپنے آخر وقت تک یعنی مجروح ہو جانے کی حالت میں بھی جانشین خلفاء کے بارے میں کوئی خدشہ نہ تھا۔ امت کے تابناک مستقبل کا انھیں پورا یقین تھا لہذا بحالت صحت و تندرستی امت کے مستقبل کے بارے میں گہری سانسیں لینے اور آہیں بھرنے کا تصور باطل ہوا۔

(۲) راوی نے یہ فرضی واقعہ تو اس وقت کا گھڑا ہے جب حضرت عمرؓ بھلے چنگے تندرست تھے نہ کچھ بیمار رہتے تھے نہ بہت بوڑھے ہو گئے تھے پھر انھیں راہ چلتے بلا وجہ بے وقت یہ فکر

یکوں دامن گیر ہوتی کہ میرے بعد خلافت کا کام کون کرے گا۔ حضرت موصوف کو فتوحات اور وسیع مملکت کے گوناگوں انتظامات کی مصروفیات و افکار سے اس کی فرصت ہی کب تھی کہ بلا سبب و بے محل راستہ چلتے ایسی باتوں کو سوچ سوچ کر گہری سانسیں لیں اور آہیں بھریں کہ سننے والے کو ان کی پسلیاں چٹک جانے کا اندیشہ ہو۔

(۳) راوی نے حضرت علیؓ کے نام کے ساتھ تو رضی اللہ عنہ لکھا ہے لیکن دوسرے بزرگوں کو اس قابل نہ سمجھا نہ حضرت عمرؓ کو نہ حضرت عثمانؓ و حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ کو نہ حضرت سعدؓ نہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو۔ رضی اللہ عنہ یا اس کی علامت (رضؓ) تو درکنار اس نے تو ان ممتاز صحابہ کے اسمائے گرامی کے ساتھ رحمہ اللہ تک نہیں لکھا۔ اسی ایک بات سے اس کی سبائی ذہنیت واضح ہو جاتی ہے۔

(۴) راوی نے حضرت ابن عباسؓ کی زبانی ان کے چچیرے بھائی حضرت علیؓ کی یہ چار خصوصیتیں بطور فضائل بیان کرائی ہیں (۱) سبقت ایمانی جس کے لئے سابقتؓ کا لفظ کہلوایا ہے حالانکہ یہ بات بالکل غلط اور خلاف واقعہ ہے۔ بعثت نبویہ کے وقت حضرت علیؓ کی عمر صرف پانچ برس کی تھی۔ ایسی چھوٹی عمر شعور و تمیز کی نہیں ہوتی اور نہ اتنی عمر کے بچّہ کا قول و فعل ذمہ دارانہ ہوتا ہے۔ بعض لوگوں نے اپنے مقاصد سے کھینچ تان کر ان کی عمر آٹھ دس برس کی بلکہ اس سے بھی زیادہ بیان کی ہے مگر کام اس سے بھی نہیں بنتا کیونکہ بلوغ سے قبل بچّہ اپنے ماحول کا تابع ہوتا ہے اور جیسا اپنے بڑوں کو کرتے دیکھتا ہے ویسا ہی خود کرنے لگتا ہے۔ حضرت علیؓ کا جو شرف ہے وہ سابقت کا نہیں بلکہ اس بات کا ہے کہ ان پر کفر کا کوئی زمانہ نہیں گذرا، تربیت ان کی اسلام میں ہوئی اور اس میں بھی وہ منفرد نہیں کیونکہ یہی شرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاشمی خاندان میں حضرت عباسؓ عم رسول اللہؐ کی اولاد کا ہے کہ وہ سب بھی اسلام میں پروان چڑھے کیونکہ سیدہ ام الفضلؓ آپ کی چچی دوسری مسلمان خاتون تھیں جو حضرت خدیجہؓ کے بعد ہی ایمان لائیں انھوں نے اپنے بچّوں کو اسلام پر اٹھایا اور ان ہی کے زیر تربیت حضرت علیؓ کے بڑے بھائی حضرت جعفر طیارؓ بھی نعمت ایمان سے بہرہ ور ہوئے۔ اسی طبقے میں ام المومنین عائشہ صدیقہ بھی ہیں

صلوات اللہ وسلامہ علیہا مگر ان سب حضرات کا شمار سابقوں میں نہیں ہوتا سابق تو صرف اس عاقل بالغ شخص کو کہا گیا اور کہا جا سکتا ہے جس نے کفر چھوڑ کر ابتداءہی میں اسلام قبول کیا تھا اور یہ شرف سب سے پہلے حضرت ابوبکر الصدیقؓ کو حاصل ہوا اور ان کے بعد حضرت سعدؓ حضرت سعیدؓ حضرت عمارؓ حضرت عثمانؓ حضرت بلالؓ نیز حضرت ابوحذیفہؓ۔ حضرت حمزہؓ ام المومنین ام حبیبہ بنت حضرت ابوسفیانؓ۔ حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف وحضرت زیدؓ بن ارقم وغیرہم کو حاصل ہوا اور اسی ذیل میں حضرت زید بن حارثہؓ بھی آتے ہیں جو اس وقت اگر بالغ نہ ہوں تو قریب بلوغ پہنچ چکے تھے بلکہ گمان غالب ان کے بالغ ہونے کا ہے۔

راوی نے جو یہ چھ نام لئے ہیں ان میں حضرت علیؓ کے سوائے باقی پانچوں نام تو سابقوں میں آتے ہیں مگر حضرت علیؓ کا نہیں آتا۔ پھر حضرت ابن عباسؓ ایسی غلط وخلاف واقعہ بات کیسے کہہ سکتے تھے۔

(۵) رہی دوسری خصوصیت تو واقعات ہی سے ثابت ہے کہ حضرت علیؓ کو دوسرے جملہ صحابہ کے مقابلہ میں کوئی غیر معمولی علمی فضیلت حاصل نہ تھی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جب شدت علالت کی وجہ سے مسجد جانے سے معذور ہو گئے تھے حضرت ابوبکر الصدیقؓ کے اس وقت وہاں غیر موجود ہونے اور حضرت علیؓ کے سامنے موجود ہونے کے باوجود آپ نے مروا ابا بکر یصلی بالناس فرما کر امامت نماز کے لئے حضرت ابوبکرؓ ہی کو منتخب فرمایا انھوں نے ہی سترہ وقتوں کی نمازیں پڑھائیں۔ غزوہ تبوک کے وقت حضرت علیؓ کو اپنے اہلبیت کی حفاظت کے لئے مدینہ میں چھوڑ جانے کے باوجود امامت نماز کے لئے حضرت محمد بن مسلمہؓ کو مقرر فرمایا تھا۔ حضرت علیؓ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اعلمھم بالقرآن ہوتے تو کسی دوسرے کو ان کے موجود ہوتے امامت نماز سپرد نہ فرماتے لہذا فضیلت علمیہ کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ سے منسوب لفظ وعلمہ بھی صحیح نہیں۔

(۶) قرابت ورشتہ دامادی میں حضرت علیؓ منفرد نہ تھے۔ حضرت عثمانؓ سے

قرابت قریبہ بھی تھی اور رشتہ دامادی بھی ایسا کہ ذی النورین کہلائے یعنی یکے بعد دیگرے آپ کی دو صاحبزادیوں کے شوہر۔

علاوہ ازیں یہ چاروں باتیں شرف و امتیاز کی اگر حضرت علیؓ ہی سے مختص کر دی جائیں تو خلافت کے لئے انھیں حجت کبھی نہیں مانا گیا۔ کیا ابن عباسؓ نہیں جانتے تھے کہ ان کی بیان کردہ خصوصیات کے باوجود حضرت علیؓ کو نہ پہلی خلافت ملی نہ دوسری نہ تیسری خلافت کے لئے شخصی فضائل کی امتیازی حیثیت تو ثانوی ہوتی ہے پہلے دیکھی جاتی ہے اہلیت وصلاحیت حکومت وجہانبانی اور یہ صلاحیت واہلیت بھی کام نہیں آتی اگر مقبولیت نہ ہو اور مقبولیت بھی دھری رہ جاتی اگر با اثر اور طاقتور اعوان و انصار میسر نہ آئیں۔

جہاں تک مقبولیت کا سوال ہے تو عیاناً ہم دیکھتے ہیں کہ پہلا، دوسرا اور تیسرا موقع ہاتھ سے نکل جانے کے بعد جب چوتھا موقع آیا اور حضرت علیؓ کو خلافت ملی تو بیعت کی تکمیل نہ ہو سکی اور جس پارٹی نے بلوہ کر کے یہ خلافت قائم کرائی تھی اسی کا ایسا عمل دخل رہا کہ ان کی خلافت ہی کو ناکام بنا دیا مگر اس ناکامی میں حضرت علیؓ کی دعابہ (ظرافت) کو کچھ دخل نہ تھا جو راوی نے حضرت فاروقِ اعظمؓ کی زبانی ان کے بطور نقص بیان کی ہے۔

حضرت عثمانؓ کے بارے میں جو کچھ اس روایت میں بیان کیا گیا ہے اس پر بحث اگلے صفحات میں آ رہی ہے مگر اس سلسلہ میں یہ بات بھی لطیفہ سے کم نہیں کہ راوی نے تو لکھا تھا "بنوا بومُعَیط" (ابومُعَیط کی اولاد) مگر مودودی صاحب نے اس کی تفسیر کر دی "بنو امیہ" گویا جہاں اور امور میں آپ کی مجددانہ صلاحیتیں کام کرتی ہیں وہاں علم الانساب بھی آپ کے دستبرد سے نہ بچا۔ ابومُعَیط کوئی عبدشمس کی کنیت تھی جو سارے بنی امیہ کو ابو مُعَیط کی اولاد کہہ دیا۔

ابومُعَیط تو جناب امیہ کے ایک پوتے تھے اور پوتے کے پوتے امیر ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ تھے۔ بنی ابی مُعَیط میں سے تنہا یہی ایک شخص تھے جو عہد صدیقی و فاروقی سے مختلف عہدوں پر فائز رہے تھے ان کے سوائے آل ابی مُعَیط میں کوئی دوسرا شخص عہدہ دار نہ تھا۔ خلافتِ عثمانی میں یہ کوفہ کے والی تھے۔ ان کے حاکمانہ و مجاہدانہ و مدبرانہ اور رعایا

کے ساتھ رحیمانہ و کریمانہ سلوک و برتاؤ کا ذکر ان کے حالات کے ضمن میں آگے آتا ہے مگر سبائی راوی کو چونکہ ان کے اموی نسب ہونے کی بنا پر ان سے عداوت ہے اسے ساری دنیا پر وہی چھائے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ مودودی صاحب اگر تھوڑی سی عقل ایمانی سے کام لے کر اس لفظ "بنی ابی معیط" پر غور کر لیتے تو اس کی تفسیر "بنو امیہ" کرنے کے بجائے روایت کو ساقط الاعتبار قرار دے لیتے خصوصاً اس اعتبار سے کہ جس کتاب الاستیعاب کے حوالے سے حضرت عثمانؓ کی تنقیص میں یہ الفاظ وضعی روایت کے انھوں نے اپنے مضمون میں استعمال کئے ہیں اسی کتاب میں اسی موقع پر اور اسی وضعی روایت کے بعد ہی ان ہی حضرت ابن عباسؓ کی دوسری روایت ان الفاظ میں درج ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابن عباسؓ سے خلافت اور اس کے اہتمام کے بارے میں گفتگو کی تو ابن عباسؓ نے کہا کہ علیؓ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے فرمایا ان میں ظرافت کا مادہ ہے۔ پوچھا زبیرؓ کے بارے میں فرمایا وہ بہت غصہ ور ہیں۔ پوچھا طلحہؓ کے بارے میں کہا ان میں نخوت و غرور ہے پوچھا سعدؓ کے بارے میں فرمایا وہ تو سواروں کے دستہ کی سرداری کے لئے ہیں پوچھا عثمانؓ کے بارے میں فرمایا کلف باقارب اپنے قرابتداروں سے بہت محبت کرنے والے ہیں پوچھا عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے بارے میں فرمایا وہ نرم طبع یا فرمایا ضعیف ہیں۔ اب دیکھئے اس روایت میں نہ تو "بنی ابی معیط" کو لوگوں کی گردنوں پر مسلط کرنے کا ذکر ہے نہ ان کے اللہ کی نافرمانیاں کرنے کا اور نہ اس بنا پر عوام میں شورش برپا ہونے اور اس کے نتیجے میں حضرت عثمانؓ کے قتل کئے جانے کا مگر مودودی صاحب کو تو اموی صحابہ پر چوٹیں کرنی تھیں اس لئے اس لغو روایت کو حجت بنا لیا بغض بنی امیہ و عصبیت جاہلیہ نے یہ سوچنے سمجھنے کا بھی موقع نہ دیا کہ حضرت عثمانؓ کو اگر حضرت عمرؓ ایسا ہی سمجھتے تھے جو راوی نے بیان کیا ہے تو انھیں مجلس شوریٰ میں شامل ہی کیوں کرتے اور شامل کر بھی دیا تھا تو دیگر ارکان مجلس کو ضرور کہہ دیتے کہ عثمانؓ کو منتخب نہ کیجیو اور اگر منتخب کرنے کا موقع آ ہی جائے تو ان سے یہ عہد ضرور لے لیجیو کہ آل ابی معیط کو مسلمانوں پر مسلط نہ کرنا بلکہ خود حضرت عثمانؓ کو مجلس شوریٰ کا رکن مقرر کرتے وقت ضرور کہہ دیتے کہ اگر اتفاق سے تمہارا ہی انتخاب

ہو جائے تو بنی ابی مُعیط کو مسلمانوں کی گردنوں پر مسلط نہ کرنا۔ حضرت عمرؓ جیسے صاف اور کھرے بزرگوار جو حق بولنے سے کسی کے سامنے باز نہ آئیں وہ اگر واقعی حضرت عثمانؓ کے متعلق ایسا یقین یا ظن غالب بھی رکھتے تھے تو جیسا عرض کیا گیا حضرت عثمانؓ کو مجلس شوریٰ کا ممبر ہی منتخب نہ کرتے یا منتخب کرتے تو ان کو صرف رائے دینے کا حق دیتے اور دیگر ارکان سے صاف کہدیتے کہ عثمانؓ کو خلیفہ منتخب نہ کیا جائے کیونکہ بنی ابی مُعیط کو مسلمانوں کی گردنوں پر مسلط کردیں گے۔ (بالفاظ دیگر ولیدؓ بن عقبہ بن ابی مُعیط کو کوفہ کا والی مقرر کردیں گے) حضرت عمرؓ جان بوجھ کے انھیں لوگوں کو جن کو اہل نہیں سمجھتے تھے یہ فرما کر خلافت کے لئے کبھی نامزد نہ کرتے کہ انھیں میں سے کوئی ایک منتخب کرلیا جائے خصوصاً جب ان میں حضرت عثمانؓ بھی شامل تھے جن سے ان کو بقول راوی سب سے زیادہ خطرہ تھا۔ مودودی صاحب ان باتوں پر ٹھنڈے دل سے غور کرسکتے تو انھیں واضح ہوجاتا کہ اس وضعی روایت میں حضرت عمرؓ کی زبان سے حضرت علیؓ کے سوائے پانچوں بزرگوارں کو خلافت کے لئے نااہل قرار دینے کی کوشش کی گئی ہے مگر راوی نے اپنے مقاصد کے پیش نظر حضرت عثمانؓ اور دیگر بزرگواروں کے کردار میں نقائص نکالنے کی جو کوشش کی ہے اس کا تار پود بکھیر دینے کے لئے صحیح بخاری کی یہ روایت کافی ہے (ملاحظہ ہو ج ۲ ص ۲۹۹ باب قصۃ البیعۃ والاتفاق علی عثمان) اور یہ روایت اس وقت کی ہے جب حضرت فاروق اعظمؓ کی زندگی کی امیدیں ختم ہو رہی تھیں اور آپ جوار نبوی میں اپنے مرقد کی فکر میں تھے۔

فقالوا اوصِ یا امیرالمومنین استخلف قال ما اجد احقّ بھٰذا الامر من ھٰؤلاء النفر او الرھط الذین توفی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وھو عنھم راض فسمّٰی علیا وعثمان والزبیر وطلحۃ	لوگوں نے عرض کیا اے امیرالمومنین وصیت کردیجئے اور کسی کو جانشین بنا دیجئے۔ فرمایا اس امر کا مستحق ان چھ آدمیوں سے (یا فرمایا چھ بزرگوں سے) زیادہ کسی کو نہیں پاتا۔ ان سے رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم آخر وقت تک راضی رہے پھر آپ نے علیؓ وعثمانؓ وزبیرؓ وطلحہؓ وسعدؓ اور عبدالرحمٰن (بن عوف) کے نام لئے اور فرمایا عبداللّٰہ

وسعداً وعبدالرحمن وقال یشھدکم عبد اللہ بن عمر ولیس لہ من الامر شئ کھیئۃ التعزیۃ لہ فان اصابت الامرۃ سعداً فھو ذالک والا فلیستعن بہ ایکم ما امّر فانی لم اعزلہ عن عجز ولا خیانۃ۔

بن عمرؓ تمہارے ساتھ موجود رہیں گے مگر ان کا اس معاملے سے کچھ تعلق نہیں (گویا آپ نے انہیں صبر کی تلقین کی) اب اگر حکومت سعدؓ کو ملے تو وہ اس کے اہل ہیں ورنہ پھر تم میں سے جو کوئی بھی حاکم بنا لیا جائے اسے چاہیئے کہ ان سے مدد لے کیونکہ میں نے جو انہیں معزول کیا تھا تو کسی کمزوری یا خیانت کی بنا پر نہیں کیا تھا۔

یہ ہے اصل صورت حال جو واقعات کے عین مطابق اور صحابہ کرام کے شایانِ شان ہے۔ یہ چھ کے چھ حضرات یکساں اہل تھے کہ ملت کی سربراہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کریں، حالات معمول پر رہتے تو ان میں سے ہر شخص اپنی جگہ کامیاب ہوتا لیکن بدقسمتی سے اسلام کا نام لینے والا ایک گروہ سیاسی وجوہ سے ایسا پیدا ہو گیا جس نے دعوت محمدیہ کو فنا کرنے کے لئے طرح طرح کے فتنے اٹھائے مودودی صاحب نے ان فتنوں کا سرچشمہ امیر المومنین عثمانؓ کو قرار دے کر امیر المومنین معاویہؓ و دیگر خلفاء پر کیچڑ اچھال کر جو ظلم امت پر کیا ہے اس سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی۔

ناظرین کرام دونوں روائیتیں پیش نظر رکھیں اور دل سے پوچھیں کہ بخاری کی روایت حجت ہے یا وہ مردود روایت جسے مودودی صاحب نے اکابر صحابہ کی تنقیص کے لئے حجت بنایا۔

راویوں کی حیثیت اب ہم مودودی صاحب کی بیان کردہ روایت کے راویوں کی نشان دہی کرتے ہیں جن میں غیر ثقہ منکر الحدیث ومتہم بکذب نہایت بد افعال مینوش وکذاب رافضی راوی بھی شامل ہیں اور یہ بات اہل علم پر چھوڑتے ہیں کہ ایسی وضعی روایت کو حجت بنانے والے کے متعلق وہ کیا رائے قائم کرتے ہیں۔

کتاب الاستیعاب کے مولف ابن عبد البر النمری القرطبی متوفی ۴۶۳ھ کے ایک

شیخ عبدالوارث بن سفیان یا ابن سیلمان تھے ان ہی سے اس روایت کا سلسلہ چلتا ہے:۔

حدثنا عبدالوارث بن سفیان قراءۃ منی علیہ من کتابی وھو ینظر فی کتابہ قال حدثنا ابومحمد قاسم بن اصبغ حدثنا ابوعبید بن عبدالواحد البزاز حدثنا محمد بن احمد بن ایوب قال قاسم وحدثنا محمد بن اسمٰعیل بن سالم الصائغ حدثنا سلیمان بن داود قال حدثنا ابراھیم بن سعد حدثنا محمد بن اسحٰق عن الزھری عن عبیداللہ بن عبداللہ عن ابن عباس۔

ابن عبدالبر کہتے ہیں:۔
میں اپنی کتاب میں سے پڑھ کر عبدالوارث بن سفیان کو سنا رہا تھا اور وہ اپنی کتاب میں دیکھ رہے تھے تو انھوں نے کہا ہم سے بیان کیا ابومحمد قاسم بن اصبغ نے ان سے ابوعبید بن عبدالواحد البزار نے ان سے محمد بن احمد بن ایوب نے قاسم مذکور نے کہا محمد بن اسمٰعیل بن سالم الصائغ اور سلیمان بن داؤد دونوں نے کہا کہ ہم سے یہ حدیث ابراھیم بن سعد نے بیان کی ان سے محمد بن اسحٰق نے بیان کی (ابن شہاب) زہری سے سن کر اور انھوں نے عبیداللہ بن عبداللہ سے اور انھوں نے (حضرت عبداللہ) ابن عباس رض سے سن کر۔

ابن عبدالبر مولف الاستیعاب کے ان شیخ کا جن سے یہ روایت چلی ایمہ اسماء الرجال میں سے کسی نے بھی کچھ حال نہیں لکھا۔ تہذیب التہذیب، لسان المیزان۔ میزان الاعتدال۔ تقریب التہذیب۔ تذکرۃ الحفاظ۔ تعجیل المنفعۃ۔ خلاصۃ تذھیب تہذیب الکمال للحافظ صفی الدین احمد اور تاریخ صغیر امام بخاری میں سے کسی میں ان کا کوئی ذکر نہیں پایا جاتا۔ البتہ حافظ ذہبی نے صاحب الاستیعاب یوسف بن عبداللہ معروف بابن عبدالبر کے ترجمے میں یہ تو لکھدیا ہے کہ انھوں نے خلف بن قاسم اور عبدالوارث بن سفیان سے حدیث کی سماعت کی تھی مگر عبدالوارث کا کچھ حال کہ کون تھے کہاں کے رہنے والے تھے کب تھے کچھ نہیں بتایا۔ عبدالوارث کے شیخ ابومحمد قاسم بن اصبغ کے تلامذہ میں عبدالوارث کا نام تو موجود ہے مگر ولدیت بدل کر یعنی "ابن سفیان" کی جگہ "ابن سلیمان" ہے (تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۱۱)

لیکن "عبدالوارث بن سفیان" کی طرح "عبدالوارث بن سلیمان" کا بھی کہیں کچھ ذکر نہیں ملتا۔ "سفیان" کی جگہ طباعت کی غلطی سے ممکن ہے "سلیمان" چھپ گیا ہو مگر کس کو صحیح سمجھا جائے کس کو غلط۔ مجہول الحال اور مفقود الخبر تو دونوں ہیں اس لئے اس حدیث کی بسم اللہ ہی غلط ہے۔ پھر ابن عبدالبر نے اس کتاب کا نام تک نہ بتایا جس کے دو نسخے تھے ایک میں سے یہ پڑھ رہے تھے اور دوسرے نسخے میں ان کے شیخ عبدالوارث دیکھتے جاتے تھے۔ کتاب میں صرف یہی حدیث (روایت) تو نہ ہوگی اور بھی حدیثیں و روائتیں ہوں گی تو کتاب کے نام کے ساتھ مولف کا نام بھی بتانا تھا اور کہنا تھا کہ اپنے شیخ کو پوری کتاب سنا رہے تھے کہ یہ روایت بھی اثنائے قرات میں آگئی تو پھر حدثنا عبدالوارث بن سفیان کہنا تو غلط ہوا کیونکہ عبدالوارث تو چپ چاپ سنتے رہے منہ سے الفاظ نکالتے اور پڑھتے تو خود ابن عبدالبر رہے اس لئے کہنا یہ تھا قراءت علی عبدالوارث بن سفیان فی کتابی وھو یسمع منی و ینظر فی کتابہ ابن عبدالبر نے خود ہی متعدد جگہ ایسے ہی الفاظ استعمال کئے ہیں مثلاً ابن اسحٰق کی کتاب استاد سے پڑھتے ہوئے لکھا ہے۔

فقرأته علی عبدالوارث بن سفیان (ج ۱ ص ۹) یا امام بخاری کی کتاب کبیر فی تاریخ المحدثین پڑھتے ہوئے لکھا ہے۔

قرأته علی ابی القاسم خلف (ج ۱ ص۱۰) اس سے ظاہر ہے کہ اس روایت کی یہ عبارت ابن عبدالبر کے قلم کی نہیں ہے۔

ابو محمد قاسم بن اصبغ۔ عبدالوارث کے یہ شیخ بھی اندلسی تھے اور بنی امیہ میں سے کسی کے آزاد کردہ غلام تھے قرطبہ کے رہنے والے تھے وہیں جمادی الاولیٰ ۳۴۰ھ میں وفات ہوئی (لسان المیزان) ابن عبدالبر صاحب استیعاب کی ولادت ۳۶۸ھ کی ہے گویا ابن عبدالبر کی ولادت سے ۲۸ برس پہلے قاسم بن اصبغ مر گئے تھے اس لئے کسی ایک راوی کے واسطے سے ان کا روایت کرنا بالکل قرین عقل ہے مگر اس واسطے کو معروف و معلوم ہونا چاہیئے نہ کہ مجہول الحال و مفقود الخبر۔

ابو عبید بن عبدالواحد البزار۔ کنیت ان کی ابو محمد تھی اور نام عبید، غالباً کتابت کی

غلطی سے "ابو" کے بعد "محمد" ترک ہو کر "ابو عبید" ہو گیا۔ یہ بغداد کے رہنے والے تھے ماہِ رجب ۲۸۵ھ میں وفات ہوئی پیرانہ سالی کے باعث آخر عمر میں دماغ مختل ہو گیا تھا (انساب سمعانی ورق ۷۸) ابن حجر نے بھی کتاب الضعفاء والمجروحین میں ان کا ذکر کیا ہے (لسان المیزان ج ۴ صـ۱۲) لیکن ان کے تلامذہ میں ابو محمد قاسم بن اصبغ کا ذکر نہ سمعانی نے کیا ہے نہ ابن حجر نے۔ ان کے شیوخ میں محمد بن احمد بن ایوب کا نام الاستیعاب کی اس روایت میں بتایا گیا ہے مگر کتب اسماء الرجال میں کسی نے اس طرح نہیں لکھا اور کوئی لکھتا بھی کیسے جب "محمد بن احمد بن ایوب" کی کوئی شخصیت دنیائے رجال میں ہو بھی۔ چنانچہ اس نام کا حال بھی سن لیجئے۔

محمد بن احمد بن ایوب۔ الاستیعاب میں اس راوی کا یہ نام و ولدیت غلط درج ہے بیٹے کے نام کے بجائے باپ کا نام لکھدیا ہے اصل میں "احمد بن محمد بن ایوب" تھا۔ اب دیکھئے یہ احمد بن محمد بن ایوب کون صاحب ہیں۔ کنیت ان کی "ابو جعفر" ہے جلد ساز تھے یعنی ورّاقی کا پیشہ کرتے تھے اور محدّث ہونے کے مدعی تھے۔ بغداد کے باشندے تھے وہیں ۲۲۸ھ میں فوت ہوئے یعنی اپنے شاگرد ابو محمد عبید سے ۵۷ برس پہلے ان کی وفات ہوئی چونکہ ان کے شاگرد اتنے بوڑھے ہو کر مرے تھے کہ پیرانہ سالی کے باعث حواس میں فتور آ گیا تھا یعنی ۹۰ برس کم و بیش عمر تھی اس لئے ۳۰، ۳۵ برس کی عمر میں اپنے استاد سے حدیثیں سنی ہونگی ان کے شاگرد پر تو کوئی خاص جرح کسی نے نقل نہیں کی ہے سوائے اس کے کہ بڑھاپے میں دماغ مختل ہو گیا تھا مگر خود ان استاد کا حال تہذیب التہذیب (ج ا صـ۷۱ تا صـ۷۱) میں درج ہے نمونہ کے طور سے اتنی سی عبارت نقل کی جاتی ہے۔ قال یعقوب بن شیبہ لیس من اصحاب الحدیث وانما کان وراقاً۔ قال ابن عدی روی عن ابراھیم (بن سعد) المغازی وانکرت علیہ وحدّث عن ابی بکر (بن عیاش) بالمناکیر قال ابو احمد الحاکم لیس بالقوی عندھم قال ابو حاتم روی عن ابی بکر بن عیاش منکرۃ وروی ابراھیم بن الجنید عن یحیی بن معین ھو کذاب یعنی ایمہ رجال کے نزدیک یہ محدّث نہیں جلد ساز تھے۔ ضعیف و منکر حدیثیں بیان کرتے تھے۔ یحییٰ بن معین جیسے محقق نے

ان کو کذاب کہا ہے (میزان الاعتدال میں (ج ا صـ۶۳) روی ابراہیم بن الجنید عن ابن معین قال ھو کذاب اب دیکھئے صاحب استیعاب ابن عبد البر کے مجہول الحال شیخ عبد الوارث بن سفیان یا سلیمان کے استاد قاسم بن اصبغ نے اس روایت کو احمد بن محمد بن ایوب تک پہنچا کر تحویل یعنی دوسرا سلسلہ اسناد شروع کیا ہے یعنی عبد الوارث نے کہا کہ قاسم نے ہم سے کہا کہ فقط ابو محمد عبید بن عبد الواحد البزار ہی نے ہم سے یہ روایت بیان نہیں کی بلکہ ایک اور شخص نے اپنے سلسلہ اسناد سے بیان کیا ہے وہ دوسرے کون ہیں؟

محمد بن اسمٰعیل بن سالم الصائغ۔ یہ تھے تو بغداد کے مگر مکہ مکرمہ میں آکر بس گئے تھے اور وہیں ۸۰ برس کی عمر پاکر وفات ہوئی۔ قاسم نے جو بنی امیہ کے آزاد کردہ غلام اور قرطبی محدث اندلس تھے ان سے مکہ مکرمہ میں ہی حدیثیں سنی ہوں گی حافظ ذھبی نے تذکرۃ الحفاظ ج ۳ صـ۹۶ میں اس کا ذکر کیا ہے اب ملاحظہ ہو یہ الصائغ صاحب کس سے روایت کرتے ہیں یعنی سلیمان بن داؤد سے۔

سلیمان بن داؤد۔ اس نام وولدیت کے راویانِ حدیث بہت ہیں کم ازکم پندرہ سولہ کے ترجمے تو کتب میں ہیں مگر ہر ایک کے نام کے ساتھ کوئی نہ کوئی نسبت تمیز کے لئے لگی رہتی ہے۔ مشہور محدث صاحب سنن ابوداؤد الطیالسی بھی سلیمان بن داؤد تھے مگر مشہور اپنی کنیت سے ہیں لیکن سلیمان بن داؤد نام سے بھی اگر ان کو کوئی کہے تو لازم ہے کہ اس کے بعد الطیالسی ضرور تمیز کے لئے کہا جائے۔ اسی طرح سلیمان بن داؤد المبارکی (مبارک ایک قریہ کا نام تھا) یا سلیمان بن داؤد الخولانی الدمشقی، سلیمان بن داؤد العتکی الزہرانی سلیمان بن داؤد العباسی الہاشمی اسی طرح اور نسبتیں ان ناموں کے ساتھ ہیں۔ محدثین کا یہ دستور رہا ہے کہ ایسے مبہم ناموں کو سلسلۂ اسناد میں بغیر ان کی نسبی یا نسبتی تصریح کے ذکر نہیں کرتے خصوصاً جب ان ناموں کے بعض راوی کم وبیش مجروح یا مشہور کذاب و مفتری بھی ہوں مگر اس روایت میں سلیمان بن داؤد کے نام کو مبہم اسی لئے چھوڑا گیا تھا کہ حسن ظن سے کام لے کر ہمنا موں میں ثقہ ہی راوی کا گمان ہو۔ اگر یہ واقعی ثقہ ہوتے تو یقیناً ان کے نام کے ساتھ تمیز کے لئے مزید نسبی یا نسبتی تصریح کر دی جاتی مگر یہ تو سخت

مجروح راوی ہیں اس لئے پردہ پوشی کے لئے ان کے نام کو مبہم چھوڑ دینا مناسب تھا۔
درحقیقت یہ سلیمان بن داؤد المنقری الشاذکونی ہیں متوفی ۲۳۴ھ اصفہانی تھے
مگر بصرے میں آکر رہے پھر کوفے و بغداد رہے مرنے سے چند ماہ پیشتر اصفہان گئے وہیں
پیوند خاک ہوئے مشہور شیعہ مولف علامہ شیخ ابن المطہر حلی نے خلاصۃ الاقوال فی معرفۃ
الرجال (ص۱۰۱) میں اپنے شیعہ مذہب کے راویوں میں ان کا ذکر کیا ہے اور ثقہ لکھا ہے
اگرچہ ان کے ضعف کا اظہار بھی کیا ہے ابن حجر نے (لسان المیزان ج ۳ ص۸۴ تا
ص۸۵) ان کا مفصل ترجمہ درج کیا ہے تشیع کا ذکر نہیں کیا مگر ان کے شیعہ مذہب ہونے کا
ثبوت تو علامہ شیخ حلی کی شہادت سے ظاہر ہے۔ ابن حجر نے ان کے کذب و افترا کی
پوری تصریح کی ہے اور ان کے بدافعال ہونے کا بھی ذکر کیا ہے حضرت لوط علیہ و علی
نبینا الصلوٰۃ والسلام کی امت مغضوب علیہا سے بھی ان کو کچھ روحانی فیض پہنچا تھا اسی
کے ساتھ یہ مینوشی کے بھی رسیا تھے۔ بغداد میں ایک محلہ دَرْب دمیک تھا دَرْب کے معنی
ہیں راستہ جیسے آج کل فلاں روڈ کہتے ہیں یہ دَرْب دمیک میں رہتے تھے اس محلے کو کہتے تھے
مادخل دَرْب دمیك أكذب من الشاذكونی (لسان المیزان ص۸۵) یہ ہر وقت
حدیث اور اشعار گھڑ لیا کرتے تھے عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی کے سامنے ایک کتاب
پیش کی گئی جس میں شاذکونی کی روایت کردہ حدیثیں تھیں اسے پڑھ کر ان کے چہرے کا رنگ
غصے سے متغیر ہو گیا کہنے لگے۔ العدو اللہ الكذاب الخبیث جاء الی ھمنا كان
یفعل كذا وكذا (یہ اللہ کا دشمن یہ کذاب خبیث یہاں تک پہنچ گیا جو ایسا ایسا کام کیا کرتا
تھا) کان یُرمی بالغلمان۔ لواطت و بدفعلی کرتا تھا مختصر یہ کہ علمائے حدیث اس ایرانی
راوی کی ذہانت اس کے حافظہ اور واقفیت احادیث و رجال ان سب باتوں کا اعتراف
کرتے ہیں مگر بیشتر ائمہ حدیث اس کے کذاب و مفتری و بدافعال ہونے پر متفق ہیں یہی
وہ سلیمان بن داؤد ہیں جو اس وضعی روایت کے راوی ہیں پردہ پوشی کے لئے ان کا نام
بغیر اظہار نسبت مبہم چھوڑ دیا گیا ہے۔

استیعاب میں جو نام غلط چھپ گئے ہیں ان کی تصحیح محض گمان پر اٹکل پچو نہیں ہے

بلکہ قطعیت کے ساتھ ہے۔ ابو عبید بن عبدالواحد البزار کی تصحیح ابو محمد عبید بن عبدالواحد
البزار صحیح نہیں تو مودودی صاحب ابو عُبید بن عبدالواحد البزار نام کا کوئی راوی ثابت
کردیں جو محمد بن احمد بن ایوب سے روایت کرتا ہو۔ اسی طرح محمد بن احمد بن ایوب کی تصحیح
احمد بن محمد بن ایوب کو غلط نہیں ثابت کیا جاسکتا۔ اور نہ سلیمان بن داؤد نام کا کوئی دوسرا
راوی بغیر اظہار نسبت کے بتایا جاسکتا ہے۔

دو کذاب راوی۔ اس وضعی روایت کا سلسلہ آپ نے دیکھا دو کذابوں پر منتہی ہوتا
ایک تو احمد بن محمد بن ایوب پر جو غیر ثقہ منکر الحدیث اور متہم بکذب ہیں اور دوسرا سلیمان
بن داؤد المنقری الشاذکونی پر جو مشہور شیعہ کذاب و مفتری اور حد درجہ بدافعال
شخص تھا حضرت ابن عباسؓ اور فاروق اعظمؓ پر یہ اتہام ان ہی دو کذابوں سلیمان
بن داؤد الشاذکونی اور احمد بن محمد بن ایوب ابوجعفر الوراق نے گھڑا ہے اور ان ہی دونوں نے
ابراہیم بن سعد، ابن اسحٰق اور زہری پر بہتان باندھا ورنہ یہ حضرات ایسی کھلی ہوئی افترائی
حدیث کی روایت نہیں کرسکتے تھے۔ ابراہیم بن سعد کا ابن اسحٰق سے روایت کرنا بھی غلط ہے۔

ابراہیم بن سعد۔ (بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف ابو اسحٰق الزہری) کی ولادت
۱۰۸ھ میں ہوئی ۷۵ برس کی عمر پاکر ۱۸۳ھ میں فوت ہوئے۔ مدینہ کے قاضی رہے تھے۔
(میزان الاعتدال ج ۱ ص ۱۰) ابن اسحٰق کی ولادت ۸۵ھ میں ہوئی۔ ایرانی نسل کے تھے۔
تیس برس کی عمر میں مدینہ سے نکل کر پہلے مصر گئے کان خرج من المدینۃ قدیماً
(تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۵) ان کے اسکندریہ پہنچنے کا سال ۱۱۵ھ اور بروایت دیگر
۱۱۹ھ بتایا گیا ہے اس وقت ابراہیم بن سعد کی عمر سات سال کی و بروایت دیگر ۱۱ سال
کی تھی ابن اسحٰق پھر مدینہ واپس نہ آئے مصر سے عراق چلے گئے اور ۱۵۰ھ یا ۱۵۱ھ میں
بغداد میں فوت ہوئے (تہذیب التہذیب) ابراہیم بن سعد کا طلب حدیث کے لئے مدینہ
سے باہر جانا ثابت نہیں اس لئے ابراہیم بن سعد کا ابن اسحٰق سے روایت کرنا صحیح نہیں
ابراہیم بن حمزہ کا قول امام بخاری نے جو یہ نقل کیا ہے کہ ابراہیم بن سعد نے مغازی کے
علاوہ سترہ ہزار حدیثیں ابن اسحٰق سے روایت کی ہیں محض بے اصل ہے۔

حضرت ابن عباسؓ ۔ حضرت عمرؓ نے خلافت کے بارے میں اگر ایک ہاشمی نوجوان حضرت ابن عباسؓ سے جن کی عمر اس وقت تئیس۲۳ چوبیس۲۴ برس کی تھی یہ گفتگو کی تھی تو حضرت عمرؓ کی تدفین کے بعد ہی جب مجلس شوریٰ بیٹھی تو ابن عباسؓ نے ارکان مجلس کو حضرت عمرؓ کے ان اقوال سے کیوں مطلع نہیں کیا جب ساری داستان ختم ہو گئی تو صرف عبداللہ بن عتبہؓ سے اکیلے کیوں کہا کسی اور سے کبھی اس کا ذکر نہ کیا اور عبیداللہ مذکور نے فقط ابن شہاب زہری سے کیوں اس کی روایت کی ان کے بہت سے شاگرد تھے اور کسی سے کیوں نہیں بیان کیا اور زہری نے امام مالکؒ وغیرہ بڑے بڑے اکابر محدثین سے جو ان کے شاگرد تھے کبھی اس کا ذکر کیوں نہ کیا صرف ابن اسحٰق سے کیوں کیا اور ابن اسحٰق کے بھی بہت سے شاگرد تھے انھوں نے فقط ابراہیم بن سعد سے کیوں کہا جن کو شاید دیکھا بھی نہ ہوگا اور دیکھا ہوگا تو سات یا گیارہ برس کے کم سن کو پھر ابراہیم بن سعد نے صرف دو کذابوں ہی سے کیوں بیان کیا اپنے کسی ثقہ شاگرد سے کیوں نہ کہا۔ یہ آحاد در آحاد روایت دو کذابوں کی زبانی ہے جن کی کذابیت روز روشن کی طرح ہویدا ہے اس کے فقرات کو مودودی صاحب نے امیرالمومنین عثمان ذی النورینؓ کی تنقیص میں درج کرنا پسند کیا۔

امیرالمومنین فاروق اعظمؓ کی وصیتیں

مودودی صاحب نے حضرت فاروق اعظمؓ کی چند وصیتیں نقل کی ہیں (مئی ص ۱۹) فرماتے ہیں:۔

اسی چیز کا خیال ان کو اپنی وفات کے وقت بھی تھا۔ چنانچہ آخری وقت میں اُنھوں نے حضرت علیؓ حضرت عثمان اور حضرت سعد بن ابی وقاص کو بُلا کر ہر ایک سے کہا" اگر میرے بعد تم خلیفہ ہو تو اپنے قبیلے کے لوگوں کو عوام کی گردنوں پر سوار نہ کر دینا مزید برآں چھ آدمیوں کی انتخابی شوریٰ کے لئے انھوں نے جو ہدایات چھوڑیں ان میں دوسری شرطوں کے ساتھ ایک شرط یہ بھی شامل کی کہ منتخب خلیفہ سے عہد لیا جائے کہ وہ اپنے قبیلے کے ساتھ کوئی امتیازی برتاؤ نہیں کرے گا۔ مگر بدقسمتی سے خلیفہ ثالث

حضرت عثمانؓ (۳۵-۲۳ھ - ۶۴۴-۶۵۶ء) اس معاملے میں معیار مطلوب کو قائم نہ رکھ سکے۔

یہ بیان از سرتاپا غلط ہے۔ ایسی کوئی بات نہیں ہوئی اور نہ ہو سکتی تھی۔ امیرالمومنین صلوات اللہ علیہ کی حالت ہی ایسی کہاں تھی کہ یوں بلا بلا کر عہد لیں۔ پھر سوال ہے کہ یہ عہد ان تینوں ہی سے کیوں لیا گیا باقی تینوں کو پہلے ہی سے الگ کر دیا تھا؟ تو پھر اس تکلف کی کیا ضرورت تھی جن تین سے عہد لیا انہی کو نامزد کر جاتے۔ اصل یہ ہے کہ جس وقت آپ سے وصیت کے لئے عرض کیا گیا وہ وقت نہ تقریروں کا تھا اور نہ وصیت نامہ لکھوانے کا۔ چند باتیں مختصراً ارشاد فرمائیں۔ جن میں مودودی صاحب کی بیان کردہ باتوں کا ایک حرف بھی نہیں (صحیح بخاری، ج ۲، ص ۲۹۹، طبع مصر عنوان قصة البیعة والاتفاق علی عثمان)

اوصی الخلیفة من بعدی بالمهاجرین الاولین ان یعرف لهم حقهم ویحفظ لهم حرمتهم واوصیه بالانصار خیرا الذین تبوّأوا الدار والایمان من قبلهم ان یقبل من محسنهم وان یعفی عن مسیئهم واوصیه باهل الامصار خیرا فانهم ردء الاسلام وجباة المال وغیظ العدو وان لا یؤخذ منهم الافضلهم عن رضاهم واوصیه بالاعراب خیرا فانهم اصل العرب ومادة الاسلام ان یؤخذ من

میں اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو (نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے) پہلے ہجرت کرنے والوں کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ ان کا حق پہچانا جائے اور ان کی حرمت کی حفاظت کی جائے۔ اور میں اسے انصار کے ساتھ بھلائی کی وصیت کرتا ہوں جنھوں نے پہلے ہی سے (مہاجروں کے لئے) ایمان کے ساتھ ٹھکانے کا بندوبست کیا کہ ان کے خطاکاروں سے چشم پوشی کی جائے اور میں اسے شہری باشندوں کے بارے میں بھلائی کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ وہ اسلام کے پشت پناہ ہیں، آمدنی کا ذریعہ ہیں اور دشمنوں کے لئے پیچ وتاب کا سبب ہیں۔ ان سے صرف ان کا وہی زائد مال لیا جائے جو وہ رضامندی سے دیں۔ اور میں اسے بادیہ نشینوں کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کیونکہ وہ عرب کی اصل ہیں

حواشی اموالھم وتُرَدّ علی فقرائھم واوصیہ بذمۃ اللہ وذمۃ رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یوفی لھم بعھدھم وان یقاتل من ورائھم ولا یکلفوا الا طاقتہم۔

اور اسلام کا مادّہ ہیں ان سے جو زکوٰۃ کا مال لیا جائے وہ انہی کے محتاجوں پر تقسیم کر دیا جائے اور میں اُسے ذمیوں کے بارے میں وصیت کرتا ہوں جو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سرپرستی میں ہیں کہ ان سے جو عہد ہو اسے پورا کیا جائے اور ان کی حفاظت کے لئے جنگ کی جائے اور ان کی طاقت سے زیادہ ان پر بوجھ نہ ڈالا جائے۔

یہ تھی سنّت کے مطابق ان کی مختصر سی تقریر جو انھوں نے اپنے آخری وقت میں معلوم نہیں کس تکلیف میں کی ہوگی۔ اب ہم مودودی صاحب سے یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ صحیح روایت ان کے نزدیک امام بخاریؒ کی ہے یا ابن عبدالبر مصنف الاستیعاب کی۔ اگر بخاری کی روایت صحیح ہے تو انھوں نے استدلال اس سے کیوں نہیں کیا اور اگر دونوں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں تو کیا وہ اُمت کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ خاکم بدہن حضرت فاروق اعظمؓ میں وہی نفاق تھا جو مودودی صاحب کے ہم مشرب لوگ کہتے ہیں کہ جلوت میں تو وہ بات کہی جو بخاری نے بیان کی اور خلوت میں وہ جو ان راویوں کے زعم میں انھوں نے حضرت ابن عباسؓ سے کہی؟

خود ابن جریر طبری نے جو مودودی صاحب کے نزدیک معتبر مورخ ہے "قصۃ الشوریٰ" کے عنوان سے حضرت فاروق اعظم صلوات اللہ علیہ کے متعدد اقوال نقل کئے گئے ہیں جو مجروح ہو جانے کی حالت میں لوگوں کے یہ عرض کرنے پر فرماتے تھے کہ اے امیرالمومنین جانشین مقرر کر دیجئے فرماتا تھا "ابو عبیدہ بن الجرّاح زندہ ہوتے انھیں مقرر کر دیتا میرا رب پوچھتا تو کہہ دیتا کہ تیرے نبی کو یہ کہتے سنا تھا کہ وہ اس امت کے امین ہیں۔ سالم مولیٰ ابوحذیفہ (اموی) زندہ ہوتے انھیں مقرر کرتا میرا رب پوچھتا تو کہہ دیتا تیرے نبی کو یہ فرماتے سنا تھا کہ سالم اللہ تعالےٰ کی محبت میں شدید ہے"۔ پھر ان چھ صحابہ کے نام لے کر فرمایا کہ "علی وعثمان تو "ابنا عبد مناف" ہیں یعنی رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے قبیلے سے ہیں اور عبدالرحمٰنؓ (بن عوف) اور سعدؓ (بن ابی وقاص) یہ دونوں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں ہیں خالِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور زبیر بن العوامؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری اور آپ کی پھوپی کے بیٹے ہیں اور طلحہ الخیر ابن عبید اللہؓ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سب سے آخر وقت تک راضی رہے تھے ان میں سے کسی کو منتخب کرلینا اور جب اسے اپنا حاکم و والی بنا لینا تو اس کی اعانت اور مدد پورے طور سے کرنا فاذا ولوا والیا فاحسنوا موازرته واعینوه (طبری ج ۵ ص ۳۴۳ طبع اولیٰ) چنانچہ آخر میں یہ بھی فرمایا تھا کہ تم سیدھے چلے لوگوں کے تمہارے خلاف ہونیکا تو مجھے خوف نہیں ہے لیکن مجھے تم سے ڈر ہے تمہارے درمیان اختلاف ہونے کا ولکنی اخاف علیکم اختلافکم فیما بینکم۔ (ایضاً)

لیجئے مودودی صاحب ہی کے مآخذ طبری سے مردود روایت کی بخوبی تردید ہوگئی جس کے چند فقرے انھوں نے حضرت عثمانؓ کی تنقیص میں نقل کئے ہیں۔ حضرت فاروق اعظمؓ کی زبان سے ان اجلّہ صحابہ کا جو درجہ قرابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اس کا اظہار کس خوبی سے کیا ہے اور حضرت طلحہؓ کو "الخیر" سے ملقب کیا ہے اور آخر میں کیسی صحیح پیشن گوئی کی ہے کہ اپنے کسی جانشین کے خلاف لوگوں کی مخالفت کا حضرت موصوف کو خوف نہ تھا بلکہ ان کے آپس میں اختلاف پیدا ہونے کا ڈر تھا۔ جس کے لئے انھوں نے یہ وصیت کی کہ جسے بھی اپنا حاکم بنا لینا اس کی مدد و اعانت بخوبی کرنا۔ طبری ہی کی اس روایت سے صحیح صورت حال ہویدا ہو جاتی ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ مودودی صاحب نے اپنے اس معتبر مورخ کی روایت کو نظر انداز کرکے ایک وضعی روایت بنی امیہ اور امیر المومنین ذی النورینؓ کی منقصت میں چھانٹ لی جس کا تار پود پچھلے اوراق میں درایتاً و روایتاً دونوں طرح بکھیر دیا گیا ہے۔

عہد عثمانی کے عمال حکومت

مودودی صاحب نے اس سے آگے جو کچھ لکھا ہے وہ بھی اہل ایمان کا دل لرزانے والا ہے کہ آدمی ہوائے نفس میں کہاں تک وساوس کا آلہ کار بن جاتا ہے۔ فرماتے ہیں (مئی ص ۱۹۱)

"ان کے (یعنی حضرت عثمانؓ) کے عہد میں بنی امیہ کو کثرت سے بڑے بڑے عہدے اور بیت المال سے وظیفے دئے گئے اور دوسرے قبیلے اسے تلخی سے محسوس کرنے لگے۔ ان کے نزدیک یہ صلۂ رحمی کا تقاضا تھا۔ چنانچہ وہ کہتے تھے کہ "عمر خدا کی خاطر اپنے اقربا کو محروم کرتے تھے اور میں خدا کی خاطر اپنے اقربا کو دیتا ہوں۔" ابوبکر و عمر بیت المال کے معاملے میں اس بات کو پسند کرتے تھے کہ خود بھی خستہ حال رہیں اور اپنے اقربا کو بھی اسی حالت میں رکھیں۔ مگر میں اس میں صلہ رحمی کرنا پسند کرتا ہوں"۔ اس کا نتیجہ آخر کار وہی ہوا جس کا حضرت عمر کو اندیشہ تھا۔ ان کے خلاف شورش برپا ہوئی اور صرف یہی نہیں کہ وہ خود شہید ہوئے بلکہ قبائلیت کی دبی ہوئی چنگاریاں پھر سلگ اٹھیں جن کا شعلہ خلافت راشدہ کے نظام ہی کو پھونک کر رہا"

امیر المومنین عثمان صلوات اللہ علیہ کے عہد مبارک و مسعود میں جن بعض اموی سادات کو حکومت کے عہدے دیئے گئے ان کے احوال ان کے ناموں کے تحت آگے ملاحظہ ہوں اور بیت المال سے انہیں وظائف دینے کا جو اہتمام ہے اس کی صورتِ حال بھی آگے معلوم ہو گی۔ یہاں ہم عہد عثمانی کے امرا کی فہرست دیتے ہیں جس سے مودودی صاحب کے بیان کی قلعی کھل جائیگی اور جو اتہام انہوں نے حضرت عثمانؓ پر لگایا ہے اس کا بطلان معلوم ہو جائیگا۔ یہ فہرست متعدد کتابوں سے مرتب کی گئی ہے جن میں طبری اور ابن اثیر بھی ہیں جو مودودی صاحب کے ہاں اعتبار کا درجہ رکھتے ہیں:۔

فہرست عمّال و دیگر عہدہ داران عہد عثمانی

نمبر شمار	نام عہدہ دار	نام عہدہ و علاقہ
۱	حضرت عبداللہ بن الحضرمی	عامل مکہ
۲	" قاسم بن ربیعہ ثقفی	" طائف
۳	" یعلی بن امیہ تمیمی صحابی	" یمن

۴-	حضرت عبداللہ بن ربیعہ العنزی	عامل الجند
۵-	" عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید مخزومی صحابی	" حمص
۶-	" حبیب بن مسلمہ فہری "	" قنسرین
۷-	" ابوالاعور بن سفیان سلمی ذکوانی	" اردن
۸-	" علقمہ بن حکیم کنانی	" فلسطین
۹-	" ابوموسیٰ اشعری رض صحابی	" کوفہ
۱۰-	" جریر بن عبداللہ بجلی صحابی	" قرقسیا
۱۱-	" اشعث بن قیس الکندی صحابی	" آذربائیجان
۱۲-	" عتیبہ بن النہاس	" حلوان
۱۳-	" مالک بن حبیب السیر بوعی	" ماہ
۱۴-	" سعید بن قیس	" رے
۱۵-	" سائب بن اقرع	" اصفہان
۱۶-	" النسیر	" ہمدان
۱۷-	" جبیش	" ماسبذان
۱۸-	" حکیم بن سلامہ الحزامی	" موصل
۱۹-	" عبداللہ بن سعد بن ابی سرح عامری صحابی۔	" مصر
۲۰-	" معاویہ رض بن ابی سفیان رض اموی صحابی۔	" شام
۲۱-	" عبداللہ بن عامر بن کریز اموی صحابی۔	" بصرہ

خلافت عثمانی کے ان اکیس ۲۱ مستقل عاملوں میں صرف دو حضرات بنی امیہ سے ہیں ان کے علاوہ ولید رض بن عقبہ اموی اور سعید رض بن العاص اموی دو اور حضرات اس خاندان کے ہیں جو یکے بعد دیگرے کوفے کے والی ہوئے اور معزول کئے گئے ان کی جگہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رض والی ہوئے جو آخر عہد عثمانی رہے۔

عاملوں کے علاوہ دیگر مختلف خدمات پر جو حضرات مقرر تھے ان کے نام بھی درج ذیل ہیں (بحوالہ طبری ج ۵ ص ۱۴۸ طبع اولیٰ)

۱۔	حضرت مروان بن الحکم اموی رض	کاتب
۲۔	حضرت زید بن ثابت رض	قاضی مدینہ
۳۔	" ابوالدرداء رض	قاضی دمشق
۴۔	" عقبہ بن عمرو	افسر بیت المال
۵۔	" جابر بن فلان المزنی	افسر خراج السواد
۶۔	" سماک انصاری	ایضاً
۷۔	" القعقاع بن عمرو	افسر افواج کوفہ

ان سات عہدہ داروں میں بھی صرف ایک صاحب بنی امیہ میں سے تھے۔

اس فہرست سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مودودی صاحب نے صورت حال مسخ کرنے کی کیسی کوشش کی ہے ناظرین کرام خود گن لیں کہ ان میں کتنے اموی ہیں۔ جن بزرگواروں کے تقرر پر مودودی صاحب نے خاص طور پر اعتراضات کئے ہیں اور ان پر بہتان باندھے ہیں مثلاً حضرت مروان بن الحکم، حضرت ولید بن عقبہ رض حضرت عبداللہ بن عامر رض حضرت عبداللہ بن سعد رض اور حضرت سعید بن العاص رض ان کے احوال ان کے ناموں کے تحت ملاحظہ ہوں اسی طرح بیت المال کے سلسلے میں مودودی صاحب نے جو افترا کیا ہے اسے بیت المال کے عنوان کے تحت ملاحظہ کیا جائے۔ حضرت عثمان رض کی زبان سے حضرت صدیق اور حضرت فاروق رض کے بارے میں انھوں نے جو غلط بیانیاں کی ہیں، ان کا جواب بھی بیت المال کے عنوان کے تحت ملے گا۔ حضرت فاروق اعظم رض نے جب دیوان مرتب کیا اور مختلف قبائل کے افراد کے وظائف متعین کئے گئے تو کیا ان میں ان کے قبیلہ والے یتی اور عدوی نہ تھے۔؟ یہ سب مال بیت المال ہی کا تو تھا جس سے قریش کے ایک ایک گھرانے کے افراد کو وظائف دیئے گئے۔ باقی حضرت عثمان رض نے اس کے علاوہ جس کسی کو کچھ دیا وہ اپنے مال سے دیا جیسا کہ بیت المال کے عنوان سے معلوم ہوگا۔ اگر مودودی صاحب کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بہترین اصحاب اور امت محمدیہ کے ان ائمۂ کرام کی کچھ بھی حرمت ہوتی تو ایسی ہوائی باتیں لکھتے وقت ان کا قلم رکتا اور وہ سوچتے کہ کس کے متعلق کیا بات باور کرانا چاہ رہے ہیں۔ اگر صحابہ کرام

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفا ہی خیانت مجرمانہ کے مرتکب ہوں تو پھر اس امت کا ٹھکانہ کہاں رہا۔

قبائلی عصبیت مودودی صاحب نے کیسی صریح غلط بیانی کی ہے کہ حضرت امیرالمومنین عثمانؓ کے طرز عمل سے قبائلی عصبیتیں جاگیں جن کی بنا پر آپ شہید ہوئے اور بزعم مودودی خلافت راشدہ کا خاتمہ ہوگیا۔ نہ کوئی عصبیت جاگی اور نہ کوئی فتنہ اٹھا کیونکہ حکومت کی تشکیل بالکل عربی ماحول کے مطابق اور ان کی حیات اجتماعیہ کے مناسب تھی۔ عہد عثمانی کے آخر میں جو فتنے جاگے ان کی اصل عربی نہیں۔ وہ فتنے جگانے والے عرب کے باہر سے آئے تھے بلکہ اسلام سے بھی ان کا تعلق منافقانہ تھا۔ ان فتنوں کو عرب قبائل کی منافست قرار دے کر مودودی صاحب نے تلبیس و افترا کا حق ادا کر دیا۔ حضرت امیرالمومنین عثمان سلام اللہ علیہ کے خلاف شورش بپا کرنے میں عربوں کا کوئی ہاتھ نہ تھا بلکہ پوری امت اس شورش سے بری ہے۔ البتہ عراق کے دو ایک قبیلوں کے چند جاہل اور مفسد افراد سبائی مکاید کا شکار ہو گئے جن کی تعداد مسلمانوں کی اجتماعی عددی قوت کے مقابلے میں ہیچ محض تھی۔

جو امت دو براعظموں میں پھیلی ہوئی ہو اس میں سے دو چار ہزار آدمیوں کی کیا حیثیت ہے اور آدمی بھی وہ جو کوئی امتیاز نہ رکھتے تھے اور جن کا خود اپنے اپنے شہروں میں کوئی اثر نہ تھا۔ عبداللہ بن سبا اور اس کے گرگوں نے چھ برس کی لگاتار محنت کے بعد کوفہ بصرہ اور فسطاط کے چند ہزار آدمیوں کو اگر ورغلالیا اور ان میں سے بھی اکثر اس کے اصل عزائم سے بے خبر تھے اسے قبائلی عصبیتوں کا جاگنا کس طرح کہا جا سکتا ہے جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان تینوں شہروں میں ان مفسدوں کی پشت پر اتنے آدمی نہ تھے کہ یہ لوگ اپنے آپ کو ان بستیوں کا نمایندہ کہہ سکیں۔ مودودی صاحب کو خود یہ بات تسلیم ہے (جون ص ۲۵۵)

ہمارے نزدیک یہ امت محمدیہ پر بہتان ہے اور ہم دین اسلام سے اسے غداری سمجھتے ہیں کہ آدمی حضرت عثمانؓ کو امت میں یا اس کے معتد بہ حصے میں نامقبول باور کرانے کی کوشش کرے حضرت عثمانؓ کی پشت پر ساری امت تھی اور اگر وہ قتال کی اجازت دیدیتے

تو محض ان دو ہزار مفسدوں ہی کو نہیں بلکہ ان کے مرکزوں کی بھی اینٹ سے اینٹ بجا دی جاتی یا انھیں اس طرح شکنجے میں کس دیا جاتا جس طرح امیر المومنین عبد الملکؒ کے مبارک عہد میں امیر حجاجؒ نے ان کے کس بل نکال دئے۔ حضرت عثمانؓ اگر امت میں نامقبول ہوتے تو کیا ان کی شہادت پر عالم اسلام میں اس طرح آگ لگتی اور حضرت علیؓ کو اپنی بیعت کی تکمیل میں یوں ناکامی ہوتی؟ اور حضرت معاویہؓ جو قصاص عثمانؓ کے لئے کھڑے ہوئے تھے وہ اس طرح کامیاب ہوسکتے جیسے ہو گئے۔

جس قسم کی وضعی روایتوں پر مودودی صاحب نے اپنے مضمون کا مدار رکھا ہے اور جس قسم کے وضّاع راویوں کو انھوں نے قابل اعتماد سمجھا ہے اگر ہم بھی تحقیق و تفحص کا یہی معیار رکھیں اور اعلیٰ ماخذ و مصادر سے ان کی طرح آنکھیں بند کرلیں تو ہم وہ بات کہہ سکتے ہیں جو مودودی صاحب کی سب شیخی اور سیادت کرکری کردے۔ جو روایتیں کتابوں میں ہیں ان تک تو کسی کی رسائی ہے اور کسی کی نہیں۔ لیکن امت کے سامنے ایک تحریک موجود ہے جس کا وجود حسّی ہے اور جس نے اسلام کی تاریخ سے، بجائے خود اپنی جداگانہ تاریخ مرتب کی ہے اور اس تاریخ کو عقیدے کا درجہ دے دیا ہے۔ ایک غیر جانبدار شخص جب مسلم معاشرے میں آئے گا اور اس گروہ کی باتیں سُنے گا جو منبروں پر سُنائی جاتی ہیں اور ان کی خاص تبلیغی کتابوں میں لکھی جاتی ہیں، ان سے تو وہ یہ امر اخذ کریگا کہ

"پہلا شخص جس نے عصبیتوں کو جگانے کی کوشش کی وہ حضرت علیؓ ہیں جنھوں نے حضرت صدیق اکبر صلوات اللہ علیہ کی بیعت ہوجانے کے بعد اس کی کوشش کی کہ اپنا جتھہ بنا کر اس خلافت کا تختہ الٹ دیں اور اپنے بیوی بچّوں کو ساتھ لے کر گھر گھر گئے اور اپنے حمایتی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ لیکن جب ناکام ہوگئے تو مجبوراً حضرت صدیقؓ سے منافقانہ بیعت کی اور تینوں خلافتوں میں تقیّے کی زندگی بسر کرتے رہے۔ پھر جب ان کی پارٹی تیار ہوگئی تو انھوں نے عملی کوشش کرکے حضرت عثمانؓ کو قتل کرا دیا اور خود خلیفہ بن بیٹھے لیکن یہ امت جو شروع سے "اہل بیت" کی دشمن چلی آرہی ہے

اس نے ان کی خلافت نہ چلنے دی یعنی یہ سب شاخسانہ دراصل خاندانی مناقست پر مبنی تھا، اور دین اسلام محض ایک گھریلو معاملہ ۔۔ ہے۔

ایک ہاشمی نے امویوں پر برتری قائم کرنے کے لئے (نقل کفر کفر نہ باشد) نبوت کا دعویٰ کیا اور اپنے بعد اس نبوت کا وصی اپنے چچا کے بیٹے کو بنایا لیکن اموی بھی بڑے چالاک تھے انھوں نے بڑی تعداد میں منافقانہ اسی ہاشمی کا "مذہب" قبول کیا اور اس پر مسلط ہو گئے پھر ہر طرح کوشش کی کہ اس "نبی" کے بعد اس کے گھر والے کسی طرح برسر اقتدار نہ آسکیں، اور جب اس "نبی" کے چچا کا بیٹا اپنی پارٹی بنانے میں کامیاب ہو گیا اور خلیفہ وقت کو قتل کروکے خود خلیفہ بن بیٹھا تو اس کی مخالفت میں یہ لوگ کھڑے ہو گئے تا آنکہ اسے پست کر کے اپنی چودھراہٹ قائم کر لی۔

"یہ نبی قرآن نام کی ایک کتاب بھی لایا تھا جس میں اس نے چار سو کے قریب آئتیں اپنی بیٹی اور داماد اور دو نواسوں کی مدح میں لکھی تھیں تا کہ ان کی بالا دستی قائم رہے مگر دشمنان "اہل بیت" نے یہ آئتیں قرآن میں سے نکال دیں اور تیرے خلیفہ نے جو اموی تھا۔ قرآن میں سے بہت سی آیتیں نکال دیں خصوصاً سورۂ الم نشرح میں علی کی دامادی کی جو یہ آیت تھی وجعلنا علیا صہرك اسے نکال دیا اور بقول ان کے ایک امام کے عندنا المصحف فاطمة ہمارے پاس مصحف فاطمہ ہے واللہ مافیہ من قرآنکم حرف واحد (الکافی صئے طبع ۱۲۷۰ ایران)، بخدا اس میں تمہارے قرآن کا ایک حرف بھی نہیں ہے۔ غرضیکہ اس اموی خلیفہ نے اس کتاب کو ایسی صورت دیدی کہ اسے خود اس اموی کی بیاض کہا جا سکتا ہے"

روائتیں قبول کرنے کا جو معیار مودودی صاحب نے قائم کیا ہے اوپر کا یہ بیان اور اس سے نکلا ہوا نتیجہ بالکل اس معیار پر پورا اترتا ہے۔ کیا مودودی صاحب اس بیان کو تسلیم کرنے کے لئے تیار ہیں؟ اگر نہیں ہیں تو انھیں اپنی تحریروں سے توبہ کا اعلان کرنا چاہیئے۔ اور آیندہ وہی بات کہنی چاہیئے جو نصوص صریحہ وثابتہ کے موافق ہو صحابہ کرام

کے شایانِ شان ہو اور ان وعدوں کے مطابق ہو جو اللہ تعالےٰ نے اس امت سے کئے اور اس نظام خلافت کے ذریعہ انھیں پورا کیا جسے صحابہ کرام نے قائم کیا تھا اور جس کے نتیجے میں تین چوتھائی متمدن دنیا پر اسلام کا پرچم لہرایا اور علم و حکمت کے دریا بہے۔

امیر المومنین حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ

مودودی صاحب نے غالباً رائے عامہ سے خوف زدہ ہو کر یہ بیان تو البتہ کیا ہے۔ کہ باغیوں نے:-

"حضرت عثمانؓ کے خلاف الزامات کی ایک طویل فہرست مرتب کی جو زیادہ تر بالکل بے بنیاد اور ایسے کمزور الزامات پر مشتمل تھی جن کے جوابات دئے جاسکتے تھے اور بعد میں دئے بھی گئے۔" پھر فرماتے ہیں "اور حضرت علیؓ نے ان کے ایک ایک الزام کا جواب دے کر حضرت عثمانؓ کی پوزیشن صاف کی۔ مدینے کے مہاجرین و انصار بھی جو دراصل اس وقت مملکتِ اسلامیہ میں اہل حل و عقد کی حیثیت رکھتے تھے ان کے ہمنوا بننے کے لئے تیار نہ ہوئے"

(شمارہ جون ص ۲۵۵)

لیکن اس بیان کے باوجود انھوں نے حضرت عثمانؓ کی "فردجرم" بہت اہتمام سے تیار کی ہے خود وہ بڑے بڑے سب الزام عائد کئے ہیں بلکہ انہی کو "تغیر کا آغاز" قرار دیا ہے اور صراحتاً کہا ہے کہ تمام مسلمان خصوصاً اکابر صحابہ ان سے ناراض ہو گئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

(ص ۲۵۰)

"فردجرم" مرتبہ مودودی صاحب (۱) "انھوں نے (حضرت عثمان نے) پے در پے بنی امیہ کو بڑے بڑے اہم عہدے عطا کئے اور ان کے ساتھ ایسی رعایات کیں جو عام طور پر لوگوں میں ہدف اعتراض بن کر رہیں"۔ اس ضمن میں فرماتے ہیں "مثال کے طور پر انھوں نے افریقہ کے مال غنیمت کا پورا خمس (۵ لاکھ دینار)

مروان کو بخش دیا"

(۲) "حضرت سعد بن ابی وقاص کو معزول کرکے انھوں نے کوفے کی گورنری پر اپنے ماں جائے بھائی ولید بن عقبہ بن ابی معیط کو مقرر فرمایا"

(۳) "اور اس کے بعد یہ منصب اپنے ایک اور عزیز سعید بن عاص کو دیا"

(۴) "حضرت ابو موسیٰ اشعری کو بصرے کی گورنری سے معزول کرکے اپنے ماموں زاد بھائی عبداللہ بن عامر کو ان کی جگہ مامور کیا"

(۵) "حضرت عمرو بن عاص کو مصر کی گورنری سے ہٹا کر اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو مقرر کیا"

(۶) "حضرت معاویہ سیدنا عمر فاروق کے زمانے میں صرف دمشق کی ولایت پر تھے۔ حضرت عثمانؓ نے ان کی گورنری میں شام، فلسطین، اردن اور لبنان کا پورا علاقہ جمع کر دیا۔

(۷) پھر اپنے چچا زاد بھائی مروان بن الحکم کو انھوں نے اپنا سکریٹری بنا لیا جس کی وجہ سے سلطنت کے پورے دروبست پر اس کا اثر ونفوذ قائم ہو گیا۔ اس طرح عملاً ایک ہی خاندان کے ہاتھ میں سارے اختیارات جمع ہو گئے"

اب ملاحظہ ہو ٹیپ کا بند" ان باتوں کا ردعمل صرف عوام ہی پر نہیں، اکابر صحابہ تک تک پر کچھ اچھا نہ تھا اور نہ ہو سکتا تھا"

پھر فرماتے ہیں (جون ص ۲۵۱-۲۵۲)

" یہ بات اوّل تو بجائے خود قابلِ اعتراض تھی کہ مملکت کا رئیس اعلیٰ جس خاندان کا ہو مملکت کے تمام اہم عہدے بھی اسی خاندان کے لوگوں کو دے دیے جائیں۔ مگر اس کے علاوہ چند اسباب اور بھی تھے جن کی وجہ سے اس صورتِ حال نے اور زیادہ بے چینی پیدا کر دی۔ اوّل یہ کہ بنی اُمیّہ کے

جو لوگ دورِ عثمانی میں آگے بڑھائے گئے وہ سب طلقاء میں سے تھے یعنی آخر وقت تک وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دعوت اسلامی کے مخالف رہے۔ فتح مکہ کے بعد حضور نے ان کو معافی دی اور وہ اسلام میں داخل ہوئے فطری طور پر یہ بات کسی کو پسند نہ آسکتی تھی کہ سابقین اوّلین جنھوں نے اسلام کو سربلند کرنے کے لئے جانیں لڑائی تھیں اور جن کی قربانیوں ہی سے دین کو فروغ نصیب ہوا تھا، پیچھے ہٹا دیے جائیں اور طلقاء جو فتح کے بعد ایمان لائے تھے امت کے سرخیل ہو جائیں۔

دوسرے یہ کہ اسلامی تحریک کی سربراہی کے لئے یہ لوگ موزوں بھی نہ ہو سکتے تھے کیونکہ وہ ایمان تو ضرور لے آئے تھے مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و تربیت سے ان کو اتنا فائدہ اٹھانے کا موقع نہیں ملا تھا کہ ان کے ذہن اور سیرت و کردار کی پوری قلب ماہیت ہو جاتی۔ وہ بہترین منتظم اور اعلیٰ درجے کے فاتح ہو سکتے تھے اور فی الواقع وہ ایسے ہی ثابت بھی ہوئے۔ لیکن اسلام محض ملک گیری اور ملک داری کے لئے تو نہیں آیا تھا۔ وہ تو اولاً اور بالذات ایک دعوت خیر و صلاح تھا جس کی سربراہی کے لئے انتظامی اور جنگی قابلیتوں سے بڑھ کر ذہنی و اخلاقی تربیت کی ضرورت تھی اور اس کے اعتبار سے یہ لوگ صحابہ و تابعین کی اگلی صفوں میں نہیں بلکہ پچھلی صفوں میں آتے تھے۔

تیسرے یہ کہ عملاً ان سے جس کردار کا ظہور ہو رہا تھا وہ اس دور کے پاکیزہ ترین اسلامی معاشرے میں کوئی اچھا اثر پیدا نہیں کر سکتا تھا۔ مثال کے طور پر حضرت سعد بن ابی وقاص کی جگہ جب ولید بن عقبہ کو کوفے کا گورنر مقرر کیا گیا، اس کے انتظام سے اوّل اوّل اہل کوفہ بہت مطمئن ہوئے مگر بعد میں یہ بات کھلی کہ وہ مے نوش ہے اور اس کے قصے مشہور ہونے لگے۔ آخر کار ایک روز اس نے نشے کی حالت ہی میں لوگوں کو صبح کی نماز

چار رکعت پڑھا دی اور پھر پلٹ کر لوگوں سے پوچھا "اور پڑھاؤں"۔ یہ واقعہ حضرت عثمان تک پہنچا اس پر شہادتیں پیش ہوئیں اور حضرت عثمانؓ نے ولید کے چالیس کوڑے لگوا کر گورنری سے معزول فرما دیا"

ہم نے یہ طویل اقتباسات اس غرض سے پیش کئے ہیں کہ مودودی صاحب کو یہ شکایت نہ ہو کہ ان کے بیان میں قطع و برید کی گئی ہے۔ اب ہم ایک ایک شق پر سیر حاصل بحث کرنا چاہتے ہیں۔

عزل و نصب

امراء کا عزل و نصب مصالح کے تحت ہوتا ہے جسے ہم عصر لوگ اور ارباب سیاست خوب سمجھتے ہیں۔ پھر ہیں وہ جیتی نتائج جو ان امراء کی خدمات سے سامنے آئیں اور ان کی موزونیت و غیر موزونیت ثابت ہو۔ جس وقت جس قسم کے لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے انھیں آگے بڑھایا جاتا ہے اور ضرورت ختم ہونے یا مصلحت پیدا ہونے پر انھیں ہٹا لیا جاتا ہے۔ ایک شخص کی کتنی ہی بڑی خدمات ہوں اور کیسی ہی عظیم الشان اس کی شخصیت ہو لیکن سیاسی تقاضے اگر بدل جائیں تو اسے اپنی جگہ برقرار نہیں رکھا جاتا۔ ہمارے زمانے کی ایک مثال سے صورت حال سمجھ میں آجائیگی۔ دوسری جنگ عظیم میں مملکت انگلستان کے کُلّی اختیارات وزیر اعظم مسٹر چرچل کے سپرد کر دئے گئے تھے اور انھوں نے وہ کارنامے انجام دئے اور محوری طاقتوں پر ایسی شاندار فتح حاصل کی کہ صدیوں تک انگلستان کے لوگ ان پر فخر کریں گے۔ مگر جنگ ختم ہوتے ہی انگریز قوم نے مسٹر چرچل کو سیاسی رہنمائی سے الگ کر دیا۔ اب ایک سطحی دماغ کا شخص اسے انگریز قوم کی احسان فراموشی کہیگا لیکن جو لوگ ایک زندہ قوم کی نفسیات سے واقف ہیں وہ انگلستان کے عوام کی سیاسی سوجھ بوجھ کے قائل رہیں گے۔ کیونکہ مسٹر چرچل کے وہی اختیارات اگر اب بھی باقی رہتے تو عالمی سیاست میں انتہائی پیچیدگیاں پیدا ہو جاتیں اور کچھ تعجب نہ ہوتا کہ خود انگلستان میں انقلاب آجاتا۔

اسی پر قیاس کر کے سوچنا چاہیئے کہ امیر المؤمنین عثمانؓ کے زمانے میں قرب و جوار کی حکومتیں جو چالیں چل رہی تھیں ان کے لئے ضرورت تھی اس قیادت و جلادت و شہامت

کی جو آپ کے مایۂ ناز والیوں نے دکھائی۔ مودودی صاحب خود بھی جس کے معترف ہیں۔ اور جس سے ثابت ہو گیا کہ اس وقت ایسے ہی جوان خون کی ضرورت تھی۔ صحیح ہے کہ بقول مودودی صاحب سب قابلیت محض انہی امویوں ہی میں نہ تھی مگر ایک بات کا انھوں نے خیال نہ کیا کہ جن دوسروں میں تھی خصوصاً ہاشمیوں میں انھیں عملی سیاست کا کوئی تجربہ نہ تھا۔ برخلاف اس کے ان اموی جوانوں میں سے ایک ایک پچھلی خلافتوں میں باقاعدہ تربیت حاصل کر چکا تھا۔ ان کی اسی اہلیت و صلاحیت کے سبب انھیں آگے بڑھایا گیا اپنے کارناموں سے وہ اس انتخاب کے اہل ثابت ہوئے۔

مودودی صاحب اگر ٹھنڈے دل اور سلامت روی سے احوال ماضیہ کا جائزہ لے سکتے تو ان پر کھلتا کہ بسا اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبرؓ نے، اور حضرت فاروق اعظمؓ نے بلند پایہ اور اعلیٰ درجے کے والیوں اور سرداروں کو معزول کر کے ان سے کم درجے کے لوگوں کو امارت عطا فرمائی یا یہ کہ بلند رتبہ حضرات کے ہوتے ہوئے بظاہر ناتجربہ کار جوانوں کو قیادت سپرد کی۔ خود حضرت اسامہؓ کا معاملہ سامنے ہے کہ اس سترہ اٹھارہ برس کے نوجوان کو اس فوج کی کمان دی گئی جس میں حضرت صدیق اکبرؓ و حضرت فاروق اعظمؓ جیسے بزرگ موجود تھے، اور حضرت خالد سیف اللہؓ جیسے سورماؤں کی کمی نہ تھی۔ حضرت خلیفہ رسول اللہؓ نے بھی صحابہ کرام کے اصرار کے باوجود انہی اسامہؓ کی کمان میں فوج روانہ کی۔

حضرت فاروق اعظمؓ نے حضرت عمیرؓ بن سعد انصاری جیسے بزرگ کو حمص کی ولایت سے معزول کر کے اس علاقے کو بھی حضرت معاویہؓ کے تحت دے دیا۔ اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص جیسے کامل قائد و مدبر کو معزول کر کے حضرت عبداللہؓ بن عبداللہ بن عتبان کو کوفے کا والی بنا دیا۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قدیم الاسلام بزرگوں کا افسر حضرت عمروؓ بن العاص کو بنایا۔ ایسے ہی بیسیوں واقعات ہیں۔

مودودی صاحب کو رشتہ داروں کے بڑھانے پر بڑا اعتراض ہے لیکن کاش وہ عدل سے کام لیتے اور خود حضرت علیؓ کو دیکھتے جنھوں نے چھانٹ چھانٹ کر تمام مناصب حکومت

اپنے قریب ترین ناتجربہ کار رشتہ داروں، اپنے چچیرے بھائیوں، بھانجے سوتیلے بیٹے وغیرہ کو دیئے۔ کوفے میں خود تھے، بصرہ پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ، مکّہ و طائف پر حضرت قثم بن عباسؓ، مدینہ پر حضرت ثمامہ بن العباسؓ، یمن پر حضرت عبید اللہ بن عباسؓ، خراسان پر جعدہ بن ھبیرہ (بھانجہ اور داماد)، امیر عساکر محمد بن علی (اپنے حقیقی فرزند) اور مصر پر اپنے ربیب (سوتیلے بیٹے) محمد بن ابی بکرؓ کو والی بنایا اور وہ بھی حضرت قیس بن سعدؓ جیسے تجربہ کار صحابی بن صحابی کو الگ کر کے۔ اسی کے نتیجے میں اور انہی کی سوء تدبیر سے مصر حضرت علیؓ کے ہاتھ سے نکل گیا۔

ہمیں نہ اس پر اعتراض ہے اور نہ اس پر اعتراض جس قسم کے لوگوں نے کیا اور اب تک ان دونوں پر کرتے ہیں وہ اشتر نخعی جیسے لوگ تھے جنھوں نے حضرت عثمانؓ کو شہید کیا اور حضرت علیؓ کی سیاسی ناکامی کے سبب بنے۔

مودودی صاحب نے دعویٰ کیا ہے (جون ص ۲۵۰) کہ حضرت عمرؓ نے اپنے دس سال کے عہد میں بنی عدی کے صرف ایک شخص کو ایک چھوٹے سے عہدے پر مقرر کیا تھا۔ مگر یہاں ہم اور نام بھی پیش کر سکتے ہیں مثلاً حضرت قدامہ بن مظعون جمحیؓ کا جو ان کے سگے برادر نسبتی تھے اور انھیں بحرین کی ولایت سپرد کی گئی تھی۔ ان سے ایسا دہرا رشتہ تھا کہ یہ حضرت عبداللہؓ اور حضرت ام المومنین حفصہؓ کے سگے ماموں اور سگے پھوپھا تھے۔

ہم پچھلے اوراق میں بیان کر چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہاشمیوں کا عملی سیاست سے کوئی تعلق نہ رہا تھا انھیں ہم اسلام وکفر کی آویزش میں سینہ سپر نہیں پاتے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی مملکت کے نظم و نسق چلانے کا تجربہ کسی ہاشمی کو میسر نہ آیا۔

برخلاف اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہم بنو امیہ کو حکومت نبویہ کے اہم ترین مناصب پر پاتے ہیں۔ چنانچہ اسی خاندان کے نوجوانوں کو خلافت صدیقی و فاروقی میں بھی نہایت اہم مناصب پر فائز کیا گیا۔ عرب کا کوئی قبیلہ اور قریش کا کوئی خاندان اس بارے میں بنو عبدالشمس بنو امیہ کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔

کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بنی امیہ و بنو عبد الشمس پر انتہائی اعتماد تھا اور آپ دیکھ رہے تھے کہ امت کی قیادت خیر القرون میں اسی خاندان کو کرنی ہے۔ چنانچہ آپ کے والیوں میں لنّے حضرات بنو عبد الشمس بنو امیہ میں تھے۔

فہرست اموی عمّال مملکت نبویہ

نمبر شمار	نام	مقام تعیناتی
۱۔	حضرت عتاب بن اُسید اموی رضؓ	عامل مکہ
۲۔	حضرت ابو سفیان بن حرب رضؓ	″ نجران
۳۔	حضرت یزید بن ابی سفیان رضؓ	″ تیماء
۴۔	حضرت خالد بن سعید رضؓ	″ صنعاء
۵۔	حضرت عمرو بن سعد رضؓ	″ قریٰ عرینہ (تبوک خیبر فدک)
۶۔	حضرت حکم بن سعید رضؓ	″ وادی القریٰ
۷۔	حضرت ابان بن سعید رضؓ	″ بحرین
۸۔	حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضؓ	کاتب وحی و مبلّغ اسلام مقام حضرموت

عہد رسالت میں اسّی فیصد عمال بنی امیہ میں سے تھے گویا مودودی صاحب کے الفاظ میں مرکزی سکرٹریٹ سے لیکر مملکت نبویہ کے تمام اہم ناکوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امویوں کو متعین کر دیا تھا۔

مودودی صاحب نے بزعم خویش ایک کلیہ قائم کیا ہے کہ "بنو امیہ کے جو لوگ دور عثمانی میں آگے بڑھائے گئے" وہ چونکہ طلقاء میں تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت انھیں زیادہ مدت تک نصیب نہیں ہوئی اس۔ لئے وہ امت کی قیادت کے اہل نہ تھے۔ ان کا یہ کلیہ قطعاً باطل ہے۔

طلقاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد قریش کو مجمع کرکے فرمایا تھا۔ انتم الطلقاء (تم سب آزاد ہو) اس وقت قریش کے اکثر لوگ کافر تھے۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فاتح ہونے کی حیثیت سے یہ حق رکھتے تھے کہ اُنھیں غلام بنائیں ان کے بعض لوگوں کو قتل کریں یا انھیں ذلیل کرکے ان پر مصائب کے پہاڑ توڑیں۔ لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔ آپ قریش کے کردار کی رفعت ان کے تصورات زندگی کی عظمت سے واقف تھے اور آپ جانتے تھے کہ عصبیت کا ایک معمولی پردہ ہے جس کے اُٹھتے ہی یہ لوگ انتہائی بلندی تک پہنچ جائیں گے۔ آپ اپنی قوتِ تصرف سے واقف تھے اور جانتے تھے کہ اللہ تعالٰے نے اسلام کا اوّلین علمبردار ہونے کا شرف اسی قبیلے قریش کے لئے مقدر کیا ہے لہٰذا ان کے کفر و شرک کے باوجود ان کی آزادی کا اعلان فرمادیا۔ اور اسی کا یہ نتیجہ ہوا کہ جو لوگ اسلام کے مخالف تھے وہ برضا و رغبت اور ذوق و شوق کے ساتھ اس دین میں داخل ہوئے۔

"طلقاء" بالفاظ دیگر احرار ہونا قریش کی منقبت ہے مگر یہی الفاظ جو ان کی عظمت بیان کرنے کے لئے کہے گئے تھے انھیں ان لوگوں نے جن کے دلوں میں بیماری ہے برے معنی دیدئے۔ چنانچہ سبائیوں کے ہاں طلقا کہنا نہایت تحقیر کا کلمہ ہے۔ شاید اسی سبائی ذہنیت کے تحت مودودی صاحب نے بھی اس کی شرح بیان کی ہے۔

لیکن انھیں یاد نہیں رہا کہ اسلام کے مرکزی مقام مکہ معظمہ کا پہلا والی انہی طلقاء میں سے بیس برس کے ایک اموی نوجوان حضرت عتّاب بن اسیدؓ کو بنایا گیا تھا جنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی معیت میں گنتی کے چند دن گزارے تھے۔ اور وہ سب کے سب سابقین اولین جنھوں نے اسلام کی سربلندی کے لئے جانیں لڑائی تھیں، دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے مودودی صاحب سمجھتے ہوں گے کہ ان سابقوں کو یہ امر ناگوار گزرا ہوگا مگر تاریخ بتاتی ہے کہ وہ اس پر خوش تھے اور انھیں کسی درجے میں بھی اس نومسلم اموی نوجوان کا اس عظیم و جلیل منصب پر فائز ہونا ناگوار نہیں ہوا۔ حضرت عتّابؓ بن اسید جس طرح عہد نبوی میں مکہ کے والی تھے اسی طرح عہد صدیقی میں بھی رہے اور بعض روایت کے مطابق عہد فاروقی میں بھی کچھ مدّت۔ پھر آپ وفات پاگئے۔ ان ہی کے فرزند عبدالرحمٰن تھے جنھیں حضرت علیؓ نے یعسوب قریش (سردار قریش) کہا تھا۔

پھر یہی نومسلم قریشی اموی جنھوں نے فتح مکہ موقع پر اسلام کا اظہار کیا تھا، انہی میں سے ایک کو کتابت وحی کی خدمت سپرد ہوئی یعنی حضرت معاویہؓ کو اور ان کے والد حضرت ابوسفیانؓ کو نجران کا والی بنایا گیا جو نصاریٰ کا مرکز اور بازنطینی حکومت کا ہوا خواہ رہا تھا۔ غرض یہ ہے کہ مودودی صاحب کا خودساختہ نظریہ بالکلیہ باطل ہوگیا۔ رہے حضرت ولید بن عقبہ، حضرت مروان بن الحکم، حضرت عبداللہ بن عامر اور حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہم اجمعین تو یہ مودودی صاحب کی تاریخ دانی ہے کہ انھوں نے ان بزرگواروں کو طلقاء میں سمجھ لیا، اور ان پر یہ لغو اتہام لگایا کہ "آخر وقت تک وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دعوت اسلام کے مخالف رہے"

حضرت ولید بن عقبہؓ اور حضرت مروانؓ دونوں فتح مکہ کے وقت دس گیارہ برس کے لڑکے تھے اور حضرت عبداللہ بن عامرؓ فتح مکہ کے بعد پیدا ہوئے تھے۔ البتہ حضرت عبداللہ بن سعدؓ جوان تھے لیکن ان کا معاملہ دوسرا ہے جو ان کے احوال میں زیر بحث آئے گا۔

اگر "طلقاء" میں ہونا مودودی صاحب کے خیال میں کوئی عیب تھا تو وہ ان کے بزرگوں میں ہوگا نہ کہ ان خوردوں میں۔ ان سب کی تربیت اسلام میں ہوئی اور اکابر صحابہ کی صحبت میں پروان چڑھے، نہایت اہم خدمات انھوں نے انجام دیں اور اپنے کارناموں کے بے نظیر آثار اس امت کے لئے چھوڑ گئے لیغیظ بھم الکفار۔ چنانچہ سبائیہ نے کذب و افتراء کا طوفان انہی کے خلاف کھڑا کیا کیونکہ انھوں نے ایران اور روم دونوں شہنشاہتوں کو پامال کرکے اسلام کی سربلندی کا جھنڈا آویزاں کر دیا تھا۔ اب ہم ان میں سے ہر بزرگ کا ذکر قدرے تفصیل سے لکھتے ہیں، اسی ضمن میں ان اتہامات کی حقیقت بھی واضح ہوجائے گی جو مودودی صاحب نے سبائی راویوں کی کذب بیانیوں کے سہارے امیر المومنین عثمان ذی النورینؓ کے پاکیزہ کردار پر عائد کرنے کی جسارت کی ہے۔

حضرت ولیدؓ بن عقبہ

اسلام کا یہ بطل جلیل اور امراء اسلام میں بلند رتبہ قائد و مدبر جس کا ذکر مودودی صاحب نے بہت حقارت سے کیا ہے، اس کی شان تو ایسی تھی کہ تبع عصر مسلمانوں کی طرح آج کے مسلمان بھی فخر و انبساط اور ادب و تعظیم سے

اس کا ذکر کرتے مگر یہ حضرت ولیدؓ چونکہ نسباً اموی ہیں لہٰذا ان کے بارے میں مفتریات سبائیہ کو ہوا دی جاتی ہے اور امیر المومنین عثمانؓ کے انتخاب کی داد دینے کی بجائے ان پر طعن کا سبب بنایا جاتا ہے۔

حضرت ولیدؓ صغار صحابہ میں ہیں۔ فتح مکہ کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنی حاضری کا واقعہ خود ہی بیان کیا ہے (العواصم من القواصم ص ۹۱-۹۲) منقول از مسند امام احمدؒ) کہ آپ بھی ان بچوں میں تھے جو حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ نے سب کے لئے برکت کی دعا کی۔ تقریب التہذیب میں ہے لہ صحبۃ وعاش الی خلافۃ معاویۃ (آپ کو صحبت نصیب ہوئی اور حضرت معاویہؓ کی خلافت تک زندہ رہے)

امیر ولیدؓ کی تمام تربیت حضرت صدیق اکبرؓ نے کی ان کی حیثیت بارگاہِ صدیقی میں وہی تھی جو حضرت ابن عباسؓ کی حضرت فاروق اعظمؓ کے ہاں کہ باوجود صغر سنی اور نو عمری اکابر صحابہ کی مجلس میں بار تھا۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے پہلی خدمت جو ان سے لی وہ فوجی خط و کتابت تھی جو بصیغہ راز آپ کے اور آپ کے سپہ سالار اعظم حضرت خالدؓ بن ولید سیف اللہ کے درمیان ہوا کرتی تھی (طبری: ۴: ۷ منقول از العواصم تعلیقہ علامہ خطیبؒ ص ۸۶)

اس کے بعد آپ کو عہد صدیقی میں سالار عسکر حضرت عیاضؓ بن غنم فہری کی مددگار کی حیثیت سے بھیجا گیا (طبری ۴: ۲۲ حوالہ مذکور) پھر ۱۳ھ میں قبیلہ قضاعہ کے صدقات کی وصولی کے لئے بھیجے گئے۔ جب فتوح شام کا سلسلہ شروع ہوا تو حضرت عمروؓ بن العاص کی طرح ایک فوج کی قیادت آپ کے بھی سپرد کی گئی حضرت عمروؓ کو فلسطین کی طرف روانہ کیا گیا اور حضرت ولیدؓ کو شرق اردن کی طرف (طبری ۴: ۲۹-۳۰ حوالہ مذکور) یعنی حضرت صدیق اکبرؓ انھیں حضرت عمروؓ بن العاص ہی کی سی اہمیت دیتے تھے۔

پھر ۱۵ھ عہد فاروقی میں آپ کو جزیرہ کا عامل مقرر کیا گیا (طبری ج ۳) پھر بلاد بنی تغلب کا امیر بنایا گیا اور یوں شام کے شمالی علاقے کے مسلم و کافر عرب آپ کے لشکر میں شامل ہوئے اور رومیوں کے خلاف جہادوں کا سلسلہ شروع ہوا یہاں آپ نے ان جہادوں کے ساتھ ساتھ نصرانی عربوں میں موعظہ حسنہ سے تبلیغ کا سلسلہ بھی شروع کر دیا۔

بہت سے نصرانی نوجوان کو حلقہ بگوش اسلام کیا جن نصرانی عربوں پر بازنطینی حکومت کا زیادہ اثر تھا وہ بھاگ کر بازنطینی بیڑے سے جا ملے۔ یہ صورت بغاوت کی تھی۔ چنانچہ حضرت ولیدؓ نے امیر المومنین عمر فاروق اعظمؓ کی خدمت میں عرضداشت بھیجی کہ قیصر روم کو تہدیدی حکم بھیجیں کہ ان لوگوں کو بلاد اسلامیہ کی طرف واپس کر دیا جائے۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے یہ صورت حال دیکھ کر انہیں واپس بلا لیا کہ کہیں اپنے دینی جوش میں ان عرب نصرانیوں سے نہ بھڑ جائیں جو اس وقت عربی قومیت کا خیال کرکے بازنطینی حکومت کے خلاف مسلمانوں کا ساتھ دے رہے تھے۔ اس وقت سیاست کا یہی تقاضا تھا کہ اس پرجوش مجاہد کو واپس بلا لیا جائے۔

لیکن امیر المومنین عثمانؓ کے عہد مبارک تک اس جری نوجوان میں جوش جہاد کے ساتھ تدبّر آ چکا تھا۔ چنانچہ آپ کو کوفہ کا والی بنا دیا گیا۔ اور وہاں آپ پانچ برس تک نہایت کامیابی کے ساتھ نظم ونسق کے علاوہ عظیم الشان فتوحات بھی حاصل کرتے رہے اور آپ کا شمار کوفے کے مثالی والیوں میں ہے۔

بروایت تاریخ طبری جو مودودی صاحب کا معتبر مآخذ ہے حضرت ولید بن عقبہؓ اہل کوفہ کے محبوب گورنر تھے۔

وکان احب الناس فی الناس وارفقهم بهم فکان بذلك خمس سنین ولیس علی دارہ باب۔ (طبری ج ۳ ص ۳۳۰)	(حضرت ولیدؓ) لوگوں میں لوگوں کے سب سے زیادہ محبوب تھے اور ان کے ساتھ سب سے زیادہ نرم تھے پانچ سال اس منصب پر رہے مگر آپ کے مکان کا دروازہ تک نہ تھا (ہر شخص ہر وقت ان کے پاس جاسکتا تھا۔)

علامہ خطیبؒ نے العواصم میں (ص ۱۰۰) طبری کے حوالے سے (۵ : ۶۰) امام شعبیؒ کا ایک قول نقل کیا ہے۔ آپ کے سامنے امیر مسلمہ بن امیر المومنین عبدالملکؒ کے مجاہدانہ کارناموں کا ذکر ہو رہا تھا تو امام شعبیؒ نے فرمایا۔

کیف لو ادرکتم الولید غزوۃ وامارتہ ان کان لیغزو فینتھی	کاش تم ولید کا زمانہ پاتے اور ان کے جہادوں اور اور ان کی امارت کا حال دیکھتے۔ وہ جب جہاد پر نکلتے

الیٰ کذا اوکذا......ماقصر ولا انتقض علیہ احدٌ عزل عن عملہ وعلی الباب یومئذ عبدالرحمن الباھلی۔ وان کان مما زاد عثمان الناس علی ید لا رائے علی یدالولید) ان رد علی کل مملوك بالكوفة من فضول الاموال ثلاثة فی کل شھر یتسعون بہا من غیران ینقص موالیھم من ارزاقھم۔

تھے اور دور دور دھاوے بولتے تھے.......اور کسر نہ رکھتے تھے۔ کسی کو ان پر کوئی اعتراض نہ تھا تا آنکہ وہ اپنے عہدے سے برطرف کر دیے گئے اور اس وقت (ان کے ایک بڑے سپہ سالار) عبدالرحمٰنؓ باھلی دربند کا محاصرہ کئے ہوئے تھے (جو بحر خزر کے کنارے روس کے علاقے کا مضبوط مورچہ تھا) (گویا ان فاسقوں کی ریشہ دوانی کے سبب ولید کی معزولی سے اس وقت امت کو نقصان پہنچا) پھر انھوں نے کوفے کے ہر غلام کو زائد مال سے تین درہم ماہوار وظیفہ مقرر کر رکھا تھا کہ اپنا کام چلائیں اور یہ بغیر اس کے تھا کہ ان کے آقاؤں کے وظائف میں کوئی کمی ہو۔ (گویا اس طرح مملوکوں کی حیثیت عرفی کو بلند کر کے ان کے آقاؤں ہی کی طرح حکومت کا باوقار شہری بنا دیا گیا)

یہ ہیں حضرت ولید بن عقبہؓ جن کے تعمیری کارنامے اختصار سے بیان کرنا مشکل ہیں۔ ان ہی کا ذکر مودودی صاحب نے سبائیوں کی روایت کا سہارا لے کر اس حقارت سے کیا ہے کہ ہر باخبر شخص کے دل پر چوٹ لگی ہوگی۔

مودودی صاحب نے یہ تو لکھدیا کہ حضرت سعدؓ کو موقوف کر کے حضرت عثمانؓ نے اپنے ماں جائے بھائی کو والی کوفہ مقرر کر دیا مگر وجہ بیان کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ ہوا یہ کہ حضرت سعدؓ نے بیت المال سے کچھ روپیہ قرض لیا تھا جس کی ادائے گی میں کچھ دیر کی مہتمم بیت المال حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے مطالبے میں شدت برتی جس سے ان دونوں بزرگوں میں کچھ تلخی پیدا ہو گئی۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو بات معمولی تھی لیکن کوفیوں نے اسے خوب بڑھایا چڑھایا اور فطری مفسدانہ ذہنیت کے تحت ان کی پارٹیاں بن گئیں کچھ لوگ والی کوفہ حضرت سعدؓ کے ساتھ تھے اور کچھ مہتمم بیت المال حضرت عبداللہؓ کے یہ صورت

حال تشویشناک تھی اور دونوں بزرگوں کو ناگوار اس لئے حضرت ولیدؓ کو بھیجا گیا اور حضرت سعدؓ کو بلا لیا گیا۔

مودودی صاحب نے ان دونوں کا جو مکالمہ لکھا ہے (ص ۲۵۱) وہ بالکل لغو ہے۔ حضرت سعدؓ جب خلافت ہی سے بے نیاز تھے تو انھیں امارت کی کیا خواہش تھی۔ وہ مسلمانوں کے باہمی اختلاف سے نفرت کرتے تھے انھوں نے تو کوفہ چھوڑ دینا غنیمت سمجھا ہوگا بلکہ اسے پسند کیا ہوگا کہ کوفہ کے شر پسند عناصر کی سرکوبی کے لئے حضرت ولیدؓ جیسے والی وہاں پہنچ گئے۔

حضرت سعدؓ نے ایران کا دارالسلطنت مدائن فتح کیا تھا لہذا کوفے کا ایرانی عنصر ان سے ویسے ہی خفا تھا اور پھر سبائیوں کو جو ان سے نفرت ہے اس کا کیا کہنا۔ چنانچہ ان کے خلاف پروپگنڈا خوب کیا گیا ہے۔ کچھ جاہل عرب بھی ان منافقوں کے بہکائے میں آگئے اور حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانے میں ان کی یہ شکایت کی کہ انھیں نماز پڑھانی نہیں آتی (صحیح بخاری: ج ۱، کتاب الصلوٰۃ ص ۱۳۰ طبع مصر) کوفہ والوں کی یہ ذہنیت دیکھ کر آپ عہد فاروقی میں بھی کوفے کی امارت سے علیحدہ ہو چکے تھے تو حضرت ولیدؓ کے آنے پر سبائی راویوں کی تراشیدہ یہ چھپتی ہوئی باتیں کیوں ہوتیں جنھیں مودودی صاحب نے نقل کیا ہے۔

شرب خمر مودودی صاحب نے حضرت ولیدؓ کے شرب خمر کا اتہام اور ان پر حد جاری ہونے کا واقعہ بیان کر دینے ہی پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ اسے اتنی اہمیت دی کہ دلائل وشواہد پیش کرنے بھی ضروری سمجھے چنانچہ فرماتے ہیں (جون ص ۲۵۲ تعلیقہ)

> علامہ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ اس کے نشے کی حالت میں نماز پڑھانے اور ازیدکم کہنے کا واقعہ مشہور من روایۃ الثقات من نقل اھل الحدیث والاخبار (اہل حدیث اور اہل روایت کے ثقہ لوگوں کے بیان کے مطابق مشہور ہے) نیز وہ لکھتے ہیں کہ اصمعی ابو عبیدہ ابن الکلبی وغیرہم کا بیان ہے کہ ولید بن عقبہ کان فاسقا شرب خمر (ولید بن عقبہ فاسق تھا اس نے شراب پی)

مودودی صاحب نے حضرت ولیدؓ کے بارے میں مفسدوں اور منافقوں کی بیان کردہ روایت تو نقل کر دی اور اصمعی وابوعبیدہ اور ابن الکلبی جیسے رافضی سبائی اور کذّابوں کی رائے بھی بیان کر دی لیکن صحاح سے اس افترا و کذب کی تحقیق ضروری نہیں سمجھی۔ ایک مومن، ایک صحابی، حضرت عثمانؓ کے ماں جائے بھائی، ایک مجاہد کبیر، ایک قابل فخر امیر اور حضرت صدیقؓ و حضرت فاروقؓ کے معتمد کارکن اور پھر ایک گذرا ہوا شخص، کیا اس کی اتنی بھی حرمت نہیں جو ایک معمولی مسلمان کی خدا و رسول نے بتائی ہے۔ ان کا شخصی عیب بیان کرتے وقت کچھ تو خیال کیا ہوتا۔ مگر کیوں کرتے نسلی تعصب اور خاندانی انانیت اس کی اجازت کب دیتی ہے۔ اب ہم ناظرین کرام کو اصل صورت حال بتاتے ہیں۔

حضرت ولیدؓ کوفے کی امارت پر پانچ برس فائز رہے اپنے عدل اپنے حلم و رفق اپنے رحم و کرم اور اپنے تدبر و سیاست سے اسے ایک مثالی شہر بنا دیا لیکن کوفیوں کا شر پسند عنصر حسب عادت اسے برداشت نہ کر سکا کہ اتنے دن وہاں کوئی والی رہے۔ ادھر ایک واقعہ ہو گیا کہ ابو زینب ازدی، ابی مورع اور ابو زہیر جندب کے بیٹوں نے ایک صاحب علی بن حیسمان کے ہاں نقب لگائی اور انھیں قتل کر دیا۔ پڑوس میں اس وقت مشہور صحابی ابو شریح خزاعیؓ اور ان کے فرزند ٹھیرے ہوئے تھے۔ یہ دونوں محترم بزرگ حضرت ولیدؓ کی قیادت میں جہاد کرنے کے لئے مدینہ طیبہ سے آئے ہوئے تھے۔ ان کی آنکھ کھل گئی اور انھوں نے ان ظالموں کی یہ حرکت دیکھی اور امیر کے ہاں گواہی دی تو ان مجرموں کو کیفر کردار کو پہنچا دیا گیا۔ اس سے ان کے باپ برافروختہ ہوئے انھوں نے حضرت ولیدؓ کے خلاف محاذ بنا لیا۔ ان کے ہاں اتفاق سے بنو تغلب میں سے ایک نصرانی شاعر مہمان آئے اور ان کے دست حق پرست پر مسلمان ہو گئے۔ شعر و ادب کے تذکرے ہونے لگے۔

امیر ولیدؓ کا قاعدہ تھا کہ جب تک مردانے میں رہیں ہر شخص ان کی خدمت میں ہر وقت آ جا سکتا تھا۔ چنانچہ ابو مورع وغیرہ بھی ایک دن اچانک پہنچ گئے اور دیکھا

کہ امیر ولیدؓ نے جلدی سے ایک خوان تخت کے نیچے کو کر دیا۔ ان لوگوں کو شبہ ہوا کہ شاید اس نصرانی نومسلم کی صحبت میں مے نوشی شروع ہو گئی ہے۔ انھوں نے وہ طشت نیچے سے نکال کر دیکھا تو اس میں صرف انگور تھے۔ اب یہ ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے اور جب اشراف کوفہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو اُنھوں نے اس گستاخی پر بہت سرزنش کی۔ مگر امیر موصوف نے چشم پوشی سے کام لیا نہ انھیں کچھ سزا دی اور نہ امیر المومنین کو اطلاع کی۔ اس سے یہ لوگ پشیمان ہونے کی بجائے دلیر ہو گئے۔ اور پھر کسی موقع کی تاک میں رہے۔ ایک شب اتفاق سے امیر کے ہاں مجمع زیادہ تھا اور جب اجلاس برخاست ہوا۔ باقی لوگ چلے گئے لیکن ابومورع اور ابوزینب سب کے ساتھ چلے جانے کے بجائے ایک طرف کو چھپ گئے۔ امیر ولیدؓ نے غالباً تکان کے سبب تکیہ پر سر رکھا تو آنکھ لگ گئی۔ یہ دونوں چپکے سے بڑھے اور انگلی میں سے انگوٹھی نکال کر بھاگ گئے۔ امیر ولیدؓ بیدار ہوئے تو انگوٹھی ہاتھ میں نہ دیکھ کر پریشان ہو گئے۔ ان کی دو بیویاں پردے میں سے دیکھ رہی تھیں اُنھوں نے بتایا کہ اس اس حلیئے کے دو شخص کس طرح اچانک انگوٹھی لیکر بھاگ گئے۔ آپ سمجھ گئے کہ کون تھے۔ ان کے پیچھے آدمی دوڑائے مگر وہ غائب تھے اور رکیوں نہ ہوتے وہ تو مدینہ کے لئے روانہ ہو چکے تھے۔ وہاں اُنھوں نے حضرت امیرؓ پر شرب خمر کا الزام لگایا اور ثبوت میں انگوٹھی پیش کی۔ ایک نے گواہی دی کہ اس نے شراب پیتے دیکھا اور دوسرے نے کہا کہ شراب کی قے کرتے دیکھا۔ یوں امیر ولیدؓ کی طلبی ہوئی۔ آپ نے حلفیہ بیان کیا کہ یہ محض اتہام ہے اور ان گواہوں کی پوری کیفیت بیان کر دی۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے فرمایا۔ نقیم الحدود ویبوء شاهد الزور بالنار فاصبر یا اُخیّ۔ (ہم تو حد قائم کریں گے اور جھوٹے گواہوں کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ اے میرے چھوٹے بھائی صبر کر)۔

یہ ہے وہ کل قصہ جو طبری نے ۳۰ھ کے حوادث کے تحت بیان کیا ہے۔ اس پوری تفصیل میں نہ کہیں نشے کی حالت میں نماز پڑھانے کا ذکر ہے نہ "اور پڑھاؤں" کہنے کا اور نہ دو رکعتوں اور چار رکعتوں کا۔

مودودی صاحب کے اسی معتبر ماخذ طبری میں صراحتاً مذکور ہے کہ جب امیر المومنین

نے گواہوں سے پوچھا کیا تم نے ان کو (امیر ولید) کو شراب نوشی کرتے دیکھا تھا دونوں نے صاف انکار کیا فقالا لا وخافا (ایضاً ج ۵ صفحہ ۶۲ طبع اولیٰ) یعنی چشم دید واقعہ کہتے ڈرے اور انکار کیا۔ گویا ابن عبدالبر سے ایک صدی پہلے کے مورخ نے نماز پڑھانے کا مطلق کوئی ذکر نہیں کیا۔ استیعاب میں نماز فجر میں چار رکعتیں پڑھانے کی جو وضعی روایت ہے اس کے راوی ضمرہ بن ربیعہ متہم بکذب ابن شوذب اس واقعہ سے ۷۰ سال بعد پیدا ہوئے۔

البتہ احادیث میں ایک روایت حضین بن المنذر کی ہے جو صفین میں حضرت علیؓ کے ایک کماندار تھے لیکن نہ وہ اس مزعومہ واردات کے وقت کوفے میں تھے اور نہ عثمانی عدالت میں ان کی حیثیت گواہ کی تھی اور نہ انھوں نے اپنے بیان کی کوئی سند دی وہ صرف اس موقعہ پر موجود تھے۔ جب حد جاری کی گئی۔

یہ روایت اس طرح ہے (صحیح مسلم ج ۲، باب حد الخمر ص ۷۰ طبع مصر)

حدثنا حضین بن المنذر ابو ساسان قال شهدت عثمان بن عفان واُتی بالولید قد صلی الصبح رکعتین ثم قال ازیدکم فشهد علیه رجلان احدهما حمران انه شرب الخمر واشهد آخر انه رآه یتقیأ فقال عثمان انه لم یتقیأ حتی شربها فقال یا علی قم فاجلده	ہم سے حضین بن المنذر ابو ساسان نے بیان کیا وہ کہتے ہیں میں عثمانؓ بن عفان کے حضور اس وقت موجود تھا جب ولیدؓ کو لایا گیا۔ انھوں نے صبح کی دو رکعتیں پڑھی تھیں اور پھر کہا تھا "اور زیادہ کروں" تو ان پر دو آدمیوں نے گواہی دی۔ ان میں ایک تھا حمران اس نے گواہی دی کہ انھوں نے شراب پی اور دوسرے نے گواہی دی کہ اُس نے (شراب کی) قے کرتے دیکھا حضرت عثمان نے فرمایا "قے تو تب ہی کی جب پی"۔ پھر فرمایا "اے علی اُٹھو اور اس کے کوڑے لگاؤ"۔ (فاروقی وعثمانی عہد خلافت میں مجرموں کی سزا کا نفاذ حضرت علیؓ کے سپرد تھا۔ م)
فقال علی قم یا حسن فاجلده فقال الحسن ولِّ حارّها من تولّی	(حضرت) علی نے فرمایا "حسن اُٹھو اور اس کے کوڑے لگاؤ۔ (حضرت) حسنؓ نے فرمایا "اس کی گرمی

قاترها (فکانه وعدّ علیه) فقال یاعبد اللہ بن جعفر قم فاجلدہ فجلدہ وعلی یعد حتی بلغ اربعین فقال امسک الخ

اسی کے سپرد کیجئے جس نے اس کی ٹھنڈک کا مزا لیا ہے گویا آپ کو (ولید) سے ہمدردی تھی)۔ تو انھوں نے فرمایا اے عبداللہ بن جعفر تم کھڑے ہو اور اس کے کوڑے لگاؤ۔ چنانچہ انھوں نے کوڑے لگائے اور (حضرت) علی گنتے رہے۔ جب چالیس تک پہنچے تو (حضرت) علی نے) فرمایا بس رک جاؤ۔ ۔ ۔ ۔

(۱) یہ حدیث مسند احمدؒ میں انہی حضین کے حوالے سے تین جگہ مذکور ہے۔ دو سندوں میں حضین کا کوئی قول نماز کے متعلق مذکور نہیں یعنی راویوں نے سمجھ لیا کہ قول حضین کا ہے جو انھوں نے بعد کی شہرت کی بنا پر کہدیا اصل واقعے سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ البتہ تیسری سند میں حضین کا قول نقل کیا گیا ہے کہ انھوں نے صبح کی چار رکعتیں پڑھائی تھیں صحیح مسلم کی مذکورہ بالا روایت میں دو رکعتوں کا ذکر ہے

یہ تفصیل واضح کرتی ہے کہ نماز کا ذکر حضین نے کیا ہے اور غالباً اس شہرت کی بنا پر جو روایت بیان کرتے وقت تک ہو چکی تھی۔ اس قول کا نفس واقعے سے کچھ تعلق نہیں۔ کیونکہ گواہوں نے جو گواہی دی اس میں نماز کا کوئی ذکر نہیں۔ ایک نے شراب کا پینا بتایا اور دوسرے نے اس کا قے کرنا۔ اور گواہوں کا یہی بیان حضین نے بھی دیا۔ لہذا دو یا چار رکعت پڑھانا اور پھر "اور پڑھاؤں" کہنا لوگوں کی اپنی ایجاد ہے۔ اور سبائی لوگ جیسے لطائف وظرائف وضع کرکے انھیں شہرت دیا کرتے ہیں اسی کا یہ بھی ایک نمونہ ہے

(۲) طبری نے ابو زینب اور ابو مورع کا انگوٹھی چرا کر مدینہ آکر شرب خمر کی گواہی دینے کا ذکر کیا ہے اور حدیث زیر نظر میں گواہوں میں ایک نام حمران ہے اور دوسرے کا نام نہیں دیا گیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ عدالت میں شرب خمر کی گواہی دینے کی ہمت ابو مورع اور ابو زینب کو نہ ہوئی بلکہ انھوں نے ان دو آدمیوں کو تیار کیا جن میں ایک حمران ہے۔

اس حمران کی بابت علامہ محب الدین الخطیبؒ نے بتایا ہے (العواصم ص ۹۰ تعلیقہ)

کہ یہ شخص امیر المؤمنین عثمانؓ کے غلاموں میں تھا اور منجملہ اور شرارتوں کے اس نے یہ حرکت بھی کی تھی کہ ایک مطلقہ عورت سے عدت کے اندر ہی نکاح کرکے اس کے پاس گیا تھا۔ اس پر ناراض ہو کر حضرت عثمانؓ نے اسے اپنی خدمت سے برطرف کرکے شہر بدر کر دیا۔ یوں یہ شخص کوفہ جا پہنچا اور وہاں بھی بے جا حرکتیں جاری رکھیں۔ پھر اس نے یہ حرکت کی کہ ایک عابد و صالح شخص حضرت عامر بن قیسؒ کے متعلق جھوٹی باتیں ارباب حکومت کو پہنچائیں۔ چنانچہ سزا کے بعد اسے کوفے سے بھی نکال دیا گیا اور یہ شام چلا گیا۔ اب دلچسپ بات یہ ہے کہ امیر ولیدؓ کے بارے میں گواہی دینے یہ پھر مدینہ پہنچ گیا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب ان سبائیوں کی ملی بھگت تھی اور جس طرح یہ جعلسازی اور فتنہ انگیزی کی باتیں کرتے چلے آئے ہیں ویسی ہی بات یہ بھی تھی۔

حیرت کا مقام ہے کہ مودودی صاحب نے العواصم میں یہ سب تفصیل پڑھی ہوگی پھر بھی انھوں نے یہ روایت اس مستعدی سے بیان کر دی اور صحیح مسلم کی اس حدیث پر غور کرنے کی بھی تکلیف گوارا نہیں کی۔ حالانکہ ایک عالم کا یہ فریضہ ہے کہ صحابہ کے دور کے واقعات وہ صحاح میں تلاش کرے اور پوری تحقیق کے ساتھ بات کہے اور لکھے اس پر مستزاد یہ ہے کہ انھوں نے اصمعی ابو عبیدہ اور ابن الکلبی کا بیان بطور حجت پیش کر دیا کیا وہ یہ نہیں جانتے کہ ان میں سے نہ کوئی شخص امیر ولیدؓ کا ہم عصر تھا اور نہ علمائے حدیث کے ہاں ان کے بیان کی کوئی قیمت ہے۔ پھر ابن الکلبی (ہشام بن محمد السائب الکلبی متوفی ۲۰۴ھ) تو رافضی راوی نہایت درجہ غالی سبائی کا بیٹا ہے اپنے باپ سے روایت کرتا ہے ابن عساکر کہتے ہیں رافضی لیس بثقۃ (رافضی غیر ثقہ تھا) امام احمد بن حنبلؒ نے کہا ہے یہ قصہ گو تھا اس قابل نہ تھا کوئی اس سے روایت کرے دارقطنی نے متروک کہا ہے (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۲۵۶) اسی طرح ابو عبیدہ و اصمعی ہیں جن دونوں کو ابو زید الانصاری نے کذاب کہا ہے۔ (ایضاً)

رہا ابن عبد البرؒ کا قول کہ نماز پڑھا کے اور پڑھاؤں کہنے کی بات اہل حدیث اور رواۃ اخبار کے ہاں مشہور ہے تو چند امور پر غور کرنے کے بعد اس قول کو سند بنانا درست

ہو سکتا ہے ورنہ نہیں۔

(۱) رواۃ اخبار میں انھوں نے جن تین آدمیوں کا نام لیا ہے ان میں سے جیسا ہم اوپر ظاہر کر چکے ہیں ابن الکلبی سبائی رافضی ہے وہ اگر ہم عصر ہوتا تب بھی اس کی بات نہ سنی جاتی اور باقی دو بھی کذاب ہیں اور اس دور کے ہیں جب امویوں کے خلاف پروپگنڈا انتہا کو پہنچ چکا تھا۔

(۲) رواۃ اخبار میں زیادہ معتبر طبری ہیں۔ لیکن انھوں نے بھی شیعیت کے باوجود نماز پڑھا کر اور پڑھاؤں کی کوئی روایت نقل نہیں کی اور ان کے بیان میں اس کی طرف اشارہ بھی نہیں۔

(۳) ابن عبدالبر نے اگر "مشہور" بطور اصطلاح حدیث کے بیان کیا ہے تو حدیث موجود ہے۔ عدالت کے سامنے دو گواہ پیش ہوتے ہیں۔ ایک کہتا ہے میں نے شراب پیتے دیکھا دوسرا کہتا ہے کہ شراب کی قے کرتے دیکھا۔ اسی بیان پر حد جاری ہوتی ہے۔ کسی گواہ نے نماز پڑھا کر" اور "پڑھاؤں" کا ذکر نہیں کیا۔

(۴) حضین جو اس واقعے کے تنہا راوی ہیں اور انھوں نے نماز پڑھا کر اور پڑھاؤں کا ذکر کیا ہے۔ تو یہ بیان عدالت کے سامنے نہیں دیا بلکہ بعد میں کبھی بیان کیا ہوگا۔ جن لوگوں نے ان سے روایت کی ہے ان میں سے دو نے یہ الفاظ حضین کے بیان نہیں کئے۔ جنھوں نے کئے ان میں سے ایک نے کہا کہ چار رکعتیں پڑھا دیں اور ایک نے بتایا دو رکعتیں پڑھاؤں کہا۔

گویا جس شخص پر مدار ہے خود اسی کے کہنے نہ کہنے میں اختلاف ہو گیا تو حدیث کا یہ ٹکڑا خود بخود ساقط عن الاعتبار ہے۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ حضین نے یہ الفاظ ہی نہیں کہے بعد کے کسی راوی نے ان کی طرف منسوب کر دئے ہیں اور یہ اس زمانے کی بات ہے جب امویوں پر بہتان طرازی ایک طبقے کا شعار ہو گیا تھا۔ لہذا ابن عبدالبر کا بیان کسی درجے میں لائق اعتنا نہیں۔

جب حدیث سب سے اعلیٰ سند کے ساتھ موجود ہے اور ادنیٰ تامل سے اسے

دیکھنے والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ حضین نے یہ بیان عدالت کے سامنے نہیں دیا۔ اور نہ یہ کہا کہ میں اس نماز میں شریک تھا تو پھر ان کے بیان کی قیمت ہی کیا رہتی ہے جبکہ خود ایسی سندیں بھی موجود ہیں جن میں حضیں کا یہ قول نقل نہیں کیا گیا۔

تعجب مودودی صاحب پر ہوتا ہے کہ انھوں نے اسے امر واقعہ بنا کر کہدیا کہ صبح کی نماز چار رکعت پڑھا کر کہا "اور پڑھاؤں"۔ کیا مودودی صاحب کو یہ نہیں معلوم کہ نماز فجر کی تھی جس کے بعد نوافل نہیں ہیں اور یہ امر تمام علماء مذاہب کے ہاں مسلم ہے تو کیا جماعت میں کوئی ایک شخص بھی پڑھا لکھا اور نماز کے مسائل سے واقف نہ تھا جو تیسری رکعت کے لئے اُٹھتے وقت ٹوک دیتا۔ مودودی صاحب کو نماز کا یہ معمولی مسئلہ کیوں یاد نہیں رہا۔ جامع مسجد کوفہ کے سیکڑوں نمازیوں میں سے کسی کو گواہ نہ بنانا کیا دلیل جھوٹے اتہام کی نہیں

امیر ولید جیسے عظیم المرتبت مجاہد امیر اور صحابی کی توہین و تذلیل کا ایسا ہی شوق تھا تو کم از کم اپنی فقہ کی تو لاج رکھ لیتے جس کی بڑی شہرت ہے اور صحیح مسلم کو سامنے رکھ کر کہتے کہ دو رکعت پڑھا کر کہا اور پڑھاؤں۔ مگر یہ کرامت ہے اسلام کے اس بطل جلیل اموی امیر کی رضی اللہ عنہ کہ مودودی صاحب کے قلم سے وہ بات نکلی جسے فقہ کا معمولی طالب علم بھی ہنسے بغیر نہ رہے۔

ہم تو اہل علم اور تقویٰ شعار مسلمانوں کو صحیح مسلم کی اس حدیث کی موجودگی میں ان راویوں کی بجائے ان دو بزرگواروں کے ارشاد کی طرف متوجہ کرتے جو موقعہ پر موجود تھے یعنی حضرت حسنؓ جو اس سب کارروائی کو مصنوعی سمجھتے تھے اور جن کے نزدیک ان گواہوں کی کوئی قیمت نہ تھی اسی لئے انھوں نے کوڑے لگانے سے انکار کر دیا۔ پھر ہیں خود امیر المومنین عثمانؓ جنھوں نے بقول طبری فرمایا "ہم تو حد جاری کر دیں گے رہے جھوٹی گواہی دینے والے تو وہ جہنم میں جائیں گے"۔ اور یہ بات آپ نے اس لئے فرمائی کہ حمران جیسا گواہ تھا جس کی گواہی کسی مسلم عدالت میں قبول نہیں کی جا سکتی۔ لیکن امیر المومنین نے حد محض اس لئے جاری کر دی کہ ان کے ماں جائے بھائی کا معاملہ تھا۔

یہ بات صحیح بخاری سے بھی معلوم ہوتی ہے (ج ۴، ص ۴۴۲ باب ہجرۃ الحبشہ)

بعض صحابہ نے حضرت عبیداللہ بن عدی کو آپ کی خدمت میں بھیجا کہ آپ ولیدؓ پر حد کیوں نہیں جاری کرتے۔ تو حضرت عثمانؓ نے ان کی پوری بات سن کر فرمایا کہ یہ کس قسم کی باتیں ہیں جو میں سن رہا ہوں کیا میرا اُن لوگوں پر وہ حق نہیں ہے جو ان حضرات کا تھا۔ (یعنی حضرت صدیقؓ و حضرت فاروقؓ کا) رہی ولید کی بات تو ہم انشاء اللہ ان پر حد جاری کریں گے ۔ آپ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا اور ان کے چالیس دُرّے لگائے گئے۔ اس روایت میں کہیں نماز کا ذکر نہیں ہے۔

حضرت عثمانؓ کا حد جاری کرنے میں دیر لگانے کا سوائے اس کے اور کوئی سبب نہ تھا کہ حضرت حسنؓ کی طرح آپ اسے سب بنایا ہوا قضیہ سمجھتے تھے اور آپ کو ان گواہوں کی گواہی پر اطمینان نہیں تھا۔ اس لئے محض مصلحت کے تحت اور لوگوں کی بد گمانی سے بچنے کے لئے آپ نے یہ سزا دی اور امیر ولیدؓ کو مطمئن کر دیا کہ سزا دینے کی اصلی وجہ کیا ہے اور یہ کہ جھوٹی گواہی دینے کے سبب ان گواہوں نے جہنم میں ٹھکانا بنایا ہے۔

امیر ولید بن عقبہؓ کے متعلق مؤلف کتاب نسب قریش ابی عبداللہ المصعب بن ثابت بن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم المتوفی ۲۳۶ھ فرماتے ہیں :- (ص ۱۳۸)

كان من رجال قريش و شعرائهم وكان له سخاء استعمله عثمان بن عفان على الكوفة فرفعوا عليه انه شرب الخمر فعزله عثمان وجلده الحد وقال الحطيئة يعذره -

یہ قریش کے اکابر اور ان کے شعراء میں تھے۔ اور ان میں سخاوت تھی۔ انھیں (امیر المومنین) عثمانؓ نے کوفے کا والی بنایا تھا۔ آپ کو ان کے متعلق اطلاع دی گئی کہ شراب پی ہے تو حضرت عثمانؓ نے انھیں معزول کر دیا اور حد جاری کی۔ ان کی صفائی میں حطیئہ نے یہ شعر کہے ہیں :-

شهد الحطيئة حين يلقى ربه
ان الوليد احق بالعذر
خلعوا عنانك اذ جريت ولو
خلّوا عنانك لم تزل تجري

حطیئہ جب اپنے پروردگار کے سامنے حاضر ہوگا تو گواہی دے گا کہ امیر ولید عذر پیش کرنے میں زیادہ حق بجانب ہیں انھوں نے تمہاری اس عظمت و شرافت کا پاس نہ کیا جس کا سکہ تم نے بٹھا دیا تھا۔ اگر وہ لوگ تمہیں اس عزّو شرف میں چھوڑے رہتے تو اس کے آثار

فزادوا فیھا من غیر قول الحطیة۔

برابر جاری رہتے (طویل المنان: صاحب شرف وسوئے دوم)

پھر لوگوں نے اس میں یہ شعر بھی بڑھا دیئے جو حطیہ کے نہیں ہیں:-

نادیٰ وقد تمت صلاتھم
ا ازیدکم ثملاً ومایدری
لیزیدھم خمساً ولو فعلوا
مرّت صلاتھم علی العشر

نماز ختم ہو چکی تھی مگر وہ نشے میں دھت ہونے کی وجہ سے پکار اُٹھے اور پڑھاؤں؟ تاکہ اضافہ کرکے پانچ رکعتیں کردیں اور اگر لوگ ایسا کرنے دیتے تو نوبت دس تک پہنچتی۔

اب دیکھیے جس میں ذرا سی بھی عقل ہوگی وہ سوچے گا کہ جو شخص پہلے دو شعر کہتا ہے ایسی مدح میں جو آدمی کو بے نظیر بنائے وہ بعد کے دو شعر مذمت میں کیسے کہتا۔ لیکن اموی سادات کی عداوت نے ان کی عظمت و شرف پر حرف رکھنے والوں کی عقل اتنی سلب کرلی کہ سلیقے کے ساتھ شعروں میں اضافہ نہ کرسکے۔

قریب العہد اور معتبر ترین نساب کا بیان سامنے رکھ کر ابن عبدالبر صاحب الاستیعاب کی حرکت ملاحظہ ہو (المتوفی سنہ ۴۶۳ھ) کہ ان اشعار کو کیا سے کیا کردیا یعنی عذر کو غدر بنا دیا۔

شھد الحطیة یوم یلقی ربه
ان الولید احق بالعذر
نادیٰ وقد تمت صلاتھم
أ ازیدکم سکراً ومایدری
فابوا ابا وھب ولو اذنوا
لقرنت بین الشفع والوتر
کفوا عنانك اذ جریت ولو
ترکوا عنانك لم تزل تجری

حطیہ جس دن اپنے رب کے حضور ہوگا تو گواہی دیگا کہ غدر کرنے کا ولید زیادہ حقدار تھا۔

نماز ختم ہو چکی تھی کہ نشے کی بے خبری میں وہ پکار اٹھا کہ اور پڑھاؤں۔

لیکن ابو وھب کو لوگوں نے ایسا نہ کرنے دیا۔ اگر اجازت دیدیتے تو جفت اور طاق رکعتیں سب ساتھ مل جاتیں

انھوں نے تمہاری لگام تھام لی جب تم نے اُسے ڈھیلا چھوڑ دیا تھا اور اگر وہ اسے اسی طرح رہنے دیتے تو برابر سلسلہ جاری رہتا (الفاظ عملاً وہی ہیں لیکن پہلے

شعروں کی وجہ سے معنی طنزیہ ہو گئے)

برخلاف اس کے طبری نے بھی یہ دو اشعار اسی طرح نقل کئے ہیں جس طرح زبیریؒ نے (طبری ج ۳ ص ۳۳۰) اور ساتھ میں یہ دو شعر بھی جو مدحیہ ہیں۔

ورأوا شمائل ماجد متبرّع یعطی علی المیسور والعسر فنزعت مکذوبا علیک ولم تردد الی عور ولا فقر	لوگوں نے اس ذی مرتبت صاحب فضیلت شخص کی نیک خوئی دیکھی جو مالدار اور مفلس سب پر بخشش کرتا ہے۔ تمہیں اس حالت میں معزول کیا گیا کہ تم پر جھوٹ بولا گیا تھا مگر نہ یہ تمہاری شرمندی کا سبب بنا اور نہ تمہارے فقر کا (یعنی اس اہتمام کے باوجود تمہاری عظمت و شرف کا وہی عالم ہے۔

معلوم ہوا کہ افتراء پردازوں نے حطیہ کی طرف وہ اشعار منسوب کر دئے جو ان کے نہیں ہیں اور یہ کہ ہم عصر لوگ اور بعد کے اہل علم حضرات حضرت ولیدؓ کو شرب خمر کی معصیت سے بری سمجھتے تھے، چہ جائکہ نماز میں" اور پڑھاؤں" کہنے کی بات۔ پھر کوئی انھیں بری سمجھے یا نہ سمجھے ہمارے لئے یہ کافی ہے کہ حضرت امیر المومنین عثمانؓ اور حضرت حسنؓ نے یہ سب قصہ گھڑا ہوا سمجھا۔ اس کے بعد مزید دلیل کی ضرورت ہی کیا ہے۔

ایک دوسرا افتراء معلوم ہوتا ہے کہ ابن عبدالبر کو امیر ولید بن عقبہؓ سے کچھ خاص عداوت تھی۔ پہلے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی پھوپی ام حکیم بنت عبد المطلب کے ان اموی نواسے کو جو حضرت عثمانؓ کے مادری بھائی بھی تھے قد قیل کہہ کر جناب امیہ بن عبد شمس کی نسل سے نہیں بلکہ ان کے غلام کی نسل سے بتانے کی مذموم حرکت کی ہے حالانکہ ان کا نسب شریف مستند کتب انساب میں اظہر من الشمس ہے پھر اپنی تالیف الاستیعاب میں کہتے ہیں:-

ولاخلاف بین اھل العلم بتاویل القرآن فیما علمت ان قوله عز وجل إن جاءکم فاسق	جو اہل علم تفسیر قرآن کے ماہر ہیں ان کے مابین اس بارے میں کچھ اختلاف نہیں کہ اللہ تعالےٰ کا جو یہ ارشاد ہے ان جاءکم فاسق بنباءٍ الخ (جب کوئی

.......نزلت فی الولید بن عقبہ وذلک انہ بعثہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی بنی المصطلق (الخ)

فاسق شخص تمہارے پاس کوئی خبر لائے.......)
یہ ولید بن عقبہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ وجہ یہ ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بنی المصطلق کی طرف بھیجا تھا۔ (الخ)

ابن عبدالبر نے اس افسانے کو علماء کے مابین متفق علیہ تو بتا دیا۔ مگر انھوں نے چند باتوں پر غور نہ کیا جو علامہ خطیب نے العواصم میں بیان کی ہیں (ص ۹۱)

(۱) یہ روایت موقوف ہے مجاہد پر یا قتادہ پر یا ابن ابی لیلیٰ پر یا یزید بن رومان پر۔ اور ان سے سو برس نیچے کے عرصے میں ان روایتوں کے جتنے راوی ہیں وہ علماء جرح و تعدیل کے نزدیک مجہول ہیں۔ ان کے احوال تو کیا معلوم ہوتے ان کے نام بھی معلوم نہیں۔ ایسی منقطع روایتوں کو حجت بنانا جائز کب ہے؟

(۲) دو روایتیں البتہ موصول کرنے کی کوشش کی گئی ہے جس کے مطابق ام المومنین ام سلمہؓ کے ایک غلام ثابت سے موسیٰ بن عبیدہ کا روایت کرنا بیان ہوا ہے۔ یہ موسیٰ بن عبیدہ وہ صاحب ہیں جنھیں امام نسائی، ابن المدینیؒ، ابن عدی اور دوسرے بزرگواروں نے ضعیف کہا ہے۔ پھر علامہ خطیبؒ فرماتے ہیں " مجھے تہذیب التہذیب تقریب التہذیب اور خلاصہ تذہیب الکمال میں ام المؤمنینؓ کے کسی غلام کا نام ثابت نہیں ملا حتی کہ میزان الاعتدال اور لسان المیزان میں بھی نہیں۔ پھر میں نے مسند امام احمدؒ میں ام المومنین ام سلمہؓ کے مجموعہ احادیث میں ان کے ایک غلام ثابت نام کی تلاش کی لیکن ایسی کوئی حدیث نہیں ملی جو ان کے کسی غلام ثابت کے نام سے مروی ہو۔

(۳) ایک دوسری موصول روایت طبری نے اپنی تفسیر میں بیان کی ہے ابن سعد کے حوالے سے جو اپنے والد کا حوالہ دیتے ہیں اور وہ اپنے چچا کا اور وہ اپنے والد کا اور انھوں نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے بیان کیا ہے۔ حالانکہ ابن سعد سے طبری کی ملاقات کا کوئی امکان نہ تھا۔ اس لئے کہ ابن سعد کی وفات بغداد میں ۲۳۰ھ میں ہوئی اور اس وقت طبری طبرستان میں چھ برس کے بچے تھے۔ علاوہ ازیں ابن سعد اگرچہ

ذاتی طور پر ثقہ ہیں لیکن ان کے اوپر کا جو سلسلہ بیان کیا گیا ہے وہ بھی مجہول لوگوں پر مشتمل ہے جن کے احوال علماء جرح و تعدیل کے ہاں نامعلوم ہیں بلکہ یہ نام بھی نہیں ملتے۔
لہذا طبری کی یہ روایت بے اصل اور بے پایہ ہے جس کی کوئی حیثیت نہیں۔

(۴) پھر ایک بات یہ بھی قابل غور ہے کہ جو روایتیں موصولاً بیان ہوئی ہیں ان میں سیدہ ام سلمہؓ کے مردی الفاظ میں نام کسی کا نہیں بلکہ یہ ہے کہ "ایک شخص کو بھیجا" اب سوچنا چاہیئے کہ "ایک شخص" کو ابن عبدالبر نے حضرت ولیدؓ بنا کر علماء پر کیسا اتہام رکھا ہے"

(۵) مسند احمد میں امام احمدؒ نے اپنے شیخ فیاض بن احمد رقی سے انھوں نے جعفر بن برقان رقی (صدوق) سے انھوں نے ثابت بن الحجاج الکلابی الرقی (ثقہ) سے انھوں نے عبداللہ بن مالک بن الحارث (مقبول) سے اور انھوں نے امیر ولیدؓ بن عقبہ سے روایت کی کہ فتح مکہ کے وقت وہ بھی دوسرے لڑکوں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے سب کے سر پر ہاتھ پھیرا سوائے ان کے اس لئے ان کے سر میں خوشبو لگی ہوئی تھی اور آپ نے سب کے لئے دعائیں کیں۔

(مسند احمد، ج ۴، ص ۳۲ طبع اوّل)

اب دیکھنا چاہیئے کہ جو شخص فتح مکہ کے وقت لڑکا ہو کیا وہ کسی مہم پر بھیجا جاتا؟
راویوں کی حیثیت ہم نے تقریب التہذیب سے دی ہے۔

ایک بات اور دیکھنے کی ہے کہ اگر یہ روایتیں جن کا ابن عبدالبر نے سہارا لیا ہے بالفرض صحیح مان لی جائیں اور ہم باور کرلیں کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت ولیدؓ کو فاسق کہا ہے تو کیا حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ انھیں اہم ترین خدمات پر مامور کرتے؟

حضرت عبداللہؓ بن عامر اموی

یہ صحابی بن صحابی ہیں۔ جب پیدا ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے گئے آپ نے گود میں لیا برکت کی دعائیں کیں۔ لعاب دہن مبارک ان کے منہ کو لگایا جسے انھوں نے چوسنا شروع کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بنو عبدشمس! یہ بچہ تم

سے زیادہ ہم پر پڑا ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ لوگوں کی پیاس بجھانے والا ہوگا" (کتاب نسب قریش) یہ اس لئے فرمایا کہ ان کی دادی یعنی ان کے والد حضرت عامر کی والدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی پھوپھی سیدہ بیضا، ام حکیم بنت عبدالمطلب تھیں جو بروایت کتاب نسب قریش آپ کے والد جناب عبداللہ کے توام پیدا ہوئی تھیں (ص ۱۷) آپ کی دعا کی برکت تھی کہ حضرت عبداللہؓ جہاں کہیں پانی کے لئے زمین کھودتے پانی یقیناً نکلتا۔ آپ پہلے شخص ہیں جنھوں نے عرفات کے میدان میں حاجیوں کے لئے حوض بنوائے اور ان میں چشموں کا پانی بھرا۔ اور اہل مدینہ کو اموال کثیرہ جزیلہ تقسیم کئے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں "ان له من الحسنات والمحبة فی قلوب الناس ما لا ینکر (ان کی نیکیاں اور لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت کی جو کیفیت تھی اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا (منہاج السنہ! ج ۳، ص ۱۸۹-۱۹۰) ان کی فتوحات کا عالم یہ تھا کہ تمام خراسان، فارس کے علاقے، سجستان کرمان وغیرہ سب فتح کئے اور غزنہ تک پہنچ گئے۔ ان ہی کے عہد حکومت میں ایرانیوں کا آخری بادشاہ مارا گیا تھا۔ وقتل یزد جرد فی ولایته واحرم من نیسا پور شکراً للہ (اور ان ہی کے ہاتھوں یزدجرد بادشاہ ایران مارا گیا اس دشمن اسلام و رسول کے مارے جانے پر تشکر باریتعالیٰ کے غرض سے نیشاپور سے حج کا احرام باندھا تھا)

کفار سے جہادوں اور عظیم الشان فتوحات کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عامرؓ کا ایک اور بھی بہت بڑا تعمیری کارنامہ ہے کہ حضرت معاویہؓ اور حضرت حسنؓ کے مابین صلح کے شرائط آپ ہی نے طے کرائے امت کو ایک جھنڈے کے نیچے لانے میں مدد دی تھی۔

مودودی صاحب کے نزدیک یہ حضرات محض فاتح اور مدبر تھے لیکن تعلیم دین اور تربیت امت کے اعتبار سے یہ اگلی صفوں کے نہیں بلکہ پچھلی صفوں کے لائق تھے اور تابعین سے بھی ان کا درجہ گرا ہوا تھا (جون ص ۲۵۲) مگر ہم دیکھتے یہ ہیں کہ ہم عصر امت نے انھیں اگلی صفوں میں ہی رکھا اور ان کی قیادت میں دین اسلام کی جڑیں تمام بلادِ عجم میں مضبوط کر دیں۔ مودودی صاحب کیا اس کی کوئی توجیہ کر سکتے ہیں کہ بلادِ عجم میں ہزاروں

علماء و فقہاء و عباد و زہاد اور محدث جو پیدا ہوئے وہ خود بخود وجود میں آ گئے کیا ان کے لئے اسلام کے ان عظیم المرتبت قائدوں نے کوئی ماحول پیدا نہیں کیا تھا۔

اگر صحابہ اور ان کی صحبت یافتہ صحابی اولاد بھی اگلی صفوں کی بجائے پچھلی صفوں کے لائق ہوتی تو کیا تین چوتھائی متمدن دنیا کو اسلام کے زیرنگیں کرکے اسے نور محمدی سے اس طرح بھر سکتی تھی جس طرح بھر دیا۔ العواصم من القواصم میں حضرت ابن عامرؓ کے تذکرے میں علامہ محب الدین خطیب نے حاشیہ پر یہ لکھا ہے کہ

ومثل هولاء الرجال لو كانوا من سلف الانكليز والفرنسيين لخلدوا عظمتهم في كتب الدراسة والثقافة والتهذيب (حاشیہ ص ۸۵)

اگر ان حضرات (ابن عامرؓ وغیرہ) کی طرح کے لوگ انگریزوں اور فرانسیسیوں کے اسلاف میں ہوتے وہ ان کی عظمت کے احوال اپنی درس تدریس اور ثقافت و تہذیب کی کتابوں میں ہمیشہ کے لئے محفوظ کرا لیتے۔

سبائی راویوں کو حضرت عبداللہ بن عامرؓ کا قصاص عثمانؓ کی طلب میں ام المومنین سیدہ عائشہؓ کے ساتھ ہونا کیسے برداشت ہو سکتا تھا اس پر مستزاد یہ کہ مجوسی شہنشاہیت کا جنازہ آپ ہی نے نکالا تھا وہ ان کے ہدف ملامت تو ہوئے مگر افسوس اموی دشمنی میں بھائیوں کے اکاذیب کو لوگوں نے باور کر لیا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ بقول علامہ محب الدین خطیب عظمت اسلاف کے سلسلہ میں ہماری قوم کا اب یہ حال ہو گیا ہے کہ :-

فقد سلط الشيطان عليها قلوبا فاسدة تفيض بالسوء وصدقت اكاذيبها الاكثرون منا فامسينا كالامة التي لا تجد لها بينما هي نائمة على تراث من المجد لا تحلم الانسانية بمثله (العواصم من القواصم حاشیہ ص ۸۵)

شیطان نے اس پر قلوب فاسدہ کو مسلط کر دیا ہے جو ہر وقت برائی کی اشاعت کرتی رہتی ہیں اور ہم میں سے اکثروں نے اس کے جھوٹ ذیب کو سچ سمجھ رکھا ہے پس گویا ہم ایسی امت ہیں جو بزرگی سے محروم ہو۔ جب بزرگی تقسیم ہو رہی تھی تو یہ امت محو خواب تھی اور ایسی نیند سو رہی تھی کہ انسانیت اس قسم کی نیند کبھی نہ سوئی۔

حضرت عبداللہ بن سعدؓ

حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح عامریؓ بھی منجملہ ان بزرگواروں کے ہیں جن کے متعلق قصّے مشہور کردئے گئے ہیں۔ حالانکہ بات صرف اتنی ہے کہ جس طرح بعض پُرجوش قرشی جوان اسلام کے مخالف تھے ایسے ہی احوال ان کے بھی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے چچازاد بھائی حضرت ابوسفیان بن الحارث ہاشمیؓ عہد جاہلیت میں اسلام کے سخت مخالف تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی شان میں طنزیہ اشعار کہا کرتے تھے اور فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے یہی کیفیت حضرت عبداللہ کی بھی تھی۔ قریش کے لوگ بعد میں اسلام کے جس طرح فدائی بنے ایسے ہی اُنھوں نے بھی دین کی وہ خدمات انجام دی ہیں کہ بشارات نبویہ کے مورد بنے اور ان کے لئے جنت واجب ہوگئی۔

پہلے بحری جہاد کا جو منظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھایا گیا تھا اور آپ نے اس پر فخر وانبساط کا اظہار کرکے ان سب حضرات کے مقبول بارگاہِ خداوندی اور قطعی جنتی ہونیکی بشارت دی تھی (صحیح بخاری ج ۴، ص ۵ ۹ طبع مصر) وہ جہاد امیر المومنین عثمانؓ کے زمانے میں حضرت معاویہؓ کے زیر اہتمام کیا گیا تھا۔ امیر مصر حضرت عبداللہؓ بن سعد نے اس مہم میں پوری امداد دی اور خود ایک فوجی دستے کے ساتھ اس میں شریک ہوئے۔

مودودی صاحب نے حضرت عمروؓ بن العاص کی برطرفی اور حضرت عبداللہؓ بن سعد کا ان کی جگہ تقرر اس طرح بیان کیا ہے کہ جیسے یہ بے وجہ ہوگیا ہو اور ایک بے حیثیت شخص اس منصب پر فائز کردیا گیا ہو۔ مقصد تحقیق ہوتا تو اوّل صحیح صورت حال سمجھنے کی کوشش کرکے بات کرتے۔

ہوا یہ کہ امیر المومنین عمر فاروقؓ کے زمانے میں حضرت عمروؓ بن العاص نے جب مصر فتح کرلیا تو آپ ہی وہاں کے گورنر مقرر ہوئے۔ حضرت عبداللہؓ بن سعد ان کے تحت ایک افسر تھے۔ پھر حضرت فاروق اعظمؓ نے حضرت عبداللہ کو بالائی مصر کا سالار اعلیٰ مقرر کردیا۔ انھوں نے موجودہ سوڈان کا پورا علاقہ فتح کرکے دارالاسلام میں شامل کردیا۔ حضرت عمروؓ اور حضرت عبداللہؓ کے مابین اسی زمانے میں کچھ اختلاف پیدا ہوگیا

تھا۔ اور ایسا اختلاف انتظامی اور عسکری امراء میں اکثر ہو جایا کرتا ہے ترقی یافتہ ممالک کی تاریخوں میں ایسی بہت سی مثالیں ملینگی۔

جب امیر المومنین عثمانؓ سریر آرائے خلافت ہوئے تو آپ نے حضرت عبداللہؓ کو مصر کے بیت المال کا افسر اعلیٰ بنا دیا حضرت عمروؓ اس تقرر سے ناراض ہوئے اور بارگاہِ خلافت میں شکایت کرنے پہنچ گئے۔ یہ خلاف قاعدہ بات امیر المومنین کو ناپسند ہوئی کہ بغیر اجازت مصر چھوڑ دیا۔ اس بناء پر حضرت عمروؓ معزول کر دئے گئے اور مصر کی ولایت حضرت عبداللہؓ کے سپرد کر دی گئی جن کے انتظامی عسکری اور اقتصادی کمالات کا سکہ بیٹھ چکا تھا، اور جو اپنی اہلیت و صلاحیت پوری طرح ثابت کر چکے تھے۔

حضرت عبداللہؓ کو اچانک اس منصب جلیل پر فائز نہیں کیا گیا بلکہ وہ عہد فاروقی ہی سے خلافت اسلامیہ کے معتمد ترین کارکنوں میں تھے۔ انھوں نے والی مصر ہونے کے بعد وہ کار ہائے نمایاں انجام دئے کہ باید و شاید بازنطینی حکومت کو خشکی اور تری میں پے بہ پے شکستیں دیں اور بڑے وسیع علاقے فتح کئے۔ پھر ان کے زمانے میں مصر کا مالیہ پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گیا۔

لیکن انہی کے زمانے میں سبائیوں نے اپنا ایک مرکز فسطاط میں قائم کر لیا تھا۔ یہ لوگ خلافت اسلامیہ کو درہم برہم کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ حضرت عبداللہؓ نے ان پر اپنی نگرانی سخت کر دی تھی۔ اور ان کی گوشمالی کرتے رہتے تھے اس لئے ان لوگوں کو ان سے بھی ایسی ہی عداوت ہے جیسے کوفہ و بصرہ کے والیوں سے تھی ان کے خلاف بھی برابر پروپیگنڈا ہوتا چلا آرہا ہے۔

اس پروپیگنڈے کی ایک بڑی دلچسپ مثال ہے۔ سیرۃ ابن ہشام میں فتح مکہ کے احوال کے تحت بیان کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چند آدمیوں کے متعلق حکم دیدیا تھا کہ جہاں ملیں قتل کر دئے جائیں۔

> کہا گیا ہے کہ انہی میں ایک شخص عبداللہ بن سعد عامری تھا۔ اس کے قتل کرنے کا حکم حضور نے اس سبب سے دیا تھا کہ یہ پہلے مسلمان ہوا تھا۔

اور وحی کو حضور کے پاس لکھا کرتا تھا پھر یہ مرتد ہوکر قریش سے آملا اور اب اس جنگ میں حضرت عثمانؓ کے پاس جا چھپا کیونکہ ان کا دودھ شریک بھائی تھا۔ یہاں تک کہ جب مکہ میں اطمینان ہوگیا تو حضرت عثمانؓ اس کو لے کر حضور کی خدمت میں امن دلوانے کے واسطے آئے۔ حضور بہت دیر تک خاموش رہے۔ جب عثمانؓ نے اصرار کیا تو حضور نے فرمایا "ہاں"۔ اور جب عثمان اس کو لے کر چلے گئے تو حضور نے صحابہ سے فرمایا کہ میں اتنی دیر تک خاموش رہا تم میں سے کسی نے کھڑے ہوکر اسے قتل نہ کر دیا۔ انصار میں سے ایک شخص نے عرض کیا حضور آنکھ سے مجھ کو اشارہ فرما دیتے۔ فرمایا "نبی ایسی رکیک حرکت نہیں کیا کرتے"۔ بعد میں عبداللہ بن سعد دوبارہ مسلمان ہوگیا تھا اور حضرت عمرؓ نے اس کو کسی جگہ کا حاکم بھی بنا دیا تھا۔ حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ نے بھی اس کو حاکم بنا دیا تھا۔

(یہ بیان ہم نے سیرۃ ابن ہشام کے اس ترجمے سے دیا ہے جو شیخ محمد اسمٰعیل صاحب پانی پتی نے کیا ہے (ص ۴۹۷ - ۴۹۸) اس میں قابل غور یہ ہے کہ سوا ئے حضرت عبداللہؓ کے اور کسی کا نام نہیں دیا گیا۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ سیرۃ دراصل ایرانی نژاد محمد بن اسحٰق کی ہے۔ اسی کی تلخیص ابن ہشامؒ نے کی لیکن افسوس کہ پھر بھی بعض فضول روایتیں باقی رہ گئیں منجملہ از آنہا یہ روایت بھی ہے۔

سنن نسائی میں بھی یہ واقعہ بیان ہوا ہے (کتاب المحاربہ ج ۲ ص ۱۶۹ طبع مجتبائی دہلی)

اخبرنا القاسم بن ذکریا بن دینار قال حدثنی احمد بن مفضل قال حدثنا اسباط قال زعم السدی عن مصعب بن سعد عن ابیہ قال لما کان یوم فتح مکۃ آمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	ہمیں قاسم بن ذکریا بن دینار نے خبر دی وہ کہتے ہیں مجھ سے احمد بن مفضل نے بیان کیا وہ کہتے ہیں ہم سے اسباط نے کہا وہ کہتے ہیں سُدّی کو مصعب بن سعد کے حوالے سے بیان کرنے کا دعویٰ تھا کہ انہوں نے اپنے والد کے حوالے سے بیان کیا (یعنی حضرت سعد بن ابی وقاص سے) کہ فتح مکہ کے دن رسول خدا صلی اللہ علیہ

الناس الا اربعة نفر وامرأتين وقال اقتلوهم وان وجدتموهم متعلقين باستار الكعبة عكرمة بن ابی جہل وعبد الله ابن خطل ومقيس بن صبابه وعبد الله بن سعد بن ابی السرح فاما عبد الله بن خطل فادرك وهو متعلق باستار الكعبة فاستبق اليه سعيد بن حريث وعمار بن ياسر فسبق سعيد عمارا وكان اشب الرجلين فقتله واما مقيس بن صبابة فادركه الناس فی السوق فقتلوه واما عكرمة فركب البحر فاصابتهم فقال اصحاب السفينة اخلصوا فان الهتكم لا تغنی عنكم شيئا ههنا فقال عكرمة والله لئن لم ينجنی من البحر الا الاخلاص لا ينجينی فی البر غيره اللهم ان لك علی عهدا ان انت عافيتنی مما انا فيه ان آتی محمدا صلی الله عليه وسلم حتی اضع يدی فی يده فلاجدنه عفوا كريما فجاء فاسلم. واما

وسلم نے سب لوگوں کو امن دیدیا سوائے چار مردوں اور دو عورتوں سے اور فرمایا یہ جہاں ملیں انھیں قتل کر دو اگرچہ کعبہ کے پردوں کی پناہ میں ملیں عکرمہ بن ابی جہل، عبد اللہ بن خطل، مقیس بن صبابہ اور عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح۔ عبد اللہ بن خطل تو کعبہ کا پردہ پکڑے ہوئے پایا گیا۔ اسے قتل کرنے کیلئے سعید بن حریث اور عمار بن یاسر دوڑے اور سعید عمار پر بازی لے گئے کیونکہ دونوں میں وہی زیادہ جوان تھے اور اسے قتل کر دیا۔ مقیس بن صبابہ کا یہ ہوا کہ لوگوں نے اسے بازار میں دیکھا اور قتل کر دیا۔ رہے عکرمہ تو وہ سمندر کی راہ بھاگ گئے وہاں طوفان آیا تو کشتی والوں نے کہا "خالص اللہ سے لو لگاؤ" کیونکہ تمھارے دوسرے معبود آج کچھ کام نہ آئیں گے۔ عکرمہ نے اس پر کہا اگر سمندر میں اخلاص کے بغیر نجات نہیں مل سکتی تو خشکی پر بھی اس کے علاوہ اور کوئی چیز نجات دینے والی نہیں۔ خدایا میں تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ اگر موجودہ مصیبت سے تو مجھے نجات دیدے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر میں اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دیدوں گا اور یقیناً انھیں معاف کرنیوالا اور احسان کرنے والا پاؤں گا۔ چنانچہ آئے اور مسلمان ہو گئے رہے عبد اللہ بن ابی سرح تو وہ حضرت عثمانؓ کے پاس چھپ گئے اور جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بیعت کے لئے بلوایا تو حضرت عثمان نے انھیں لاکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا کر دیا اور عرض کیا یا رسول اللہ عبد اللہ کی بیعت قبول کیجئے

عبداللہ بن ابی سرح فانہ اختبی عند عثمان بن عفان فلما دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الناس الی البیعۃ جاء بہ حتی اوقفہ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یا رسول اللہ بایع عبد اللہ قال فرفع رأسہ فنظر الیہ ثلاثا کل ذلک یابی فبایعہ بعد ثلاث ثم اقبل علی اصحابہ فقال اما کان فیکم رجل رشید یقوم الی ھذا حیث رانی کففت یدی عن بیعتہ فیقتلہ فقالوا وما یدرینا یا رسول اللہ ما فی نفسک ھلا اومات الینا بعینک قال انہ لا ینبغی لنبی ان یکون لہ خائنۃ اعین۔

آپ نے اپنا سر اٹھا کر ان کی طرف تین دفعہ دیکھا گویا انکار کرتے رہے اور تیسری دفعہ کے بعد ان سے بیعت لی۔ پھر اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا تم میں سے کوئی بھلا آدمی ایسا نہ تھا کہ جب مجھے اس کی بیعت لینے سے ہاتھ روکتے ہوئے دیکھا تھا تو اٹھ کر اسے قتل کر دیتا۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں کیا خبر تھی کہ آپ کے جی میں کیا ہے آپ نے آنکھ سے اشارہ کیوں نہ کر دیا۔ تو آپ نے فرمایا نبی کے لئے جائز نہیں کہ اس کی آنکھ خیانت کرنے والی ہو۔

یہ ہے وہ شہرت یافتہ عام روایت جس پر تکیہ کرکے ایرانی نژاد محمد ابن اسحاق نے چاروں آدمیوں سے صرف حضرت عبداللہؓ کا نام لینا ضروری سمجھا اور اپنی طرف سے یہ اضافہ کر دیا کہ وہ اوّل اسلام لائے اور کتابت وحی پر فائز ہوئے پھر مرتد ہو کر قریش سے آملے۔ اور لوگوں نے پھر اس بات کی خوب شہرت دی۔

یہ عبداللہ بن سعد نسباً اموی نہ تھے قریش کے قبیلہ بنو عامر بن لوی سے تھے سلسلہ نسب ہے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح بن الحارث بن حُبیب بن جذیمہ بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی۔ حضرت عثمان ذی النورینؓ کے دودھ شریک بھائی البتہ تھے۔

مصعب زبیری مؤلف نسب قریش متوفی ۲۳۶ھ حضرت عبداللہؓ بن سعد بن ابی سرح کے بارے میں لکھتے ہیں :-

کان اخا عثمان بن عفان من الرضاعة واستامن له عثمان یوم فتح مکة من رسول الله صلی الله علیه وسلم فامنه (ص ۴۳۳)	وہ عثمانؓ بن عفان کے دودھ شریک بھائی تھے فتح مکہ کے دن (حضرت) عثمانؓ نے ان کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے امان کی درخواست کی آپ نے ان کو امان دے دی۔

ان حضرت عبداللہؓ بن سعد کے بھائی اویس الاکبر کے پوتے عبداللہ بن عمرو بن اویس الاکبر تھے جو دمشق سے امیرالمومنین معاویہؓ کے انتقال کی خبر امیر مدینہ ولید بن عتبہ کے پاس لائے تھے اور انھوں نے ہی ابن زبیرؓ اور حسین بن علیؓ سے نئے خلیفہ کی بعیت لینے کے لئے امیر مدینہ کو کہا تھا۔ (ایضاً)

رہی خود یہ روایت تو نہ اس کی اندرونی شہادت اسے قابلِ قبول ثابت کرتی ہے اور نہ بیرونی۔

اندرونی نقص (۱) مجرم جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضر ہو تو حسب فرمان خداوندی اور شعار صحابہ اس کا امکان نہ تھا کہ صریح اجازت لئے بغیر کوئی شخص کھڑے ہو کر کسی کو قتل کر سکتا۔ لہذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ کبھی نہیں فرما سکتے تھے کہ بیعت لینے سے مجھے ہاتھ روکتے دیکھا تو اٹھ کر قتل کیوں نہ کر دیا۔ صریح حکم ہے لاتقدموا بین یدی الله ورسوله اللہ اور اس کے رسول کے ہوتے ہوئے پیش قدمی مت کرو۔

(۲) عبداللہ بن خطل کے قتل کا واقعہ صحیح بخاری میں موجود ہے (کتاب المغازی ج ۳، ص ۶۲ طبع مصر)

عن انس بن مالك رضی الله عنه ان النبی صلی الله علیه وسلم دخل مكة یوم الفتح وعلی راسه المغفر فلما نزعه جاء رجل فقال ابن	انس بن مالک سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فتح کے دن مکہ میں جب داخل ہوئے تو سر پر خود پہنے ہوئے تھے۔ اسے جب اتارا تو ایک صاحب حاضر ہوئے اور عرض کیا ابن خطل کعبہ کا پردہ پکڑے ہوئے ہے

خطل معلق باستار الکعبہ فقال اقتلہ۔	آپ نے فرمایا اسے قتل کر دو (بخاری کی دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صاحب حضرت سعید بن حریث ہی تھے)

گویا جن لوگوں کے قتل کا حکم آپ دے چکے تھے انھیں بھی صحابہ نے یونہی قتل نہیں کر دیا بلکہ دوبارہ حکم لیا پھر قتل کیا۔ اس صورت میں حضرت عبداللہؓ کا معاملہ خود بخود قابلِ غور ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں آدمی نے کیسا ہی گناہ کیا ہو جب وہ تائب ہو کر پیش ہو تو اس کی توبہ بہر حال قبول ہوگی اگرچہ وہ مرتد ہو چکا ہو اور اگرچہ وہ اسلام کا سخت ترین دشمن ہو۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر تائب کی توبہ قبول کی ہے اور کبھی بیعت سے ہاتھ نہیں روکا۔ دوسرے یہ کہ اگر آپ کے نزدیک ان کا قتل ضروری تھا تو صاف کہہ دینے میں کیا چیز مانع تھی۔ صحابہ تو اپنے باپ بیٹے کو بھی قتل کر دینے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے تھے ایسے بیسیوں واقعات صحاح میں ہیں۔ لہٰذا اس حدیث کا یہ ٹکڑا جو حضرت عبداللہؓ کے متعلق ہے کسی طرح قابلِ قبول نہیں۔ یہ اضافہ راوی کا معلوم ہوتا ہے یہی حال حضرت عکرمہؓ کا ہے۔ وہ خود چلے گئے ہوں گے جیسا کہ ایک تحریک کا سخت مخالف ڈر کر بھاگ جایا کرتا ہے۔ یہ روایت خود بتا رہی ہے کہ انھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فیاضی پر کیسا اعتماد تھا۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ ابن خطل بھی کعبے میں پناہ لینے کی بجائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن میں پناہ لیتا تو اُسے امان مل جاتی۔

بیرونی شہادت	ان داخلی اسقام کے علاوہ بیرونی حیثیت سے بھی اس حدیث کی کوئی قیمت نہیں کیونکہ اس حدیث کی سند میں تین کوفی ہیں یعنی قاسم

بن زکریا، احمد بن مفضل اور سدّی۔ ان میں قاسم تو ثقہ ہیں لیکن احمد بن مفضل شیعی ہیں اور سدّی بھی (تقریب التہذیب) علاوہ ازیں احمد بن مفضل نے سدّی کا بیان حتمی ظاہر نہیں کیا بلکہ مشتبہ بتایا پھر سدّی کی یہ تعریف بھی ہے کہ "یھم" انھیں وہم ہو جاتا ہے۔ اس طرح یہ حدیث روایتاً بھی قابل اعتماد نہیں۔ کیونکہ ان میں ایسے آدمی ہیں جنھیں حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرحؓ کے متعلق طعن آمیز بات کہنے میں اپنے عقائد کی رو سے

ثواب کی امید تھی۔

صحیح بخاری میں فتح مکہ کی تفصیلات میں حضرت عبداللہؓ کے متعلق کوئی روایت نہیں۔
نیز یہ کہ کتابت وحی پر فائز ہو کر مرتد ہو جانے کا صرف ایک واقعہ تاریخ میں گزرا ہے
ملاحظہ ہو۔ یہ ایک نصرانی شخص تھا جن میں سے بعض لوگ حسب بیان قرآنی مسلمان ہوئے
ہی اس غرض سے تھے کہ پھر مرتد ہو کر لوگوں کو بتائیں کہ دین حق ہوتا تو ہم اس پر قائم رہتے۔
(صحیح بخاری ج ۲، ص ۲۸۲-۲۸۳، ابواب علامۃ النبوۃ)

"یہ ایک نصرانی شخص تھا جو اسلام لایا سورۂ بقرہ اور آل عمران بھی
پڑھ لیں پھر نصرانی ہو گیا اور کہا کرتا تھا کہ محمد بس اتنا ہی جانتے ہیں جو میں
لکھ دیتا ہوں۔ اللہ تعالےٰ نے اس کو مار دیا جب دفن کیا گیا تو زمین نے
باہر پھینک دیا۔ لوگوں نے کہا کہ یہ محمد اور اس کے ساتھیوں کی حرکت ہے
کہ لوگوں کے جانے کے بعد انھوں نے قبر کھود کر ہمارے آدمیوں کو باہر ڈال دیا۔
دوبارہ اور گہری قبر کھود کر دفن کیا۔ زمین نے اسے پھر باہر پھینک دیا تب
لوگوں نے جانا کہ یہ آدمی کا کام نہیں اور پھر اسے یونہی ڈال دیا۔"

اب شیعی راویوں کو یہ دو واقعے نظر آئے ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بعض
لوگوں کو فتح مکہ کے دن قتل کرنا اور ایک کاتب وحی کا مرتد ہو جانا۔ لہذا یہ دونوں باتیں
حضرت عبداللہؓ بن سعد کے متعلق مشہور کر دیں جو مصر کے والی تھے اور سبائیوں پر سخت۔
چونکہ وہ قتل نہیں کئے گئے اس لئے وہ روایت وضع کر لی جو نسائی کی روایت کا آخری
ٹکڑا ہے۔ لیکن یہ بھول گئے کہ جس شخص کی توبہ قبول کر لی جاتی ہے اس کے پچھلے گناہ سب
دھل جاتے ہیں اور یہ بھی بھول گئے کہ اگر حضرت فاروق اعظمؓ ان کی پچھلی زندگی کو
موجب عیب سمجھتے تو انھیں کبھی ایسی ذمہ داری کا کام سپرد نہ کرتے جس کا ذکر اوپر گزرا۔

حضرت سعید بن العاص اموی رضؓ

حضرت ولیدؓ کی معزولی کے بعد کوفے کی گورنری
حضرت سعید بن العاصؓ اموی کے سپرد کی گئی۔
امیر المومنین چاہتے تھے کہ جو طرز عمل حضرت ولیدؓ کا تھا وہی بعد میں جاری رہے۔

حضرت سعید بن العاص اموی ؓ بھی صغار صحابہ میں ہیں۔ وفات نبوی کے وقت ان کی عمر نو برس کی تھی۔ انہی کا لطیفہ ہے کہ حضرت فاروق اعظم ؓ نے ان سے فرمایا تھا کہ بدر کے دن میں نے تمہارے والد عاص کو نہیں قتل کیا بلکہ اپنے ماموں عاص کو قتل کیا تھا۔ تو آپ نے عرض کیا "امیر المومنین اگر آپ ہی میرے باپ عاص کو قتل کرتے تب کیا بات تھی۔ وہ باطل پر تھا اور آپ حق پر تھے"

(الاصابہ بذیل ذکر سعید) حضرت سعید ؓ اس شان کے مومن تھے۔ آپ کی تربیت اکابر صحابہ نے کی تھی۔ قرآن مجید کے بڑے عالم تھے ادب عربی پر عبور رکھتا اور زبان کی صحت کے بارے میں حجت سمجھے جاتے تھے۔ چنانچہ جب امیر المومنین عثمان ؓ نے قرآن مجید کو ایک حرف پر مجتمع کیا اور باقی متداول قرأتوں کی ممانعت کردی تو جن بزرگواروں کے سپرد قرآن پاک کے وحدانی نسخے کی کتابت تھی ان میں حضرت زید بن ثابت ؓ حضرت عبداللہ بن الزبیر ؓ حضرت عبدالرحمن بن حارث بن ہشام ؓ کے ساتھ حضرت سعید ؓ کو بھی مصحف شریف کی نقل پر مامور کیا تھا۔ اور ان بزرگواروں نے مصحف صدیقی کی نقلیں کرکے مختلف علاقوں کو روانہ کی تھیں۔ جن میں کا ایک نسخہ تاشقند میں اب بھی موجود ہے۔

اس بہترین علمی اور دینی خدمت کے علاوہ آپ جہادوں میں بڑا نام پیدا کرچکے تھے۔ چنانچہ طبرستان کے جہاد میں کمان آپ ہی کے سپرد تھی۔ اور چونکہ اس جہاد میں شرکت کرنے والوں کو جنت کی بشارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی اس لئے اس اموی بطل عظیم کی قیادت میں اجلۂ صحابہ نے اس میں شرکت کی اور ہاشمی حضرات میں سے حضرت ابن عباس ؓ، حضرت حسن ؓ حضرت حسین ؓ وغیرہم سب ساتھ گئے تھے' اور یہ معرکہ حضرت سعید ؓ نے سر کیا تھا۔ (طبری ج ۵ ص ۵۰)

ان علمی اور سیاسی خدمات کے سبب انھیں کوفے کی ولایت سپرد کردی گئی اور انہوں نے وہاں حضرت ولید ؓ کی پوری پوری جانشینی کی لیکن سبائی تحریک یہاں جڑ پکڑ چکی تھی اس لئے بعض حوادث رونما ہوئے۔ مودودی صاحب نے نہایت غلط طریقے سے اس واقعے کی طرف یوں اشارہ کیا ہے (جون ص ۲۵۴)

"ایک مرتبہ بصرے میں ان کے گورنر سعید بن العاص کے طرزِ عمل سے
ناراض ہو کر کچھ لوگوں نے بغاوت برپا کرنے کی کوشش کی بھی تو عوام
نے ان کا ساتھ نہ دیا اور جب حضرت عثمانؓ کی طرف سے حضرت ابو موسیٰ
اشعری نے لوگوں کی بیعت کی تجدید کے لئے پکارا تو لوگ بغاوت کے
علم برداروں کو چھوڑ کر بیعت کے لئے ٹوٹ پڑے"۔

اوّل تو یہ واقعہ بصرے کا نہیں بلکہ کوفے کا ہے۔ (طبری، ۵، ۶۳) ہوا یہ ہے کہ حضرت ولیدؓ کے خلاف جن لوگوں نے محاذ قائم کیا تھا ان کے سربراہوں میں اشتر نخعی اور اس کے ساتھی بھی تھے اور یہ گروہ جماعت سے وابستہ باوقار شہریوں کا نہ تھا۔ بلکہ سبائیوں کا تھا۔ مودودی صاحب اسے پی گئے۔ اشتر نے پچھلی جنگوں میں کارہائے نمایاں انجام دئے تھے اس لئے اس کے دل میں ریاست اور امارت کی خواہش پیدا ہو گئی تھی۔ مزاج میں تبختر اور زندی تھی۔ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اسے اس کے قلبی احوال کے تحت قابل اعتنا نہیں سمجھا اور کوئی عہدہ نہیں دیا۔ اس کی تلخی اسے بہت تھی۔ حضرت ولیدؓ کی معزولی میں جب ان لوگوں کو کامیابی ہوئی تو پھر اس نے توقعات قائم کیں کہ اپنے گروہ کی اس کامیابی سے عوام پر اپنی اہمیت جتا کر ان کا لیڈر بن جائے۔ لیکن حضرت سعیدؓ کے تشریف لانے سے اس کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔ مگر رہا موقعہ کی تاک میں۔

اتفاق سے ایک دن حضرت طلحہؓ کی سخاوت کا کچھ ذکر چل پڑا۔ حضرت سعیدؓ نے فرمایا اگر نشاستج جیسی جاگیر میرے پاس ہوتی تو میں بھی تم لوگوں کی خدمت کرتا۔ اس پر عبد الرحمٰن بن خنیس اسدی نے کہا "کاش آپ ملطاط کی زمین حاصل کر لیں۔ اشتر اور اس کے ساتھی اس پر برافروختہ ہو گئے اور عبد الرحمٰن سے کہا "تم ہماری زمینوں کی آس لگاتے ہو" عبد الرحمٰن کے والد نے کہا تمھارے ہی لئے تو کہ تم فائدہ اٹھاؤ گے" یہ سنتے ہی اشتر وغیر لوگوں نے ان دونوں باپ بیٹے کو مارنا پیٹنا شروع کر دیا۔

حضرت سعیدؓ کی موجودگی میں ان لوگوں کی گستاخی ناقابل برداشت تھی۔ مگر آپ نے چشم پوشی کی اور بنو اسد کو جو یہ واردات سن کر قصر امارت کے دروازے پر جمع ہو گئے

تھے بلطائف وہاں سے ہٹایا ورنہ بڑا خون خرابہ ہوتا۔ اشراف کوفہ نے اشتر وغیرہ کی یہ ناشائستہ اور متمردانہ حرکت دیکھ کر امیرالمومنین عثمانؓ کی خدمت میں درخواست بھیجی کہ ان مفسد لوگوں کو شہر بدر کر دیا جائے۔ چنانچہ ان لوگوں کو شام بھیجدیا گیا۔ وہاں حضرت معاویہؓ نے ان کی مدارات کی اور رفق و نرمی سے انھیں سمجھایا۔ طبری نے (۵ : ۸۶) حضرت معاویہؓ کی تقریر نقل کی ہے منجملہ ازاں یہ ہے :۔

"آپ لوگ عرب میں پختہ عمر اور فصیح البیان ہیں اور اسلام کے سبب آپ کی حیثیت بن گئی ہے۔ دنیا کی قوموں پر آپ کو غلبہ ملا ہے اور ان کی شان و املاک پر آپ قابض ہو گئے ہیں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ لوگ قریش سے برافروختہ ہیں حالانکہ اگر قریش نہ ہوتے تو آپ پہلے ہی کی طرح ذلیل رہتے۔ آپ لوگوں کے آئمہ آج آپ کی ڈھال ہیں لہذا اپنی ڈھال کی راہ میں حائل مت ہوجئے۔ آج آپ کے ائمہ آپ کی بے راہ روی پر صبر کرتے ہیں اور آپ کی بھاری غلطیاں بھی برداشت کر لیتے ہیں۔ بخدا آپ کو ان حرکتوں سے رکنا پڑے گا ورنہ پھر اللہ آپ کو ایسے لوگوں کے ذریعہ آزمائش میں ڈالے گا جو آپ کو سزائیں دیں گے اور پھر ان پر صبر کرنے کی آپ کو کچھ داد بھی نہیں دینگے۔ اس طرح رعیت پر وبال لانے کے سبب آپ بھی اپنی زندگی میں اور مرنے کے بعد ان کے شریک سمجھے جائیں گے۔"

اس پر صعصعہ بن صوحان نے کہا "آپ کب تک حکومت اور قریش کی باتیں ہم سے کرتے رہیں گے۔ عرب نے ہمیشہ اپنی تلوار کے زور پر روزی کمائی ہے اور قریش محض تاجر تھے۔" حضرت معاویہؓ نے فرمایا "تیری ماں تجھے روئے۔ میں اسلام کی بات کرتا ہوں اور تو جاہلیت کی باتیں سناتا ہے"

صعصعہ نے یہ بھی کہا تھا "یہ جو آپ ڈھال کی بات کرتے ہیں تو میں جب اس ڈھال کو پھاڑ دوں گا اس وقت ڈھال ہماری ہوگی" (یعنی جب ہم اپنے والیوں کو قتل کر دیں گے خود حکومت سنبھال لیں گے۔)

یہ تھے عزائم اُن عراقی سبائیوں کے۔ حضرت معاویہؓ نے ان لوگوں کو پھر حمص بھیج دیا جہاں کے والی حضرت عبدالرحمٰن بن خالد سیف اللہ تھے۔ اُنھوں نے ان لوگوں کی خوب گوشمالی کی۔ انھیں شیطان کا آلہ کار بتایا۔ پھر طریقہ یہ رکھا کہ جب سوار ہو کر نکلتے انھیں اپنے ساتھ پیدل چلنے پر مجبور کرتے اور انھیں ڈانٹتے رہتے پھر صعصعہ سے پوچھتے "اب مجھ سے اس طرح کی بات کیوں نہیں کرتا جو مجھے معلوم ہوا ہے کہ تو سعید اور معاویہ سے کرتا رہا ہے"۔ تو وہ اور اس کے سب ساتھی کہتے "ہم توبہ کرتے ہیں آپ ہمیں معاف کیجئے اللہ آپ کو معاف کرے" (طبری: ۵ : ۸۷-۸۸)

غرضیکہ سال بھر میں آپ نے انھیں تکلے کی طرح سیدھا کر دیا۔ پھر فرمایا کہ جاؤ اور حضرت امیرالمومنین حضرت عثمانؓ سے معافی مانگو۔ چنانچہ ان سب کی طرف سے اشتر نخعی مدینہ حاضر ہوا اور سب کی طرف سے معافی چاہی اور امیرالمومنین کے سامنے عاجزانہ توبہ کا اظہار کیا۔ آپ نے اسے اور سب کو معافی دے کر اجازت دے دی کہ جہاں چاہیں چلے جائیں۔ اشتر جب اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا تو وہاں کوفہ سے آیا ہوا ایک خط رکھا تھا کہ جلدی پہنچو ہم نے سب انتظام کر لیا ہے۔ دوسرے لوگ تو اپنی توبہ پر قائم رہے اور کوفہ جانے سے انکار کر دیا مگر اشتر توبہ توڑ کر وہاں جا پہنچا اور اس مفسد گروہ میں مل گیا جو خفیہ خفیہ حکومت کے خلاف اپنا جتھہ بنا رہا تھا۔

امیر سعیدؓ اس وقت مدینہ گئے ہوئے تھے جب واپس آئے اشتر اور اس کے ساتھیوں نے راستہ روک دیا اور اشتر نے آپ کے ایک غلام کو قتل بھی کر دیا۔ امیر سعیدؓ نے اس وقت خوں ریزی پسند نہ کی اور واپس ہو گئے۔ حضرت امیرالمومنین نے پھر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو بھیج دیا اور تمام اہل کوفہ نے تجدید بیعت کی۔ اشتر وغیرہ کا گروہ اتنا قوی نہ تھا کہ حضرت سعیدؓ کو قوت سے واپس کر سکتا۔ کیونکہ اہل کوفہ ان سے خوش تھے۔ یہ امیر سعیدؓ کا صبر و ضبط تھا جو آپ واپس ہو گئے ورنہ اہل شہر آپ کا ساتھ دیتے۔ یہ بیان سب طبری کا ہے اور طبری ہی کے بیان سے ثابت ہے کہ اپنی علمی صلاحیتوں کی بنا پر حضرت امیر سعیدؓ اموی نے عہد فاروقی ہی میں اہم حیثیت اختیار کر لی تھی وہ لکھتے ہیں :-

حضرت عمرؓ کے وفات پانے سے پہلے ہی حضرت سعیدؓ اکابر امت میں شمار ہونے لگے تھے۔	فلم یبت عمر حتی کان سعید رجال الناس (ج ۳ ص ۳۳۱)

جرجان وخراسان وطبرستان کے وسیع ممالک کے فاتح جنھوں نے مشرق بعید میں مملکت اسلام کی بنیادیں استوار کیں۔ اشاعت دین کی راہیں کھولیں۔ مودودی صاحب نے ان کو ہدف اعتراض بناتے اور واقعات کو مسخ کرتے ہوئے اس طرح لکھا ہے کہ جیسے لوگ واقعی حضرت سعیدؓ سے ناراض تھے اور اسی سبب انھیں معزول کیا گیا یہ سراسر باطل ہے اور واقعات کے خلاف۔

حضرت مروانؓ حضرت مروان بن الحکمؓ صغار صحابہ میں ہیں فتح مکہ کے وقت نو دس برس کے اور بعض روایتوں میں اس سے بھی زیادہ عمر کے تھے۔

کچھ لوگوں نے ان کے صحابی ہونے کا انکار کیا ہے۔ مثلاً تقریب التہذیب میں ہے۔ لا یثبت لہ صحبۃ (ان کا صحابی ہونا ثابت نہیں) لیکن یہ فیصلہ کرنے سے پہلے سوچنا چاہیئے کہ فتح مکہ کے وقت جب آنحضرت صلی اللہ وسلم کے حضور سب قریش حاضر ہوئے اور بچے بھی حضور میں پیش کئے گئے ان کے سروں پر آپ نے ہاتھ پھیرا اور برکت کی دعائیں کیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ ہی کے خاندان بنو عبد مناف کا ایک اموی لونہال آپ کی زیارت سے محروم رہے خصوصاً جب وہ حضرت عثمانؓ کا چچازاد بھائی بھی ہو۔

حافظ ابن حجر ہدی الساری میں ان کے متعلق لکھتے ہیں۔ لہ رویہ یعنی انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا تاریخ خمیس میں ہے وکان مروان قد لحق النبی صلی اللہ علیہ وسلم (ج ۲ ص ۳۰۷) یعنی (حضرت) مروانؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی ہے۔ پھر ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ اہل شام کے نزدیک ان کا صحابی ہونا مسلم تھا۔ گھر کے لوگ اپنے احوال سے زیادہ واقف ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں کسی ہم عصر نے یہ نہیں کہا کہ حضرت مروانؓ کو دیدار نبوی کا شرف حاصل نہیں تھا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں (منہاج السنہ ج ۳: ۱۸۹) واختلف فی صحبۃ (ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے) پھر فرماتے ہیں ومروان من اقران ابن الزبیر۔

(اور مروانؓ تو ابن الزبیرؓ کے جیتے ہیں) حافظ ابن کثیر کہتے ہیں ھو صحابی عند طائفۃ کثیرۃ (البدایہ ج ۸، ص ۲۵۷) یعنی کثیر جماعت کے نزدیک وہ (مروانؓ) صحابی ہیں۔ ایسی صورت میں تحدی کے ساتھ یہ کہنے کی گنجائش نہیں رہتی کہ وہ صحابی نہیں۔ البتہ روایت کے اعتبار سے تابعی ہیں لیکن اس شان کے کہ صحابہ نے ان سے روایت کی ہے امام ابوبکر بن العربیؒ فرماتے ہیں۔ (العواصم: ۸۹ - ۹۰)

مروان رجل عدل من کبار الامۃ عند الصحابۃ والتابعین وفقہاء المسلمین۔ اما الصحابۃ فان سہل بن سعد الساعدی روی عنہ واما التابعون فاصحابہ فی السن وان جازھم باسم الصحبۃ فی احد القولین واما فقہاء الامصار فکلھم علی تعظیمہ واعتبار خلافتہ والتلفت الی فتواہ والانقیاد الی روایتہ واما السفہاء من المؤرخین والادباء فیقولون علی اقدارھم

صحابہ وتابعین اور فقہاء مسلمین کے نزدیک مروانؓ اس امت کی عظیم شخصیتوں میں اور نہایت ثقہ صحابہ میں سے (حضرت) سہلؓ بن سعد الساعدی نے ان سے روایت کی ہے۔ اور تابعین میں سے ان کے ہم عمر صحابہ نے اگر ان پر دو قولوں میں سے ایک کے مطابق صحابیت کا اطلاق جائز ہو۔ رہے شہروں کے فقہاء تو وہ سب کے سب ان کی تعظیم پر، ان کی خلافت کی حجیت پر ان کے فتاوی کے لائق اعتنا ہونے پر اور ان کی روایات کی پیروی پر متفق ہیں۔ اور جو ناسمجھ مورخ اور ادیب ہیں وہ اپنے ظرف کے مطابق (ان کے خلاف) باتیں بناتے ہیں۔

حضرت سہلؓ بن سعد کی روایت صحیح بخاری وغیرہ میں موجود ہے۔ تابعین میں سے حضرت علی بن الحسین (زین العابدین) کی روایت بھی حضرت مروانؓ سے صحیح بخاری میں موجود ہے۔ (ج ۱، ص ۲۰۲-۲۰۳، طبع مصر باب التمتع والاقران والافراد بالحج)۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ان سب بزرگواروں کی تفصیل دی ہے جنھوں نے حضرت مروانؓ سے روایتیں کیں۔ مثلاً حضرت سعید بن المسیب اور ان کے ہم رتبہ حضرات عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود، حضرت ابوبکر بن عبد الرحمٰن بن الحارث بن ہشام مخزومی، حضرت عروۃ

بن الزبیرؒ حضرت عراک بن مالک الغفاری، حضرت عبد اللہ بن شداد بن الہاد وغیرہم یہ سب کے سب حضرات کبار فقہاء میں ہیں۔ حتیٰ کہ حضرت عبد الرزاق نے بھی ان سے روایت کی ہے جو امام اہل یمن ہیں اور ان میں تشیعیت کی رمق بھی تھی۔

پھر مؤطا شریف صحیح بخاری، سنن نسائی وغیرہ صحاح کی عظیم ترین کتابوں میں حضرت مروانؓ کے ارشادات، فتاویٰ اور قانونی فیصلے مندرج ہیں اور انھیں فقہاء اسلام شرعی نظائر کی حیثیت دیتے ہیں۔ گویا اسلامی فقہ میں حضرت مروانؓ کی حیثیت بہت بڑی ہے۔ حافظ ابن حجر ہدی الساری میں لکھتے ہیں :۔

قال عروۃ بن الزبیر کان مروان لا یتھم فی الحدیث وقد روی عنہ سھل بن سعد الساعدی الصحابی اعتمادا علی صدقہ وقد اعتمد مالک علی حدیثہ ورایہ والباقون سوی مسلم۔

(حضرت) عروہ بن زبیرؓ نے کہا کہ (حضرت) مروانؓ حدیث میں غیر متہم ہیں ان سے (حضرت) سہل بن سعدؓ صحابی نے ان کے صدق پر اعتماد اور بھروسہ کر کے روایت کی ہے اور امام مالکؒ نے ان کی حدیث اور رائے پر اعتماد کیا ہے اور مسلم کے سوائے باقی محدثین نے بھی۔

بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ۔ اخرج اھل الصحاح عدۃ احادیث عن مروان ولہ قول مع اھل الفتیا (صحاح ستہ) میں (حضرت) مروانؓ سے متعدد احادیث کی روایت کی گئی ہے اور اہل فتویٰ ان کے اقوال (اپنے فتاویٰ میں) بطور سند پیش کرتے ہیں۔ تاریخ خمیس میں ہے :۔

وکان مروان فقیھا عالما ادیبا | (حضرت) مروانؓ فقیہ و عالم اور ادیب تھے

پھر ان کی عبادت اور تقویٰ نے انھیں اپنے ہم عصروں میں بہت ممتاز کر دیا تھا تلاوۃ کلام پاک کا تو ایسا عشق تھا کہ من اقراء الناس القرآن کہلاتے تھے البدایہ والنہایہ ہی میں یہ روایت ہے کہ امیر یزیدؒ کی ولایت عہد کی تحریک سے کچھ پہلے امیر المومنین حضرت معاویہؓ یہ فرما کر حضرت مروانؓ کو جانشین نامزد کرنے کا خیال کر رہے تھے کہ وہ کتاب اللہ کے قاری، اللہ کے دین کے فقیہ اور حدود اللہ قائم کرنے میں شدید ہیں۔ القاری لکتاب اللہ

الفقیہ فی دین اللہ الشدید فی حدود اللہ (ج ۸، ص ۲۵۷) لیکن سیاسی مصلحتوں کے پیش نظر ایسا نہ ہو سکا پھر جب حضرت مروانؓ کے مسند آرائے خلافت ہونیکا موقع آیا اور لوگ اس کی اطلاع دینے رات کے وقت ان کے پاس گئے تو دیکھا خیمے میں شمع روشن ہے اور کلام پاک کی تلاوت میں مشغول ہیں۔ رات کا بڑا حصہ عبادت میں گذارتے تھے جناب جعفر الصادق کی یہ روایت البدایہ والنہایۃ میں بسند صحیح امام شافعیؒ سے منقول ہے کہ حضرت مروانؓ کی امامت میں حضرت حسنؓ و حسینؓ برابر نمازیں ادا کیا کرتے تھے۔ ایسے عالم و فاضل پاک سیرت بزرگ کے متعلق مودودی صاحب لکھتے ہیں:۔

"دوسری چیز جو اس سے زیادہ فتنہ انگیز ثابت ہوئی وہ خلیفہ کے سکرٹیری کی اہم پوزیشن پر مروان بن الحکم کی ماموریت تھی۔ ان صاحب نے حضرت عثمان کی نرم مزاجی اور ان کے اعتماد سے فائدہ اٹھا کر بہت سے کام ایسے کئے جن کی ذمہ داری لامحالہ حضرت عثمانؓ پر پڑتی تھی۔ حالانکہ ان کی اجازت اور علم کے بغیر ہی وہ کام کر ڈالے جاتے تھے۔ علاوہ بریں یہ صاحب حضرت عثمان اور اکابر صحابہ کے باہمی خوشگوار تعلقات کو خراب کرنے کی مسلسل کوشش کرتے رہے تا کہ خلیفہ برحق اپنے پرانے رفیقوں کے بجائے ان کو اپنا زیادہ خیر خواہ اور حامی سمجھنے لگیں۔

یہی نہیں بلکہ متعدد مرتبہ انھوں نے صحابہ کے مجمع میں ایسی تہدید آمیز تقریریں کیں جنھیں طلقاء کی زبان سے سننا سابقین اولین کے لئے بمشکل ہی قابل برداشت ہو سکتا تھا۔ اسی بناء پر دوسرے لوگ تو درکنار خود حضرت عثمانؓ کی اہلیہ محترمہ حضرت نائلہ بھی یہ رائے رکھتی تھیں کہ حضرت عثمانؓ کے لئے مشکلات پیدا کرنے کی بہت بڑی ذمہ داری مروان پر عائد ہوتی ہے حتیٰ کہ ایک مرتبہ انھوں نے اپنے شوہر محترم سے صاف صاف کہا کہ "اگر آپ مروان کے کہے پر چلیں گے تو یہ آپ کو قتل کروا کے چھوڑے گا۔ اس شخص کے اندر نہ اللہ کی قدر ہے، نہ ہیبت نہ محبت"

مودودی صاحب نے اتنے بہت سے الزامات تو عائد فرما دئے اور ان میاں بیوی کی گھر کی اندر کی ساڑھے تیرہ سو برس پہلے کی گفتگو بھی سن لی اور ان پر بہت سے وہ کام بھی کھل گئے جو حضرت عثمانؓ کے علم کے بغیر حضرت مروانؓ نے کر ڈالے۔ مگر مثال ایک بھی پیش نہ کی۔ کم از کم کوئی ایک ہی بات ایسی ثابت کر دیتے جس سے حضرت مروانؓ کی غداریاں کھلتیں اور صحابہ کرام کے سامنے جو وہ تہدیدی تقریریں کیا کرتے تھے ان کا کچھ تو پتہ چلتا۔

قارئین کرام کو سوچنا چاہئے کہ ہم حضرت مروانؓ کی وہ عدالت وجلالت وعظمت و بزرگی دیکھیں جو مؤطاء شریف، بخاری شریف اور صحاح کی دوسری کتابوں سے معلوم ہوتی ہے، اور ان کے متعلق وہ رائیں دیکھیں جو صحابہ وتابعین اور فقہاء وعلماء اسلام نے ان کے بارے میں دی ہیں یا ان خرافات کو تسلیم کریں جو بعد کے مصنفوں نے بے سروپا سبائی روایات کی بنا پر کتابوں میں بھر دی ہیں، جن کے حوالے مودودی صاحب نے دئے ہیں۔

سچ فرمایا امام ابن العربیؒ نے واما السفہاء من المورخین والادباء فیقولون علیٰ اقدارھم (رہے یہ ناسمجھ مورخ اور ادیب تو یہ اپنے ظرف کے مطابق باتیں بناتے ہیں)

مودودی صاحب نے کس بے باکی سے حضرت عثمانؓ پر یہ بہتان باندھا ہے کہ انھوں نے افریقہ کے مال غنیمت کا پورا خمس (۵ لاکھ دینار) مروان کو بخش دیا۔“ حالانکہ یہ افتراء محض ہے۔ امام ابن العربیؒ فرماتے ہیں (العواصم ص ۱۰۰-۱۰۱)

واما اعطاؤہ خمس افریقیہ لواحد فلم یصح علیٰ انہ قد ذھب مالک وجماعۃ الیٰ ان الامام یریٰ رأیہ فی الخمس وینفذ فیہ ما اداہ الیٰ اجتھادہ وان اعطاؤہ لواحد جائز وقد بینّا ذلک فی مواضعہ۔

رہا ان کا افریقیہ کا خمس کسی ایک شخص کو دیدینا تو یہ صحیح نہیں۔ باوجود اس کے کہ (حضرت) امام مالک اور علماء کی ایک جماعت اسی طرف گئی ہے کہ امام کے یہ اختیار میں ہے کہ خمس کے متعلق وہ کیا رائے قائم کرتا ہے اور اسے حق ہے کہ اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرے اور یہ کہ کسی ایک شخص کو بھی وہ (یعنی پورا خمس) دیدینا جائز ہے ہم نے یہ مسئلہ اسی کی جگہ پر واضح کر دیا ہے (یعنی اپنی دوسری کتابوں میں)

مودودی صاحب نے اگر کتب حدیث کا مطالعہ ٹھنڈے دل سے کیا ہوتا تو انھیں خمس دفیٔ کے بارے میں ائمہ کے مواقف کا علم ہوتا۔ مگر ان کا مقصد چونکہ بنی امیہ اور حضرت عثمانؓ پر طعن ہی ہے۔ اس لئے انھوں نے عدل وخرد سب کو خیر باد کہہ کر واہی روایات کا سہارا لینے میں باک نہیں کیا۔ خمس اور فیٔ کی آمدنی غیر مقصود غیر متعین اور غیر مستقل ہوتی ہے اور امام اپنے مصالح کو اچھی طرح سمجھتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ امر قطعی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے یہ روپیہ حضرت مروانؓ کو نہیں دیا۔

ابن خلدون جیسے محقق مورخ نے بتایا ہے کہ افریقہ کے مال غنیمت میں خمس حضرت مروانؓ کو عطا نہیں ہوا تھا بلکہ انھوں نے اسے خرید لیا تھا وہ لکھتے ہیں :۔

وارسل ابن زبیر بالفتح والخمس فاشتراہ مروان بن حکم بخمس ماءۃ الف دینار ولعض الناس یقول اعطاہ ولا یصح (ج ۲، ص ۱۲۹)

(حضرت) ابن زبیرؓ نے فتح کی خوشخبری اور مال غنیمت کا پانچواں حصہ (مدینہ) بھیجا جسے (حضرت) مروانؓ نے پانچ لاکھ دینار میں خرید لیا اور یہ جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ (حضرت) عثمانؓ نے (حضرت) مروانؓ کو دیدیا تھا ہرگز صحیح نہیں۔

مودودی صاحب کے نزدیک ابن خلدون کا یہ بیان معتبر نہ ہو تو ان کتب میں جن کے حوالے انھوں دیے ہیں۔ امیرالمومنین حضرت عثمانؓ ذی النورین کا یہ ارشاد تو انھوں نے ضرور پڑھا ہوگا جو بدگویوں کو مخاطب کرکے فرمایا تھا کہ :۔

واما اعطاؤھم فانی ما اعطیھم من مالی ولا استحل اموال المسلمین لنفسی ولا لاحد من الناس ۔

اور میرا اپنے (اقارب) کو عطیات دنیا سو جو کچھ میں نے ان کو دیا ہے اپنے ہی مال سے دیا ہے مسلمانوں کا مال نہیں اپنے لئے حلال سمجھتا ہوں اور نہ لوگوں میں سے۔

تمام حاضرین صحابہ وتابعین نے امیرالمومنین کے اس بیان کی صداقت کو تسلیم کیا۔ مودودی صاحب نہ مانیں اور پانچ لاکھ دینار مروانؓ کو بخش دینے کا راگ الاپے جائیں مگر اپنے ہی مآخذ طبری میں ذرا یہ واقعہ ملاحظہ فرمائیں کہ امیرالمومنین حضرت عثمانؓ نے جب

حضرت عبداللہ بن ابی سرحؓ سے فرمایا تھا کہ اگر وہ تونس کا علاقہ فتح کرلیں گے تو انھیں مال غنیمت کا پچیسواں حصہ بطور انعام دیا جائیگا۔ (طبری ۵ : ۹۴۹ طبع مصر ج ۱ ص ۲۸۱۴-۲۸۱۵ طبع یورپ) چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ انھوں نے یہ سب علاقہ فتح کرکے چار حصہ مال غنیمت فوج میں تقسیم کردیا اور خمس جو مرکز کو بھیجنا تھا اس کا پانچواں حصہ خود رکھ لیا۔ جب آپ کے بعض ساتھیوں نے امیرالمومنین سے اس کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا کہ یہ میرے حکم سے انھوں نے کیا ہے اور اگر تم لوگ اسے پسند نہیں کرتے تو ہم یہ حکم منسوخ کردیں گے ان لوگوں کے کہنے پر آپ نے حضرت عبداللہ کو لکھا کہ وہ رقم بیت المال کو بھیجدیں چنانچہ انھوں نے بھیجدی۔ اتنا بڑا انعام واپس لئے جانے کے باوجود حضرت عبداللہؓ بد دل نہیں ہوئے اور برابر فتوحات میں مشغول رہے اور نظم و نسق کو مستحکم بناتے رہے۔

اب سوچنا چاہیئے کہ جو امام اپنی قوم کی مرضی کا اس درجہ لحاظ رکھتا ہو کہ اپنے ایسے اختیار کے باوجود جو اللہ اور اس کے رسول کا بخشا ہوا تھا، اپنا حکم واپس لے لے وہ امام کہیں ایسا کرسکتا تھا کہ قوم کی مرضی کے خلاف ۵ لاکھ دینار کی اتنی بڑی رقم ایک شخص کو دیدے۔ پھر یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ اگر ایسا ہوا ہوتا تو اہل مدینہ اعتراض کرتے لیکن ایسا کوئی اعتراض ان کی طرف سے منقول نہیں۔ لہذا یہ افسانہ صرف ان مفسدوں اور کذابوں کا وضع کیا ہوا ہے جنھوں نے ہماری تاریخ کو مسخ کردیا۔

ہاں حضرت عثمانؓ نے اپنی آخری عمر میں اپنا تمام مال اپنے اعزہ و اقربا میں تقسیم کردیا تھا۔ اور اپنے فرزندوں کو بھی مثل دوسروں کے رکھا۔ (طبری ۵ : ۱۰۳) چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں (العواصم ص ۱۰۲، تعلیقہ)

وقالوا انی احب اھل بیتی واعطیھم۔ فاما حبی لھم فانہ لم یمل معھم حتی جور بل احمل الحقوق علیھم واما اعطاؤھم فانی انما اعطیھم من مالی ولا استحل اموال المسلمین	لوگ کہتے ہیں کہ میں اپنے گھر والوں سے محبت کرتا ہوں اور انھیں روپیہ دیتا ہوں۔ تو جہاں تک محبت تعلق ہے تو یہ ان کے سبب ظلم کی طرف مجھے نہیں لے جاتی بلکہ میں ان سے حقوق لیتا ہوں (یعنی وہ غلطی کریں تو بازپرس کرتا ہوں) اور رہا میرا انھیں دینا تو میں انھیں

لنفسی ولا لاحد من الناس وقد کنت اعطی العطیۃ الکبیرۃ الرغیبۃ من صلب مالی ازمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر وانا یومئذ شحیح حریص۔ افحین اتت علیّ اسنان اھل بیتی وفنی عمری وودعت الذی لی فی اھلی قال الملحدون ما قالوا!

صرف اپنے مال میں سے دیتا ہوں۔ میں مسلمانوں کا مال نہ اپنے لئے حلال سمجھتا ہوں اور نہ کسی دوسرے آدمی کے لئے۔ میں اپنے خالص مال میں سے بڑے نفیس عطیات انھیں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر کے زمانے میں بھی دیا کرتا تھا حالانکہ میں اس زمانے میں کنجوس اور حریص تھا۔ اب جبکہ میں اپنے گھروالوں میں سب سے زیادہ معمّر ہوں اور میری عمر ختم ہو رہی ہے اور میں نے اپنا سب کچھ اپنے گھروالوں کے حوالے کر دیا ہے تو یہ ملحد لوگ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔

ان سبائی ملحدوں نے امیر المومنین عثمانؓ کا اس طرح اپنا مال تقسیم کر دینا بھی ذریعہ طعن بنایا اور خدا و رسول و اہل ایمان کے اِس محبوب پر بیت المال میں خیانت کا الزام لگایا اور رشتہ داروں سے غیر معتدل محبت کا بہتان اس پر رکھا۔ حیرت مودودی صاحب جیسے لوگوں پر ہے۔ جو ان ملاحدہ و زنادقہ کے مفتریات نقل کرتے وقت آج بھی نہیں شرماتے' جبکہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو چکی اور وہ دور بھی گذر چکا اور اس کے مسائل ختم ہو چکے۔

شوروی حکومت

مئی ۶۵ء کے ترجمان القرآن میں شوروی حکومت کا عنوان قائم کر کے مودودی صاحب نے ص ۱۸۳ سے جو بحث کی ہے اس کے متعلق عرض ہے کہ اسلام میں شوریٰ کا جو تصور ہے وہ اپنی جگہ ہے۔ اسے موجودہ مغربی جمہوریت سے کچھ تعلق نہیں۔ ہم پہلے بیان کر چکے کہ نصب امام اور تشکیل حکومت کے سلسلے میں اللہ کی کتاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تعامل سے کوئی متعین طریقہ ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ حکومت کی جو بھی ہیئت ترکیبی ہو وہ درست ہو گی بشرطیکہ اسے قبولیت عامہ حاصل ہو۔

دو چار دس پانچ افراد کا یا ایسا گروہ جو اپنی پشت پر رائے عامہ کی طاقت نہیں رکھتا

اگر کسی برپا شدہ حکومت کو بدلنا چاہے گا یا اسے بدلنے کے لئے کوئی عملی قدم اٹھائے گا۔ تو حسب فرمان خدا و رسول نیز حسب اجماع صحابہ وہ باغی قرار پائیگا اور اپنے آپ کو قتل کے لئے پیش کردے گا۔ کائناً من کان (خواہ کوئی ہو)

نصب امام کے سلسلے میں مودودی صاحب نے حضرت فاروق اعظمؓ کی جس آخری تقریر سے یہ استنباط کرنا چاہا ہے کہ استصواب رائے عامہ کے بغیر کوئی شخص جائز اور آئینی طور پر امام نہیں بن سکتا تو ان کی توجیہہ کا بے پایہ ہونا ہم خود حضرت فاروق اعظمؓ کے اپنے عمل سے ثابت کرچکے کہ یہ صورت اس وقت کی ہے جب کوئی امام موجود نہ ہو یا جانیوالا امام کوئی وصیت نہ کرسکا ہو۔

اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ایک عصر میں حکومت کی ہیئت ترکیبی کے بارے میں کوئی بات استصواب رائے عامہ سے طے ہوجائے اور تعامل صحابہ سے اس کی تائید ہوتی ہو تو وہ بات دستور اساسی کی ایک دفعہ ہوجائے گی اور اسی کے مطابق آئندہ کام ہوتا رہے گا۔ البتہ جب کسی دوسرے وقت مسلمان اس دفعہ میں تبدیلی کی ضرورت محسوس کریں تو اپنی اکثریت یا ارباب حل وعقد کے اجماع سے تبدیل کرسکتے ہیں۔ نیا آئین مرتب ہوسکتا ہے، اور اس دفعہ کو منسوخ کیا جاسکتا ہے۔

امیرالمومنین عثمانؓ کی شہادت ہنگامی حالت میں ہوئی اور خلافت کے بارے میں وصیت کرنے کا آپ کو موقعہ نہ ملا۔ تو سنت خلفاء کے مطابق یہ ضروری ہوگیا کہ انتخاب کے ذریعہ امام کا تقرر ہو۔ بدقسمتی سے جن لوگوں نے حضرت علیؓ کا نام پیش کیا اور سب سے پہلے بیعت کی وہ ارباب حل وعقد تو کیا ہوتے خود مودودی صاحب کے قول کے مطابق اپنے اپنے علاقوں کے بھی نمائندے نہیں تھے۔ اس لئے حضرت علیؓ کی خلافت کی آئینی حیثیت ان کی شہادت تک معرض بحث رہی۔ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ کسی کو ان کے خلیفہ ہونے پر اعتراض نہ تھا اور نہ کوئی شخص ان کے مقابلے میں خلافت کا دعویٰ لے کر کھڑا ہوا تھا اور نہ کسی کا یہ مقصد تھا کہ حضرت علیؓ خلیفہ نہ رہیں۔ لیکن پیچیدگی پیدا ہوئی تھی اس بات سے کہ ان کی خلافت کا اعلان حضرت عثمانؓ کے قاتلوں نے کیا تھا۔ اور ان باغیوں نے جو عالم اسلام میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے۔ صحابہ اور امت کو

خصوصاً قصاص خون عثمانؓ نہ لے سکنے کی وجہ سے اس طریقہ انتخاب پر اعتراض تھا۔مودودی صاحب نے اس سلسلے میں حضرت علیؓ کی بیعت کی تکمیل کا جو دعویٰ کیا ہے اور ارباب حل و عقد کا آپ کی خلافت پر متفق ہونے کے جو خیالی دلائل دئے ہیں، واقعات سے ان کی توثیق نہیں ہوتی اور نہ صحابۂ کرام کے عمل سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اس موضوع پر مزید بحث ہم حضرت علیؓ کی خلافت کے عنوان کے تحت کریں گے۔

یہاں ہم یہ مسئلہ صاف کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد امیر المومنین معاویہؓ پر ہم عصر امت نے اجماع کیا اور آپ متفق علیہ امام تسلیم کئے گئے۔ مودودی صاحب نے آپ کی خلافت کی آئینی حیثیت سے جو بحث کی ہے اور اسے بادشاہی بلکہ مستبدانہ تغلب ثابت کرنا چاہا ہے، اس واہی خیال کی تائید بھی واقعات سے نہیں ہوتی۔صحابۂ کرام نے اس سال کا نام ہی عام الجماعۃ رکھا (اجماع کا سال) یہ کیسی کھلی دلیل ہے کہ امیر المومنین معاویہؓ صلوات اللہ علیہ کے سریر آرائے خلافت ہونے سے امت نے کیسا اطمینان کا سانس لیا تھا اور کس خوش دلی اور طمانیت قلب سے آپ کی بیعت کی تھی۔

اب امیر المومنین معاویہؓ کا یہ حق تھا کہ سنت صدیقی و فاروقی کے مطابق اپنے بعد خلافت کے لئے کسی شخص کو نامزد کر جائیں۔اس بارے میں رائج الوقت آئین کے مطابق آپ کو کسی سے مشورے کی ضرورت نہ تھی۔چونکہ گزشتہ احوال آپ کے سامنے تھے اس لئے آپ نے ضروری سمجھا کہ محض ارباب حل و عقد ہی سے نہیں بلکہ تمام علاقوں کے سربرآوردہ لوگوں سے استصواب کر کے اپنا ولی عہد منتخب کریں چنانچہ ایسا ہی آپ نے کیا۔دنیائے سیاست اسلامی کے عظیم ترین رکن۔حضرت مغیرہؓ ابن شعبہ کی تحریک پر امیر یزید بن امیر المومنین معاویہؓ رضی اللہ عنہما کا مبارک نام تجویز کیا گیا، ہر طرف سے اس کی تائید ہوئی۔ اس وقت جتنے اکابر صحابہ تھے اور امہات المومنین تھیں صلوات اللہ علیہن وعلیہم سب اس بارے میں امیر المومنین معاویہؓ کے ہم نوا تھے۔ اس طرح یہ اصول طے ہوا کہ جانے والے امام کا جانشین اس کا فرزند ہو سکتا ہے۔اس اجماع کے بعد اب اس کی ضرورت نہیں رہی کہ جانے والا خلیفہ اگر اپنے بعد اپنے فرزند کے لئے وصیت کرنا چاہے تو اوّل رائے عامہ سے استصواب کرے۔جب دستور میں ایک دفعہ

استصواب رائے عامہ اور اجماع سے منظور ہو گئی تو وہ متفق علیہ آئین کا جزو بن گئی اور اس پر عملاً کی مشروعیت کا مسئلہ طے ہو گیا۔

اسی اصول کے مطابق امیر المومنین یزیدؒ نے اپنے فرزند امیر معاویہ ثانی کو خلیفہ نامزد کیا۔ اور جب امیر المومنین معاویہ ثانی بغیر وصیت کئے وفات پا گئے تو ارباب حل وعقد نے باہم مشورے سے امیر المومنین حضرت مروان رضی اللہ عنہ کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور آپ کی خلافت کا اعلان کر دیا گیا۔ آئینی حیثیت سے صرف یہ اموی خلافت ہی حق تھی۔ کیونکہ اسے ارباب حل وعقد نے قائم کیا تھا۔ اسی وجہ سے بنو ہاشم اور اکابر صحابہ نے عبداللہ بن الزبیرؓ سے بیعت نہیں کی۔ ان سب کی ہمدردیاں دمشق کی آئینی خلافت کے ساتھ وابستہ تھیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اپنے اعزہ کو وصیت فرما گئے تھے کہ ان کی وفات کے بعد وہ حضرت ابن الزبیرؓ کی حکومت میں نہ رہیں بلکہ شام چلے جائیں۔ ان حضرات نے اسی پر عمل کیا۔ حضرت علی بن عبداللہ بن العباسؓ۔ امیر المومنین عبدالملکؒ کے ہاں محترم و معزز بھائی کی حیثیت سے مقیم تھے۔

جب امیر المومنین عبدالملکؒ نے ابن الزبیرؓ پر فتح پائی تو سب بنو ہاشم اور تمام وہ صحابہ جنھوں نے ان سے بیعت نہیں کی تھی وہ سب امیر المومنین عبدالملکؒ کی بیعت میں داخل ہو گئے اور سوائے خوارج کے کوئی نہ رہا جو اس بیعت میں داخل نہ ہوا ہو حتی کہ سبائیوں نے بھی تقیۃً یہ بیعت کر لی۔ اور یوں اموی خلافت میں استحکام آیا۔ جس کے نتیجے میں تین چوتھائی متمدن دنیا حلقہ بگوش اسلام ہو گئی اور تین براعظموں میں پرچم اسلام لہرایا۔

حضرت فاروق اعظمؓ کی وفات کے بعد عرب کسی غیر اموی کی خلافت قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ چنانچہ اہل مدینہ اور امراءِ عساکر کی بہت بھاری اکثریت نے حضرت عثمانؓ کے حق میں رائے دی بلکہ صحیح بخاری (ج ۲، کتاب الاحکام ص ۲۴۵-۲۴۶) سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کے حق میں اتنے لوگوں نے بھی رائے نہیں دی جنھیں شمار کے قابل کہا جا سکے۔ اور اسی لئے حضرت علیؓ کی حکومت متزلزل رہی اور ہر اعتبار سے حضرت معاویہؓ کی طرف امت کا رجحان ہوتا چلا گیا۔ یہ تاریخی حقائق ہیں انھیں خیالی روایتوں سے دبایا نہیں جا سکتا۔

اس سلسلے میں مودودی صاحب نے جن واہی روایات کا سہارا لے کر اوراق سیاہ کئے ہیں ان پر تبصرہ علوی خلافت کے تحت کیا جائے گا۔

بیت المال مودودی صاحب نے شمارہ مئی ۱۹۶۵ء (ص ۱۸۴) سے بیت المال کے امانت ہونے کے تصوّر کے تحت جو کچھ تحریر فرمایا ہے، اس سے ہمیں اتفاق ہے اور ہم فخر سے کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے تمام خلفاءؓ نے بیت المال کو امانت سمجھا اور کسی وقت اسے اپنی ملکیت نہ جانا۔ اس میں سے جو خرچ کیا اس کے لئے شریعت کے احکام کو پیش نظر رکھا۔ خلافت کی پوری تاریخ میں صرف ایک واقعہ امیرالمومنین المکتفی باللہؒ کا ہے کہ انھوں نے بیت المال سے سات لاکھ دینار تعمیرات کے لئے قرض لئے تھے لیکن افسوس کہ اسے ادا نہ کرسکے چونکہ کل چھ برس خلیفہ رہے اور عین جوانی میں وفات پائی۔ (تاریخ الخلفاء بروایت صولی) یہ روایت ہم اس لئے قبول کرتے ہیں کہ صولی کی ہے جو امیرالمومنین کے ہم عصر تھے گویا چھ سو برس کی تاریخ میں صرف یہ واقعہ ہے اور وہ بھی بیت المال پر تصرف کرنے کا نہیں بلکہ قرض لینے کا۔

مودودی صاحب اور دوسرے لوگ جو حضرت معاویہؓ سے لے کر بعد کے سب خلفاء پر یہ بہتان باندھتے ہیں کہ وہ بیت المال کو اپنی ذاتی ملکیت سمجھتے تھے اور جس طرح چاہتے تھے اس میں تصرف کرتے تھے، ان میں سے جو حضرات بدنیت نہیں ہیں بلکہ غلط فہمی کا شکار اور دشمنان صحابہ وخلفاء کے پروپگنڈے سے متاثر ہیں ان کی غلط فہمی ہم رفع کرنا چاہتے ہیں:۔

مملکت اسلامیہ کی مستقل آمدنی، امیرالمومنین معاویہؓ کے عہد مبارک میں ان مدوں سے تھی (۱) زکوٰۃ (۲) جزیہ (۳) عشر (۴) خراج (۵) عشور (۶) لاوارث غیر مسلم کا ترکہ (۷) نذرانہ وفتوح (۹) الکورہ (۱۰) خمس (۱۱) فیٔ وغیرہ۔ آخر الذکر غیر مستقل مدیں تھیں۔ یہاں ہم بخوفِ طوالت خمس اور فیٔ سے بحث کرنا چاہتے ہیں۔

مملکت اسلامیہ کی آمدنی میں یہ دو مدیں بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ اگر انھیں سمجھ لیا جائے تو بہت سی غلط فہمیاں رفع ہو جائیں گی۔ عین میدانِ جنگ میں جو مال حاصل ہو اسے غنیمت کہا جاتا ہے۔ اس کے چار حصے فوج پر تقسیم کر دئے جاتے تھے اور پانچواں حصہ مرکز کو بھیج دیا۔

جاتا تھا۔ اس پانچویں حصے کے پھر پانچ حصے کئے جاتے تھے۔ ایک حصہ امیر المومنین کے ذاتی اخراجات کے لئے تھا اور چار حصوں میں ایک حصہ بنو ہاشم اور بنو المطلب کا تھا۔ باقی یتامیٰ مساکین اور مسافروں وغیرہ کے لئے تھا۔

فئی وہ منقولہ اور غیر منقولہ جائداد تھی جو بغیر جنگ کے حاصل ہو۔ اس کے بھی اسی طرح پانچ حصے کئے جاتے تھے اور انہی مدوں میں خرچ ہوتا تھا۔ علماء و فقہاء کا اس بارے میں اختلاف ہے اور ہم فی الحال اس پر بحث نہیں کرتے۔ کیونکہ یہ ایک مستقل عنوان ہے۔ ہم صرف تعامل خلفاء کو دیکھتے ہیں۔

امام جب غنیمت اور فئی میں اپنا حصہ لے لے تو وہ اس کی ذاتی ملکیت ہوتی تھی اور جب تک وہ اپنے منصب پر فائز رہتا اسے اس مال میں تصرف کا وہی حق تھا جو ہر آدمی کو اپنے مال میں ہوتا ہے۔ غنیمت اور فئی کا مال شریعتِ اسلام کے مطابق حسب فرمان الٰہی ایک غیر مقصود غیر متعین اور غیر مستقل مال ہوتا ہے اسی لئے اللہ تعالےٰ نے اس آمدنی کو الانفال کہا ہے (زائد آمدنی)

اب یہ اتفاق تھا کہ عہد صدیقی ہی سے جنگوں کا سلسلہ مستقل طور پر شروع ہو گیا۔ اس طرح مسلمانوں کو بے حد و بے حساب دولت ملنے لگی اور امیر المومنین کا پچیسواں حصہ اتنا کثیر ہونے لگا جس کا ہم اس وقت تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ ہر مالدار آدمی کی طرح امیر المومنین کا بھی اپنا بیت المال ہو اور اس کا اپنا عملہ ہو۔ خلفاء کرامؓ لوگوں کو جو انعام واکرام دیتے تھے وہ سب ان کے اسی نجی بیت المال سے ہوتا تھا۔ چونکہ دونوں کے لئے لفظ بیت المال ہی مستعمل ہے اس لئے لوگوں نے دھوکہ کھایا اور سمجھے کہ یہ داد و دہش سب عام بیت المال سے ہوتی تھی۔

اگر ہم تھوڑا سا بھی غور کریں تو عام بیت المال کے اخراجات کی جو مدیں متعین ہیں وہ ایسی ہیں کہ ان میں بے اعتدالی کا امکان نہیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ عہد فاروقی سے دیوان کا محکمہ قائم تھا۔ جس کے تحت تمام مملکت کے عرب اور غیر عرب افراد وظیفہ پاتے تھے اس کی تفصیل امام شافعیؒ نے کتاب الام میں دی ہے (ملاحظہ ہو ج ۴، ص ۱۵۸ طبع مصر

مکتبۃ الازھریہ) یہ نظام امام موصوف کے زمانے تک جاری تھا۔ اس میں بعض گھروں کا تقدم و تاخر حضرت معاویہؓ کے عہد میں ہوا اور پھر امیر المومنین محمد المہدی العباسیؒ کے عہد مبارک میں۔ گویا اس وقت تک اس نظام کا پوری طرح قائم رہنے کا یہ دستاویزی ثبوت موجود ہے اور یہ عصری شہادت ہے۔ اس کے بعد بھی یہ سلسلہ یقیناً قائم رہا کیونکہ امور خلافت میں اختلال تو بنی بویہ کے استیلاء کے بعد آیا۔ اس نظام کے تحت مملکت اسلامیہ میں بچہ پیدا ہوتے ہی وظیفہ کا مستحق ہو جاتا تھا۔ اور مملکت اسلامیہ دار الاسلام کے ہر شہری کی بنیادی ضرورتوں کی کفیل تھی۔

پھر بنو ہاشم اور بنو المطلب کا جو حصہ تھا اس کے بارے میں بھی فقہاء کا اختلاف ہے مگر خلفاء کا تعامل یہ ہے کہ اموی اور عباسی خلافتوں میں یہ روپیہ برابر تقسیم ہوتا تھا۔ امویوں کے زمانے میں جن افسروں کے ذریعہ اس کی تقسیم ہوتی تھی وہ عریف کہلاتے تھے اور عباسیوں کے زمانے میں انھیں نقیب کہا جاتا تھا۔ ہم نے اپنی کتاب "تحقیق سیّد و سادات" میں اس کو تفصیلاً بیان کیا ہے۔

اپنے اپنے وقت میں ہر خلیفہ نے اس پورے نظام کو زیادہ سے زیادہ رفاہی بنانے کی پوری کوشش کی۔ اس کی تفصیلات بیان کرنے کے لئے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے۔ یہاں ہم صرف ایک متعصب غیر مسلم سر ولیم میور کا بیان دینے پر اکتفا کرتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو عرب ایڈمنسٹریشن مؤلفہ حسنی)

> ایک بڑی قوم اپنا تمام مالیہ تمام غنیمت اور فتوحات کو اس طرح آپس میں بانٹ لے اور اس کی بناء اوّل تو رکھے مساویانہ اخوت پر پھر فوجی امتیازات پہ اور پھر روحانی درجات پر، یہ ایک ایسا نظارہ تھا جس کی غالباً دنیا میں کہیں نظیر نہیں ملتی۔

اس بے نظیر اور عظیم الشان نظام کا صدیوں برقرار رہنا اس کی اجازت کب دیتا ہے کہ خلفاء اسلامؓ عام بیت المال میں خلاف قاعدہ کوئی تصرف کر سکتے۔ اور اگر کرتے تو کیا مسلم معاشرہ اس سنام اعلیٰ تک پہنچ سکتا تھا جہاں تک پہنچا کہ اہل عالم کو

ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ خلفاء اسلامؓ نے رفاہ عام کے امور کو جس طرح ترقی دی اور قدم قدم اور عہد بعہد ہم جس کے ارتقائی منازل دیکھتے ہیں ان کے باوجود اگر لوگ ان پر عام بیت المال میں ناجائز تصرف کا بہتان رکھتے ہیں تو رکھیں مگر وہ وعید بھی ذہن میں رہے جو بہتان طرازی اور افترا پردازی پر قرآن مجید میں ہے۔

یہاں ایک بات اور ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ جہاں خلیفہ اپنے خمس اور فئی میں تصرف کا پورا حق رکھتا تھا وہاں یہ بات بھی تھی کہ منصب سے معزول ہونے یا وفات پانے پر خلیفہ کا وارث خلیفہ ہوتا تھا نہ اس کے شرعی وارث۔ تاریخ کا معمولی مطالعہ بھی جنھوں نے کیا ہوگا۔ انھیں یہ چیز ملی ہوگی کہ جس وقت خلیفہ کی آنکھ بند ہوتی تھی اس کے محل کا ایک ایک کمرہ سر بمہر کر دیا جاتا تھا۔ اور نئے خلیفہ کے تقرر پر کھولا جاتا تھا۔ جانے والے خلیفہ کے کپڑوں تک کا وارث ہونے والا خلیفہ ہوتا تھا۔ اس لئے کہ خلیفہ کے تصرف میں جو کچھ ہوتا وہ مرکزی حکومت کی ملکیت سمجھی جاتی تھی۔ وہ منصب پر فائز ہونے تک بیشک ہر قسم کے اختیارات کا حق رکھتا تھا مگر دور حکومت ختم ہوتے ہی اس کے مالکانہ اختیارات بھی سلب ہو جاتے تھے۔ اور اس کی منقولہ وغیر منقولہ سب جائداد اس کے جانشین کی طرف منتقل ہو جاتی تھی۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؓ کے خلیفہ ہونے کے بعد انکی زکوٰۃ کا روپیہ ہزاروں دینار ہوتا تھا (امام ذہبیؒ المنتقی ص ۱۹۴) خلیفہ ہونے سے پہلے بھی حضرت علیؓ کی مالی حیثیت اگرچہ کم نہ تھی مگر ایسی بھی نہ تھی کہ اتنی زکوٰۃ نکالتے۔ وہ تو جب مرکزی حکومت کی جائداد ان کے تصرف میں آئی اور غنیمت وفئی کا پچیسواں حصہ ان کی طرف منتقل ہوا تب مال و دولت میں اتنا کثیر اضافہ ہوا کہ ہزاروں دینار زکوٰۃ نکالتے تھے۔

مودودی صاحب نے اس سلسلے میں ایک وضعی مردود روایت بیان تو کر ڈالی مگر حیا نہ آئی کہ سند میں اس کی پیش کیا ہے ابن ابی الحدید اور الامامہ والسیاسۃ کے مولف جیسے غالی رافضیوں کو پھر غضب یہ ڈھایا ہے کہ تمام اہل تحقیق کی رائے اور تحقیق سے اغماض کر کے مصنف اس کتاب الامامہ کا قرار دے لیا ہے کتاب المعارف کے مصنف علام امام ابی محمد بن مسلم بن قتیبہ الدینوری متوفی ۲۷۶ھ کو حالانکہ روز روشن

کی طرح ثابت ہو چکا ہے کہ الامامۃ والسیاسۃ نہ ان کی تصنیف سے ہے اور نہ قدما میں سے کسی نے ان کی تصانیف میں اسے شامل کیا ہے۔ اور نہ ان کی کسی تصنیف خصوصاً المعارف کے مضامین سے اس کے مندرجات کی کوئی مناسبت و مماثلت ہے۔

وضعی روایت مودودی صاحب بیان فرماتے ہیں (شمارہ مئی ۱۹۶۵ء)

"حضرت علیؓ کا جس زمانے میں حضرت معاویہؓ سے مقابلہ درپیش تھا لوگوں نے ان کو مشورہ دیا کہ جس طرح حضرت معاویہؓ لوگوں کو بے تحاشا انعامات اور عطیے دے دے کر اپنا ساتھی بنا رہے ہیں آپ بھی بیت المال کا منہ کھولیں اور روپیہ بہا کر اپنے حامی پیدا کریں مگر انھوں نے یہ کہکر ایسا کرنے سے انکار کر دیا کہ "کیا تم چاہتے ہو میں ناروا طریقوں سے کامیابی حاصل کروں"

ایک صحابی اور کاتب وحی کی امانت و دیانت پر غالی رافضیوں اور سبائیوں کی مفتریات کا سہارا لے کر وہی شخص ایسا بیان دے سکتا ہے جس کے دل میں صحابہ کی عظمت کا شائبہ نہ ہو اور جو خیرالقرون اور پہلی صدی ہجری کی امت کو دین فروش اور بے ضمیر سمجھ لے۔

ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغۃ کو مودودی صاحب جب ان معاملات میں سند مانتے ہیں تو کیا انھوں نے اصل کتاب نہج البلاغۃ میں حضرت علیؓ کے ایک خطبہ کے وہ فقرات نہیں ملاحظہ فرمائے جن میں بالفاظ واضح اپنے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ معاویہؓ کے ساتھی تو بلا کسی عطیہ اور بخشش کے ان کا ساتھ دے رہے ہیں اور میں تمھیں عطیات کے علاوہ امدادی رقوم بھی دیتا ہوں مگر پھر بھی تم مجھ سے پراگندہ و منتشر ہو جاتے ہو۔ نہج البلاغۃ کے مشمولہ خطبہ ۱۸۰ کے فقرات یہ ہیں:-

"اَوَلَیْسَ عَجَبًا اَنَّ مُعَاوِیَۃَ یَدْعُوا الْجُفَاۃَ الطَّغَامَ فَیَتَّبِعُوْنَہٗ عَلٰی غَیْرِ مَعُوْنَۃٍ وَّلَا عَطَاءٍ (الی آخرہ) یعنی کیا یہ عجیب بات نہیں کہ معاویہؓ تو تند مزاج جفاکاروں کو دعوت دیتے ہیں اور وہ بغیر کسی بخشش و عطیہ

کے ان کی پیروی کرتے ہیں اور میں تمھیں تمہارے معینہ عطیوں کے علاوہ امدادی قوم دیتا ہوں پھر بھی تم مجھ سے پراگندہ و منتشر ہو جاتے ہو اور مخالفتیں کرتے ہو (نہج البلاغۃ)

ملاحظہ کیا آپ نے مودودی صاحب کی بیان کردہ مردود روایت کی خود حضرت علیؓ کے قول سے کیسی کچھ تردید و تکذیب ہو گئی۔ اب دیکھئے ایک دوسرے شیعہ مورخ ابن جریر طبری خاص عنوان کے تحت بیان کرتے ہیں کہ اپنے ساتھیوں کے لئے "بیت المال کا منہ کھولنے" کی تدبیر تو خود حضرت علیؓ کی جانب سے ہوئی تھی وہ لکھتے ہیں :-

ولما فرغ علیٌ من بیعۃ اھل البصرۃ نظر فی بیت المال فاذا فیہ ستمائۃ الف وزیادۃ فقسمہا علی من شھد معہ فاصاب کل رجل منھم خمسمائۃ خمسمائۃ وقال لکم ان اظفرکم اللہ عزوجل بالشام مثلھا الی اعطیاتکم۔ (طبری ج ۵ ص ۲۲۳ طبع اولیٰ)	(حضرت) علی جب اہل بصرہ کی بیعت سے فارغ ہو گئے تو انہوں نے جائزہ بیت المال کا لیا ساٹھ لاکھ سے زیادہ رقم اس میں تھی جو انھوں نے ان لوگوں میں تقسیم کر دی جو ان کے ساتھ لڑائی میں شریک تھے۔ ہر شخص کے حصے میں پانچ پانسو کی رقم آئی پھر ان سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ملک شام میں تمھیں فتح یاب کرے تو اتنی ہی اور رقم عطیوں کے علاوہ تمھیں ملے گی۔

طبری جس کے حوالے مودودی صاحب نے بار بار دیئے ہیں ان کے نزدیک بڑا معتبر ماخذ ہے اس کی مندرجہ بالا عبارت سے زیادہ اور کیا ثبوت "بیت المال کا منہ کھولنے" اور مال المسلمین کو حضرت علیؓ ہی کی جانب سے اپنے حامیوں میں تقسیم کئے جانے کا ہو سکتا ہے مگر پانسو روپیہ فی کس انعامات ملنے اور اتنی رقم کے وعدوں کے باوجود یہ عراقی کرایہ کے سپاہی MERCENARY ایسے نابکار اور بے وفا ثابت ہوئے کہ حضرت موصوف کو بار بار ان کے شکوے اور مذمت میں ایسے کلمات کہنے پڑے جو مؤلف نہج البلاغہ نے ان کے متعدد خطبات میں لکھے ہیں مثلاً :-

منیت بمن لا یطیع اذا امرت ولا	میں ایسے لوگوں میں مبتلا کر دیا گیا ہوں جو نہ

یجیب اذا دعوت (نہج البلاغۃ)	کہنا مانتے ہیں اور نہ پکار کا جواب دیتے ہیں۔

دوسرے خطبے میں اپنے آدمیوں کی بیوفائی سے بد دل ہو کر یوں بد دعا دیتے ہیں :۔

قاتلکم اللہ لقد ملأتم قلبی قیحا وشحنتم صدری غیظاً (ایضاً)	اللہ تم لوگوں کو ہلاک کر دے تم نے میرے دل کو (غم کی) پیپ سے بھر دیا اور میرے سینہ کو غصہ سے۔

آخر میں کرایہ کے ان سپاہیوں کی نافرمانیوں کی نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ حضرت علیؓ ان سے پیچھا چھڑانا چاہتے تھے کس حسرت سے فرماتے ہیں :۔

واللہ ان معاویۃ صارفنی بکم صرف الدنیاء الدینار بالدرھم فاخذ منی عشرۃ منکم واعطانی رجلاً منھم (نہج البلاغۃ قسم اول ص ۲۵۴)	قسم بخدا میں آرزو کرتا ہوں کاش معاویہ مجھ سے تمہارا مبادلہ کر لیں جس طرح اشرفیاں روپؤں سے بدلی جاتی ہیں وہ مجھ سے دس آدمی تم میں سے لے لیں اور اپنا ایک آدمی مجھے دیدیں۔

ان دونوں بزرگواروں علیؓ و معاویہؓ کے پوزیشن کا فرق جو ان کی رعایا اور لشکریوں کی اطاعت و فرمانبرداری کے اعتبار سے اوّل سے آخر تک قایم رہا یہ تھا کہ حضرت معاویہؓ تو تقریباً بیس برس سے ملک شام میں شالی حکمراں رہے تھے اور اپنے حسن تدبیر اور حد درجہ حلم و کرم سے رعایا و لشکریوں میں اس درجہ محبوب تھے کہ ادنیٰ اشارے پر تمام لشکری اپنی جانیں لڑا دینے کو ہر وقت تیار رہتے اور اب تو اپنے امام مظلوم کے قاتلوں اور بلوائیوں سے جو حضرت علیؓ کی فوج میں شامل تھے جس کا اقرار مودودی صاحب کو بھی ہے اشمارہ جون ص ۲۴۰) قصاص لینے کا ایسا جوش تھا کہ انھیں کسی مزید عطیہ و معاوضہ ملنے کا خیال بھی نہ ہو سکتا اور نہ تھا برخلاف اس کے عراقیوں کو گھمنڈ اس بات کا تھا کہ جس سیاسی انقلاب کے نتیجے میں حضرت علیؓ کو زمام خلافت ہاتھ میں لینے کا موقع ملا وہ ہم ہی نے برپا کیا تھا ہم ہی نے لوگوں سے ان کی بیعت کرائی ہم ہی ان کی حربی قوت کی ریڑھ کی ہڈی میں ہمارا کہنا انہیں بہرحال کرنا ہوگا اور ہمارے مطالبات ماننے پڑیں کے الاشتر سبائی لیڈر حضرت علیؓ کا سب سے زیادہ معتمد علیہ تھا اس کے ساتھیوں اور اپنے رشتہ داروں کا تعاون حاصل کرنے کے لئے وہ مجبور رہتے۔ مودودی صاحب کو خود بھی اس بات کا اقرار ہے (شمارہ جولائی ص ۳۲۳-۳۲۴) کہ حضرت

عثمانؓ کے دور خلافت میں" اعلیٰ درجہ کی صلاحتیں رکھنے والے اصحاب میں سے ایک گروہ ان کے ساتھ تعاون نہیں کر رہا تھا...... ان حالات میں وہ انہی لوگوں سے کام لینے پر مجبور تھے جن پر وہ پوری طرح اعتماد کرسکیں" حضرت علیؓ کے حامیوں میں اکثریت سبائی عراقیوں کی تھی وہ اپنے ان ساتھیوں کے مطالبات پورا کرنے اور ان پر روپیہ صرف کرنے کے لئے مجبور بھی تھے۔ وہی خوبیہ جیسے آزاد مورخ کا یہ قول مودودی صاحب کی کتب ماخذ کی تصریحات پر مبنی ہے کہ" بلوائیوں کے جم غفیر نے (حضرت) علی کو خلافت دلوائی اور طلحہ و زبیر کو ان کی بیعت کرنے پر مجبور کیا...... علی کے لئے ضروری ہو گیا کہ وہ اپنے حامیوں کی خواہشات کو پورا کریں جو بہر حال غیر مناسب و متناقض ہوتی تھیں (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا[لے]) ان تاریخی حقایق کی روشنی میں ابن ابی الحدید کی مردود روایت کے سہارے مودودی صاحب کا بیان قطعاً باطل ہے

لغو اتہام مودودی صاحب نے ایک اور وضعی روایت کے چند لفظ الامامة والسیاسة کے حوالے سے نقل کر کے حضرت عقیلؓ بن ابی طالب پر اتہام لگایا ہے اور لکھا ہے کہ:۔

> " ان سے (حضرت علیؓ سے) خود ان کے بھائی حضرت عقیلؓ نے چاہا کہ وہ بیت المال سے ان کو روپیہ دیں مگر انھوں نے یہ کہکر انکار کر دیا کہ" کیا تم چاہتے ہو کہ تمہارا بھائی مسلمانوں کا مال تمھیں دے کر جہنم میں جائے۔"

ایک غالی مصنف کی کتاب سے مندرجہ بالا چند لفظ نقل کرتے وقت مودودی صاحب نے یہ نہ سوچا کہ حضرت عقیلؓ قصاص خون عثمانؓ کے مطالبہ میں چونکہ حضرت معاویہؓ کے ساتھ

لے THE MASS OF THE MUTINEER - SUMMONED ALI TO THE CALIPHATE, AND COMPELED EVEN TALHA AND ZOBAIR TO DO HIM HOMAGE....... IT WAS NECESSARY THAT HE (ALI) SHOULD ACCOMMODATE HIMSELF TO THE WISHES OF HIS SUPPORTERS WHICH, HOWEVER, WERE INCONSISTENT. (ENCY. BRIT. VOL. V ED. 10. 11. P. 25, 26)

تھے لہٰذا وضعی روایتوں میں ان کے خلاف بہت کچھ زہر اگلا گیا ہے اس لئے ایک بے سند روایت قبول کرتے وقت جو ان کے ماخذ میں محض لفظ "ذکروا" کے ساتھ درج ہے بڑی احتیاط کی ضرورت تھی مگر وہ ایسا کیوں کرتے جب مقصد ہی حضرت معاویہؓ اور ان کے حامیوں کو ہدف ملامت بنانے کے لئے واہی روایتوں کا سہارا لینا تھا۔ اب ہم بتاتے ہیں کہ مودودی صاحب نے اپنے ماخذ الامامۃ والسیاسۃ کا حوالہ دے کر بھی راوی کے بیان کا اخفا کرنے اور اپنے مطلب کے چند لفظ لے لینے میں ایسی تدلیس وتلبیس کا مظاہرہ کیا ہے جو ان کے درجے اور علمی مرتبے کے منافی ہے۔

سبائی راویوں کو حضرت عقیلؓ کا اپنے بھائی کے خلاف حضرت معاویہؓ کا ساتھ دینا بہت اکھرتا تھا خصوصاً اس حقیقت کے پیش نظر کہ حضرت علیؓ کے ایام خلافت میں ان کے اپنے گھرانے کے متعدد اشخاص اور عزیز قریب جن کا ذکر مودودی صاحب نے بھی کیا ہے (شمارہ جولائی ۱۹۶۵ء ص ۳۳۳) نہ صرف ان کی خانہ جنگیوں میں ان کے ساتھ رہے تھے۔ بلکہ گورنری وغیرہ عہدوں پر بھی مامور رہے لیکن کسی عقیلی کا نام نہ ان کے عمال حکومت میں کہیں ملتا ہے اور نہ اُن میں سے کسی نے جمل وصفین کی لڑائیوں میں ان کا ساتھ دیا حالانکہ کئی فرزندان عقیل حضرت علیؓ کے داماد بھی تھے۔ ظاہر ہے کہ حضرت عقیلؓ اور ان کے فرزند طلب قصاص خون عثمانؓ میں حضرت علیؓ کے طرز عمل اور پالیسی کے خلاف تھے۔ الامامۃ والسیاسۃ کے مولف نے جو اس زمانے سے تقریباً دو سو پونے دو سو برس بعد کتاب تالیف کر رہا ہے۔ حقیقت حال کی پردہ پوشی کے لئے پہلے تو حضرت عقیلؓ کا ایک مکتوب بنام حضرت علیؓ وضع کر کے نقل کیا ہے۔ جس میں انھوں نے لکھا تھا کہ میں عمرے کے لئے گیا تھا دیکھا کہ "عائشہ وطلحہُ وزبیر وغیرہٗ بصرے جا رہے ہیں انھوں نے نکث بیعت کیا ہے تم پر الزام قتل عثمانؓ دھر لیا ہے" رکبوا علیک قتل عثمانؓ بہت سے باغی اور اوباش ان کے ساتھ ہو لئے ہیں۔ بنی امیہ کے "ابناء الطلقاء" میں سے چالیس سوار بھی عبداللہ بن ابی سرح کے ساتھ معاویہ کے پاس جا رہے تھے۔ مجھے تمہاری سلامتی کا خوف ہے لکھو تو میں تمہارے بھتیجوں اور تمہارے باپ کی اولاد بنی اخیک و ولد ابیک کو تمہاری مدد کے لئے

بھیجدوں" اس کے جواب میں حضرت علیؓ کا جو مکتوب وضع کیا ہے اس میں سبائی طرز پر یہ لکھوایا ہے کہ قریش آج تمہارے بھائی کے خلاف لڑنے کو اسی طرح مجتمع ہو گئے ہیں جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مجتمع ہو گئے تھے۔ انھوں نے میرے حق کو جھٹلا دیا۔ میرے فضل کا انکار کیا۔ اللہ کے نور کو بجھانے کی کوشش کی ہے اور میرے ابن عم (مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے) کی حکومت و سلطنت مجھ سے چھینتے ہیں وسلبتنی سلطان ابن عمی میں ان کے خلاف جہاد کروں گا تمھیں اپنے بیٹوں اور اپنے باپ کی اولاد بنی ابیک کو میرے پاس بھیجنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے" اس وضعی مراسلت کے دو تین مہینے بعد ہی مودودی صاحب کے اس معتبر مولف نے حضرت عقیلؓ کو پیرانہ سالی میں کہ اس وقت ۵۰ برس کے لگ بھگ تھے آٹھ سو میل کی طویل مسافت طے کرا کے مدینہ سے کوفہ محض اس غرض سے پہنچا دیا کہ قحط پڑ جانے سے بوجہ گرانی اشیاء ان پر کچھ قرض ہو گیا اس کی ادائیگی کے لئے بھائی کے پاس آئے تھے چنانچہ قدوم عقیل بن ابی طالب علی معاویۃ" کے عنوان سے وہ روایت لکھی ہے جس کے چند لفظ مودودی صاحب نے نقل کئے ہیں یعنی حضرت عقیلؓ کو جب کوفے اپنے بھائی کے پاس راوی نے پہنچا دیا تو لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے خوش آمدید کہا پوچھا آپ کیسے آئے کہا" رقم وظیفہ اب تک نہیں ملی ہمارے ملک میں قحط پڑ جانے سے گرانی اشیاء کی ہے مجھ پر قرض بہت ہو گیا اس لئے آیا ہوں کہ میری مدد کرو" حضرت علیؓ نے کہا بخدا میرے پاس اپنے وظیفے کی رقم کے سوائے اور کچھ نہیں وہی تم لے جا سکتے ہو۔ حضرت عقیلؓ نے فرمایا تو کیا میں حجاز سے یہاں تمہارے وظیفے کی رقم وصول کرنے آیا ہوں اس سے میرا کیا بھلا ہو گا' میری حاجت کیسے پوری ہو گی یہ سنکر راوی نے حضرت علیؓ کے منہ سے یہ فقرے ادا کرائے ہیں ھل تعلم لی مالا غیرہ ءام تریدان یحرقنی اللہ فی نار جھنم فی صلتک باموال المسلمین یعنی کیا تم سمجھے ہو کہ میرے پاس اس کے سوائے اور مال ہے؟ کیا تم چاہتے ہو کہ مسلمانوں کا مال تمھیں دے دوں کہ اللہ جہنم کی آگ میں مجھے جھونک دے" اس پر حضرت عقیلؓ کے منہ سے کہلوایا ہے واللہ اب تو میں اس شخص کے پاس چلا جاؤں گا جو تم سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والا ہے اس سے مراد ان کی حضرت معاویہؓ سے تھی چنانچہ راوی

لکھتا ہے کہ وہ کوفے سے سیدھے دمشق جا پہنچے۔ حضرت معاویہؓ نے ان کا اکرام کیا اہل شام سے یہ کہہ کر تعارف کرایا ھذا سیّد قریش وابن سید ھا یہ قریش کے سردار اور سردار قریش کے فرزند ہیں پھر انھیں بقول اس جھوٹے راوی کے اور کچھ نہیں تو تیس لاکھ اشرفیاں دلوائیں وامر لہ معاویۃ بثلثمائۃ الف دینار (الامامہ والسیاستہ ج ۱ ص ۸۴) یہ ہے لغو روایت جس کے چند لفظ تو مودودی صاحب نے لے لئے روایت پوری بیان کرنے کی ہمت یقیناً اسی خوف سے نہیں ہوئی کہ اس کا ہر فقرہ ساختگی کی غمازی کر رہا ہے مودودی صاحب کی نیت نیک ہوتی تو یہ غور کرتے کہ حضرت عقیلؓ نسباً ہاشمی ہونے کی بنا پر بیت المال میں نہ صرف واجبی حق خمس کا رکھتے تھے بلکہ دیوان فاروقی کے مطابق وہ اور ان کے بیٹے مزید حقدار تھے ایسا اگر کوئی واقعہ پیش بھی آیا تو انھیں ان کا حق دینا اور قرض ادا کرنا مسلمانوں کے مال میں تصرف کس طرح کہا جاسکتا تھا یہاں ہم امام شافعیؒ کی کتاب الام سے استشہاد کرتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ حضرت علیؓ کے نزدیک بیت المال میں بنو ہاشم کا حق تھا (ملاحظہ ہو ج ۴ ص ۱۴۸)

عن جعفر بن محمد عن ان ابیہ ان حسنا وحسینا وعبد اللہ بن عباس وعبد اللہ بن جعفر سئالو علیاً نصیبھم من الخمس فقال ھو لکم حق ولکنی محارب معاویۃ فان شئتم ترکتم حقکم منہ۔	جعفر بن محمد (بن علی بن حسین) سے مروی ہے انھوں نے اپنے والد کا حوالہ دیا کہ حسن وحسین وعبد اللہ بن عباس و عبد اللہ بن جعفر نے (حضرت) علیؓ سے خمس میں سے اپنا حصہ مانگا انھوں نے کہا وہ تمہارا حق ہے مگر میں اس وقت معاویہؓ سے جنگ میں مشغول ہوں اس لئے اگر تم چاہو تو اس وقت اس میں سے اپنا حصہ نہ لو۔

امام شافعیؒ کی اس روایت سے جو باسناد صحیح بیان ہوئی ہے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ اپنی خلافت کے استحکام کے لئے بیت المال مسلمین میں سے بے دریغ روپیہ صرف کر رہے تھے وہاں مودودی صاحب کی بیان کردہ اس مردود روایت کا بھی ابطال ہو جاتا ہے کیونکہ حضرت عقیلؓ کو کوئی ایسا واقعہ پیش آیا ہوتا تو حضرت علیؓ جو بیت المال میں بنو ہاشم کا حق مانتے تھے ادائیگی سے انکار نہیں کر سکتے تھے لیکن یہ سارا قصہ ہی وضعی و من گھڑت ہے اور

حضرت عقیلؓ کے حضرت معاویہؓ کا ساتھ دینے کی لغو تاویل کے لئے گھڑ لیا گیا ہے۔

شہادت مظلومیت عثمان ذی النورینؓ

مودودی صاحب کا عنوان ہے "دوسرا مرحلہ" (ص ۲۵۴) اس میں فرماتے ہیں :-

"حضرت عثمانؓ کی پالیسی کا یہ پہلو اگرچہ بہت سے لوگوں کو ناگوار تھا لیکن بحیثیت مجموعی ان کی خلافت میں خیر اس قدر غالب تھی اور اسلام کی سربلندی کا اتنا بڑا کام ان کے عہد میں ہو رہا تھا کہ عام مسلمان پوری مملکت میں کسی جگہ بھی ان کے خلاف بغاوت کا خیال تک بھی دل میں لانے کے تیار نہ تھے"

لکھنے کو تو "عمومیت کا اظہار کیا ہے مگر ان بہت سے لوگوں" میں دو چار کے نام بھی مودودی صاحب نے نہیں لکھے جو حضرت عثمانؓ کی اس پالیسی کے خلاف تھے یعنی انھیں یہ ناگوار تھا کہ انھوں نے اپنے قریبی عزیزوں کو حکومت کے مناصب پر اس طرح فائز کر دیا کہ "خراسان سے لے کر شمالی افریقہ تک کا پورا علاقہ ایک ہی خاندان کے گورنروں کی ماتحتی میں" آ گیا (ص ۱۵۱ ج ون)

اگر کسی مہاجر کا کسی انصاری کا یا عرب کے کسی ذی اقتدار شخص کا نام مودودی صاحب نے لکھا ہوتا تو اس پر غور کیا جا سکتا تھا لیکن نام کسی کا وہ کیسے بتا سکتے تھے جب کہ صورت حال یہ تھی اور وہ خود بھی یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ مخالفین کا ایک نہایت مختصر گروہ ان لوگوں کا تھا جنھیں عوام میں نہ کوئی مقبولیت حاصل تھی اور نہ کسی شہر میں ان کی عددی قوت ایسی تھی کہ وہاں وہ امت کے متفق علیہ امام اور اس کے مقرر کردہ والیوں کے خلاف بغاوت کر سکیں۔ صراحت کرنے کی تو انھوں نے ہمت نہیں کی مگر ہم بتاتے ہیں کہ وہ عبداللہ بن سبا کے جال میں پھنس جانے والے ہزار دو ہزار آدمیوں کا مختصر گروہ تھا۔ مودودی صاحب خود معترف ہیں۔ (ج ون ص ۲۵۴- ۲۵۵)

"یہی وجہ ہے کہ جو مختصر گروہ ان کے (یعنی امیر المومنین حضرت عثمان صلوات اللہ علیہ کے) خلاف شورش برپا کرنے اٹھا اس نے بغاوت کی دعوت عام دینے کی بجائے سازش کا راستہ اختیار کیا۔ اس تحریک کے

علم بردار مصر، کوفہ اور بصرہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اُنھوں نے باہم خط و کتابت کر کے خفیہ طریقے سے یہ طے کیا کہ اچانک مدینہ پہنچ کر حضرت عثمانؓ پر دباؤ ڈالیں۔ اُنھوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف الزامات کی ایک طویل فہرست مرتب کی جو زیادہ تر بالکل بے بنیاد یا ایسے کمزور الزامات پر مشتمل تھی جن کے معقول جوابات دئے جا سکتے تھے اور بعد میں دئے بھی گئے۔

پھر باہمی قرارداد کے مطابق یہ لوگ جن کی تعداد دو ہزار سے زیادہ نہ تھی، مصر، کوفہ، اور بصرے سے بیک وقت مدینہ پہنچے۔ یہ کسی علاقہ کے نمائندے نہ تھے بلکہ ساز باز سے انھوں نے اپنی ایک پارٹی بنائی تھی۔ جب یہ مدینہ کے باہر پہنچے تو حضرت علی، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کو انھوں نے اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی مگر تینوں بزرگوں نے ان کو جھڑک دیا اور حضرت علیؓ نے ان کے ایک ایک الزام کا جواب دے کر حضرت عثمان کی پوزیشن صاف کی۔

مدینہ کے مہاجرین و انصار بھی جو دراصل اس وقت مملکت اسلامیہ میں اہل حل و عقد کی حیثیت رکھتے تھے ان کے ہم نوا بننے کے لئے تیار نہ ہوئے۔ مگر یہ لوگ اپنی ضد پر قائم رہے اور بالآخر اُنھوں نے مدینہ میں گھس کر حضرت عثمانؓ کو گھیر لیا۔"

یہ بیان مودودی صاحب کو بھی اس حد تک تسلیم ہے کہ وہ اسے پیش کرنے پر مجبور ہوئے، اسے جب کوئی غیر جانب دار شخص دیکھے گا تو وہ یہ کہنے پر مجبور ہو جائیگا کہ مودودی صاحب نے جن تفصیلات کے ساتھ حضرت عثمانؓ کی فرد جرائم مرتب فرمائی ہے وہ خود ان کے دل کی آواز ہے اس سے ہم عصر امت کسی درجے میں بھی متفق نہ تھی۔ حضرت امیر المومنین اور ان کے والیوں کی مقبولیت و محبوبیت کا یہ عالم تھا کہ جو حکومت دو براعظموں میں پھیلی ہوئی تھی اس میں سے ابن سبا، اور اس کے خاص چیلوں کو چھ برس کی مسلسل جد و جہد کے بعد صرف چند ہزار آدمی مل سکے اور وہ بھی کسی ایک علاقے کے نہیں بلکہ متفرق بستیوں میں سے یعنی کسی ایک اسلامی بستی میں بھی ان کی عددی قوت اتنی نہ تھی کہ وہاں کی سیاست پر

اثر انداز ہوسکیں۔

پھران گم راہ لوگوں میں بھی سب کے سب ایسے نہ تھے کہ دل سے اس تحریک کے مقاصد سے متفق ہوں بلکہ چند باتوں کو غلط رنگ میں پیش کر کے وقتی طور پر انھیں اپنا شریک بنا لیا جاتا تھا۔ کبھی کہتے کہ یہ قریش سب عالمِ اسلام پر حاوی ہو گئے ہیں کبھی کہتے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ داروں اور وارثوں کو چھوڑ کر یہ دور کے لوگ کیسے حاکم ہو گئے۔ غرض یہ ہے کہ عربوں کو قریش کے خلاف اور عجمیوں کو عربوں کو کے خلاف ابھارنے کی کوشش کرتے تو تھے۔ مگر اپنی جمعیت نہ بنا سکے۔

چند سازشی ایسے البتہ تھے کہ بالآخر وہ ہنگامہ بپا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اور اس کے لئے انھوں نے وہ چال چلی کہ حضرت علیؓ کے سوتیلے بیٹے محمد بن ابوبکر وغیرہ کے ذریعہ خلیفہ مظلوم پر مہلک حملہ کرا کے ایسا فتنہ کھڑا کر دیا کہ عالم اسلام تہہ و بالا ہو گیا۔ مودودی صاحب نے امیرالمؤمنین ذوالنورینؓ کی شہادت پر غم و غصہ کا تو اظہار کیا ہے مگر بات پوری نہیں لکھی تا کہ پتہ چل جاتا کہ امیرالمومنین ذوالنورینؓ کی شہادت میں امت کو کچھ دخل نہیں اور محض چند بد باطن اور شریر النفس لوگوں کی یہ سب کارروائی تھی۔

صورت یہ ہوئی کہ چھ برس تک مسلسل کوشش کے بعد کوفہ بصرہ اور فسطاط کے مرکزوں کے تحت یہ لوگ چند ہزار آدمیوں کو اس مقصد سے منظم کر سکے کہ حضرت عثمانؓ کی حکومت کا تختہ الٹ دینے کی کوشش کریں، جب ایک دفعہ کامیاب ہو جائیں تو پھر قریش کی خلافت قائم نہ ہونے دیں۔ جیسا کہ حضرت معاویہؓ کے سامنے انھوں نے اپنی حماقت سے اظہار بھی کر دیا (ملاحظہ ہو عنوان سعیدؓ بن العاص)

ان کا طریقۂ کار یہ تھا کہ زاہدوں عابدوں کے بھیس میں ایک شہر میں مسافرانہ آتے اور کہتے کہ ہم فلاں امیر کے مظالم سے تنگ آ کر یہاں آئے ہیں کیونکہ تمہارا امیر اچھا ہے۔ لوگ تعجب کرتے کہ امیرالمومنین نے اس شہر میں ایسے ظالم شخص کو کیوں بھیجا، ہمارے جیسے امیر کو کیوں نہ بھیجا۔ اسی طرح ہر شہر میں دوسرے شہر کے والی کے خلاف پروپگنڈا کرتے۔ یہ سب تفصیل طبری میں ہے۔

حضرت عثمانؓ کو جب اس قسم کی خبریں پہنچیں تو صحابہ کرام کا ایک وفد آپ نے مرتب کیا اور تحقیقات کے لئے انھیں مختلف علاقوں میں بھیجا۔ حضرت محمد بن مسلمہ انصاریؓ کو کوفے حضرت اسامہ بن زیدؓ کو بصرے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو شام اور حضرت عمار بن یاسرؓ کو مصر بھیجا ان کے علاوہ اور لوگ دوسرے مختلف شہروں میں بھیجے گئے۔ یہ سب حضرات پوری طرح تحقیق کر کے واپس آئے اور بتایا کہ کسی جگہ کوئی بے چینی نہیں سب لوگ اپنے اپنے والیوں سے خوش ہیں۔ حضرت عمارؓ جب مصر پہنچے روایت میں کہا گیا ہے کہ سبائیوں نے ان سے رابطہ قایم کر لیا اور یہ بھی کہتے ہیں کہ مدینے جانے سے انھیں مصر ہی میں روک لیا تھا اور اپنا ہمنوا اور ہمصفیر بھی بنا لیا۔ عامل مصر حضرت عبداللہؓ بن سعد بن ابی سرح نے اس صورت حال سے مطلع کیا تو آپ نے حکم بھیجا کہ انھیں یہاں بھیج دو حضرت عمارؓ مدینے کب واپس آئے اور کیا رپورٹ انھوں نے خلیفہ وقت کو اس خدمت کی انجام دہی پیش کی جس کے لئے وہ مصر بھیجے گئے تھے اس کا کچھ حال کسی مورخ نے بیان نہیں کیا۔ اس بارے میں آگے بضمن جنگ صفین گفتگو آرہی ہے۔

بہرحال سبائیوں نے حج کے بہانے اور حاجیوں کے بھیس میں مصر اور کوفہ و بصرے سے اپنے آدمی اکٹھے کئے اور حج کو جانے کی بجائے مدینہ پر چڑھ دوڑے۔ ان میں اشتر نخعی اور حکیم بن جبلہ بھی تھے۔ حضرت عثمانؓ سے ان کو جو شکائتیں تھیں وہ بیان کیں اور جو اعتراضات تھے وہ پیش کئے۔ امیرالمؤمنین نے انھیں مطمئن کر دیا۔ صحابہ کرام نے بھی انھیں سمجھایا اور یہ لوگ مطمئن ہو گئے۔ البتہ ایک مطالبہ کیا کہ حضرت عبداللہؓ بن سعد بن ابی سرح کو مصر سے معزول کر کے کسی دوسرے شخص کو والی بنا دیں۔ آپ نے فرمایا تم کسے چاہتے ہو تو انھوں نے حضرت علیؓ کے سوتیلے بیٹے محمد بن ابی بکرؓ کا نام لیا۔ ان کے نام فرمان ولایت دیدیا گیا اور یہ لوگ واپس ہو گئے۔

یہاں ان لوگوں کی یہ چال دیکھنی چاہیئے کہ انھوں نے اس والی مصر حضرت عبداللہ بن سعد کی معزولی کا مطالبہ کیا جو مستقر خلافت سے دور تھے اور جہاں کی رعایا میں ذمیوں کی تعداد بہت تھی اور جہاں فتوحات کا سلسلہ جاری تھا۔ گویا عالم اسلام کے تمام والیوں میں

ایک حضرت عبداللہ بن ابی سرحؓ ہی ایسے نظر آئے جن کی معزولی کا یہ لوگ مطالبہ کرسکتے تھے۔ ان باغیوں میں کوفہ اور بصرے کے لوگ بھی تھے جنھیں عادت تھی کہ والیوں کا تبادلہ کرانے کا مطالبہ کرتے رہیں۔ مگر اس موقعہ پر صرف ایک والی کی معزولی کا مطالبہ کیا اور ان کی جگہ چاہا کسے؟ ایک ناتجربہ کار مغلوب الغضب نوجوان حضرت علیؓ کے سوتیلے بیٹے کو کیونکہ انھیں آئندہ اسی سے کام لینا تھا۔

اب ایک قافلہ کوفہ روانہ ہوتا ہے' ایک بصرہ اور ایک مصر۔ لوگ اطمینان کا سانس لیتے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ تین روز کے بعد مختلف سمتوں میں جانے والے یہ تینوں قافلے اچانک واپس آجاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہمیں امیرالمومنین کا ایک غلام ملا ہے جو والی مصر کے نام ان کا مُہر شدہ حکم لئے جا رہا تھا کہ محمد بن ابی بکر وغیرہ جب پہنچیں تو انھیں قتل کر دیا جائے۔ بعض نے خط کا مضمون قدرے مختلف بیان کیا ہے۔

حضرت مسلمہ انصاریؓ نے یا بروایت دیگر حضرت علیؓ نے ان سے پوچھا کہ تم لوگ تو مختلف سمتوں میں گئے تھے' تین دن میں تو ایک دوسرے سے بہت دور ہونا چاہیئے تھا تم اچانک اور ایک ساتھ کیسے پہنچ گئے یہ تمہارا بنایا ہوا منصوبہ معلوم ہوتا ہے (طبری ج۵ ص ۱۰۵ طبع اولیٰ)

ان لوگوں نے جواب میں کہا فضعوہ علی ماشئتم لاحاجۃ لنا الی ھٰذا الرجل لیعتزلنا (آپ لوگ جو چاہیں وہ معنی پہنائیں ہمیں اُس شخص (یعنی امیرالمومنین حضرت عثمانؓ کی) ضرورت نہیں اسے چاہیئے کہ ہمارا پیچھا چھوڑ دے) یہ جواب صاف بتا رہا ہے کہ سب کچھ ایک سوچی سمجھی بات تھی۔

ہوا یہ تھا کہ جب یہ قافلے روانہ ہوئے تو دو آدمی مدینے ہی میں رہ گئے یعنی اشتر نخعی اور حکیم بن جبلہ۔ یہ سب کارروائی ان کی تھی۔ انھوں نے صدقات کے مواشی خانے کے ایک غلام کا ضمیر خریدا اور اس کے ہاتھ حضرت ذوالنورین امیرالمومنین کی طرف سے والی مصر حضرت عبداللہؓ بن سعد کے نام ایک خط لکھا جس کے الفاظ مختلف راویوں نے مختلف لکھے ہیں۔ اور اس شخص کو ہدایت کی کہ مصر کو اس طرح روانہ ہو کہ ان کے ہاتھ پڑ جائے۔ چنانچہ یہ شخص اسی طرح چلا کہ جیسے لوگوں سے کترا کر نکلنا چاہتا ہے اور ایسی حرکتیں کیں کہ خواہ

مخواہ قافلے والے اس کی طرف متوجہ ہوں۔

لیکن اللہ تعالےٰ کو ان کے مکر وفریب کا پردہ چاک کرنا تھا۔ انھیں یہ تو معلوم تھا کہ حضرت عبداللہؓ والی مصر ہیں مگر یہ خبر نہ تھی کہ اس وقت وہ مستقر چھوڑ چکے تھے اور امیرالمومنین کی اجازت سے مدینہ آرہے تھے۔ جس وقت ان مصریوں کا قافلہ حاجیوں کے بھیس میں روانہ ہوا ہے۔ حضرت عبداللہؓ اسی وقت کھٹک گئے تھے کہ معاملہ کچھ اور ہے۔ چنانچہ انھوں نے امیرالمومنین کی خدمت میں ایک تیز رو قاصد بھیجا اور مدینہ حاضر ہونے کی اجازت مانگی جو یہاں سے بھیجدی گئی۔ اور عبداللہ مصر سے روانہ ہوگئے۔ ابھی فلسطین میں داخل ہوئے تھے کہ حضرت عثمان ذی النورینؓ امیرالمومنین کی شہادت کی اطلاع ملی۔ اسی لئے وہیں رک گئے (طبری ج ۵، ص ۱۲۲)

ان کے مصر سے ہٹتے ہی حضرت عثمانؓ کے سوتیلے بیٹے محمد بن ابی حذیفہ جو آپ کے سخت مخالف اور سبائی پارٹی کے سرگرم رکن تھے وہ مصر پر قابض ہوگئے لیکن باغیوں کو ان باتوں کی خبر کہاں تھی۔ وہ تو یہ سمجھے تھے کہ اس خط کا شاخسانہ کھڑا کرکے ہم اپنا موقف مضبوط بنا سکیں گے۔ مگر ہوا الٹا اور تمام عالم اسلام میں ان لوگوں سے نفرت پھیل گئی۔

یہ رُوداد طبری جیسے شیعہ مصنف کی کتاب میں ہونے کے باوجود لوگ حضرت عثمانؓ یا حضرت مروانؓ پر یہ خط لکھنے کا الزام رکھتے ہیں یا شبہ کرتے ہیں مگر اتنا نہیں سوچتے کہ جب بارگاہ خلافت سے حضرت عبداللہ کو مدینہ آنے کی اجازت بھیجدی گئی تھی تو ان کے نام کوئی خط کیسے بھیجا جا سکتا تھا۔ غرضیکہ سبائیت زدہ تو حضرت مروانؓ کو متہم کرتے ہیں کہ انھوں نے یہ خط تحریر کیا تھا اور ایک گروہ نے حضرت علیؓ کو متہم کیا ہے بلکہ دے خویہ نے اپنے مضمون "خلافت" کے حاشیہ پر اس بات کا بھی اظہار کر دیا ہے کہ خود حضرت عثمانؓ کو یہ شبہ تھا کہ اس میں حضرت علیؓ کا کوئی ہاتھ تھا (انسائیکلوپیڈیا برٹینکا گیارھواں ایڈیشن جلد ہ ص ۲۵)

THE HISTORY OF THE LETTER TO ABDALLAH B. SARH SEEMS TO HAVE BEEN A TRICK PLAYED ON THE CALIPH WHO SUSPECTED ALI OF HAVING HAD A HAND IN IT.

لیکن یہ سب کارروائی سبائیوں کی تھی حضرت علیؓ کا دامن اس سازش سے بالکل پاک ہے جیسا انھوں نے متعدد موقعوں پر بقسم شرعی اپنی بریت کا اظہار کیا ہے۔

اب آگے کا یہ بیان تو مودودی صاحب کا صحیح ہے کہ حضرت عثمانؓ سے معزول ہوجانے کے مطالبے پر یہ لوگ کس طرح مصر تھے پھر آپ کو شہید کرنے پر تل گئے اور کس طرح اہل مدینہ نے ان لوگوں کو مار بھگانے کی اجازت امیرالمومنین سے لی مگر انھوں نے کسی طرح یہ اجازت نہ دی۔ بلکہ فرمایا کہ جو شخص میری بیعت پر قائم رہنا چاہتا ہے وہ ہتھیار رکھدے اس سلسلے میں اہل مدینہ کے اصرار اور آپ کے انکار کی جو روداد ہے اس کا بیان کرنا موجب طوالت ہوگا۔ حضرت کعب بن مالک انصاریؓ نے چار شعروں میں سب نقشہ کھینچ دیا ہے:۔

فَكَفَّ يَدَيْهِ ثُمَّ اَغْلَقَ بَابَهُ	وَاَيْقَنَ اَنَّ اللهَ لَيْسَ بِغَافِلٍ
انھوں نے اپنے دونوں ہاتھ روک لیے پھر اپنا دروازہ بند کرلیا	اور یہ یقین جانا کہ اللہ غافل نہیں ہے
وَقَالَ لِاَهْلِ الدَّارِ لَا تَقْتُلُوهُمْ	عَفَا اللهُ عَنْ كُلِّ امْرِئٍ لَمْ يُقَاتِلْ
اور گھر کے محافظوں سے فرمایا انھیں قتل مت کرو	اللہ تعالےٰ ہر اس شخص کو بخشے جو لڑائی سے ہاتھ روکے

فكيف رأيت الله صبّ عليهم العداوة والبغضاء بعد التواصل

تو پھر دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں باہمی محبت و الفت کے بعد کیسی بغض و عداوت ان کے اندر ڈالدی

وكيف رأيت الخير ادبر بعده عن الناس ادبار الرياح الجوافل

اور دیکھو کہ ان کے (عثمانؓ کے) بعد کس طرح لوگوں کے درمیان سے خیر و برکت ایسے اٹھ گئی جیسے آندھی اڑالے جائے

یہ ہے صحیح صورت حال اور اس سے ہر منصف مزاج شخص یہ تسلیم کرے گا کہ مودودی صاحب نے جو عنوان قائم کئے ہیں "تغیر کا آغاز، پہلا مرحلہ، دوسرا مرحلہ اور تیسرا مرحلہ اور ان کے تحت یہ ثابت کرنا چاہا کہ حضرت عثمانؓ کے خلاف امت میں عام بے چینی تھی اور روز بروز بڑھ رہی تھی" یہ سب محض ان کی خیالی منظر کشی ہے۔ حقیقتاً ایسی کوئی بات نہ تھی اور تمام عالم اسلام اپنے اس مثالی امام کے زیر سایہ روز افزوں ترقی کر رہا تھا۔ ظاہری اور باطنی، انفرادی اور اجتماعی زندگی کی ارتقائی منزلیں سرعت سے طے ہو رہی تھیں دشمنان امت ان ترقیوں سے خار کھا رہے تھے انھوں نے یہ سب فتنہ برپا کرکے عالم اسلام کے جسم میں وہ ناسور پیدا کر دیا

کہ جس کے اندمال کی اس وقت تک کوئی صورت نہیں جب تک مودودی صاحب جیسے لوگ تاریخ پر خامہ فرسائی کرتے رہیں گے۔

حضرت عثمانؓ کے خلاف نہ کہیں عام بے چینی تھی اور نہ ان کی شہادت میں اُمت کا کوئی ہاتھ ہے۔ اگر خاکم بدہن حضرت عثمانؓ سے کسی درجے میں امت ناراض ہوتی تو کیا ان کی شہادت سے یہ عالم ہوتا کہ جیسے سارا جہاں تہہ و بالا ہو گیا ہو۔ آخر اور بھی بڑے بڑے لوگ قتل ہوئے ہیں کسی کے قتل پر بھی اُمت میں ایسی آگ لگی جیسے حضرت عثمانؓ سید المظلومین صلوات اللہ وسلام علیہ کی شہادت پر؟

جس شخص کو انصاف کے ساتھ عہد عثمانی اور اس کے بعد کے حالات مطالعہ کرنے کی توفیق ہوگی ایسے یہ یقین ہو جائے گا کہ حضرت عثمانؓ سے زیادہ محبوب خلیفہ کوئی نہیں۔ عقیدت واحترام اور تعظیم وتکریم کے مستحق تو پہلے اور بعد کے خلفاء ہوئے ہیں لیکن جسے محبوبیت کہتے ہیں وہ تو عثمانؓ پر ختم ہوگئی۔ یہ محبوبیت ایسی مثالی تھی کہ شاعر اپنی محبوبہ سے کہتا ہے۔

اُحِبُّكِ وَالرَّحمٰنِ حبَّ قریشٍ عثمانِ

بخدا میں تجھ سے ایسی محبت کرتا ہوں جیسی قریش کو عثمانؓ سے

بیعت خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ

مودودی صاحب نے حضرت علیؓ کے استحقاق خلافت پر البدایہ والنہایہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ:-

"حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے امت کی عام رائے معلوم کرنے کے بعد فیصلہ دیا تھا کہ حضرت عثمانؓ کے بعد دوسرے شخص جن کو امت کا زیادہ سے زیادہ اعتماد حاصل ہے حضرت علی ہی ہیں"

حضرت علیؓ کے درجہ ومقام کا ہمیں انکار نہیں لیکن ان کی خلافت کا یہ استحقاق حضرت عبدالرحمٰنؓ کے کسی اعلان کے مطابق ہرگز ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ اس بارے میں صحیح بخاری سے حضرت عبدالرحمٰن کا بیان تو یہ ثابت کرتا ہے کہ حضرت علیؓ کے بارے میں

بہت ہی کم لوگوں نے رائے دی تھی (ملاحظہ ہو ج ۴، کتاب الاحکام ص ۲۴۵-۲۴۶)

امابعد یاعلی انی قد نظرت فی امر الناس فلم ارھم یعدلون بعثمان فلا تجعلنّ علی نفسک سبیلا۔

اما بعد! اے علی! میں نے لوگوں کی یہ بات دیکھی کہ وہ عثمان پر کسی کو ترجیح نہیں دیتے۔ لہٰذا تم اپنے دل میں کسی خیال کو جگہ مت دو۔

اصل صورت یہ تھی جو سب کے نزدیک مسلّم ہے کہ جن چھ بزرگواروں کو حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے بعد نامزد کیا تھا کہ وہ آپس میں کسی ایک پر مجتمع ہو جائیں تو ان میں سے چار حضرات نے برضا ورغبت اپنا حق چھوڑ دیا تھا اور خلافت کے خیال سے دست بردار ہو گئے تھے۔ ان میں سے ہر صاحب ہر اعتبار سے یکساں عظمت و حرمت رکھتے تھے۔ مودودی صاحب کا یہ خیال محض جذباتی ہے کہ "ان میں سے حضرت علیؓ ہر لحاظ سے پہلے نمبر پر تھے" حقیقت سے اس کا کچھ تعلق نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو انہی پر اتفاق کر لیا جاتا۔ حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت علیؓ کا استحقاق محض اس وجہ سے تھا کہ باقی حضرات الگ ہو چکے تھے اور جو دو بچے تھے ان میں سے ایک امیدوار خلافت پر فائز رہ کر شہید ہو چکے تھے۔ اگر حالات معمول پر ہوتے اور حضرت عثمانؓ کی وفات طبعی ہوتی اور وہ بے وصیت کئے اس دنیا سے جاتے تو ایک درجے میں یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت علیؓ کی طرف نگاہیں اُٹھتیں

بلکہ اغلب یہ ہے کہ انتخاب حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا ہوتا کیونکہ وہ سابقیت کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عملی سیاست میں نمایاں حصہ لے چکے تھے۔ یعنی وہ جیسے بے جگر مجاہد اور عظیم فاتح تھے اسی شان کے ساتھ انھیں جہانبانی کا بھی تجربہ تھا۔ اور وہ عملی ثبوت دے چکے تھے کہ بستیاں کیسے بسائی جاتی ہیں اور شہریوں میں میزان عدل کیسے قائم کی جاتی ہے اور نظم ونسق کیسے چلایا جاتا ہے علیؓ کا ایسا کوئی کارنامہ نہیں۔ حضرت سعدؓ خلافت وامارت سے چونکہ بے نیاز تھے اور ان کے پیش نظر صرف اتنا تھا کہ مسلمان اپنا سیاسی نظام کیسا ہی رکھیں مگر آپس میں لڑنے سے گریز کریں اور اگر قربانی کی ضرورت ہو اور ملت کو فتنہ وفساد سے محفوظ رکھنے کے لئے اپنے حقوق سے دست بردار ہو جائیں اس لئے انھوں نے اپنی ساری عمر قربانیوں اور امن کوشیوں میں گزار دی اور زندگی کا مقصد سوائے

اعلائے کلمۃ اللہ کے اور کچھ نہ رکھا یہ وہی تو ہیں جن کی تکبیروں سے ایوان کسریٰ گونجا۔ حالات معمول پر ہوتے تو عجب نہیں جو ہم چوتھا خلیفہ حضرت سعدؓ ہی کو پاتے یہ حضرت عمرؓ نے بھی اپنے آخر وقت اپنی جانشینی کے لئے ان ہی کا نام خاص طور سے لیا تھا۔

پھر اس سے بھی زیادہ قوت کے ساتھ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اگر حضرت عثمانؓ کو کسی کے حق میں وصیت کرنے کا موقعہ ملتا تو حضرت زبیرؓ کو اپنے بعد کے لئے نامزد کرتے۔ آپ نے آخر وقت میں اپنے مال اور اہل عیال کے بارے میں بھی وصیت انہی کو ہوئی تھی اور اپنی زندگی میں بھی اپنے بعد انہی کو خلافت کے لئے زیادہ موزوں سمجھتے تھے (صحیح بخاری: ج ۲ ص ۲۰۳ طبع مصر)

عن هشام بن عروة عن ابيه قال اخبرني مروان بن الحكم قال اصاب عثمان بن عفان رعاف شديد سنة الرعاف حتى حبسه عن الحج واوصى فدخل عليه رجل من قريش قال استخلف۔ قال و قالوه قال نعم قال ومن فسكت فدخل عليه رجل آخر احسبه الحرث فقال استخلف فقال عثمان وقالوا؟ فقال نعم قال ومن ؟ فسكت قال فلعلهم قالوا الزبير قال نعم قال اما والذی نفسی بيده انه لخيرهم ما علمت وان كان لاحبهم الى رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

ہشام بن عروہ سے مروی ہے انھوں نے اپنے والد ماجد (عروہ ابن الزبیر) کے حوالے سے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں مجھ سے (حضرت) مروان بن الحکم نے بیان کیا کہ جس سال نکسیر کی وبا پھیلی تو حضرت عثمان پر بھی نکسیر کا سخت حملہ ہوا حتیٰ کہ آپ حج کو بھی نہ جاسکے اور وصیت تک کر دی۔ اتنے میں قریش میں سے ایک صاحب حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اپنا جانشین مقرر کر دیجئے۔ فرمایا "کیا لوگ کہہ رہے ہیں"؟ انھوں نے عرض کیا "جی ہاں" فرمایا کس کو؟ تو اس پر وہ چپ ہو گئے اتنے میں ایک اور صاحب حاضر ہوئے اور میرا خیال ہے کہ وہ الحرثؓ تھے انہوں نے بھی عرض کیا "کسی کو جانشین مقرر کر دیجئے" "کیا لوگ کہہ رہے ہیں" عرض کیا "جی ہاں" فرمایا کس کو؟ تو وہ چپ ہو گئے۔ پھر آپ نے فرمایا "شاید [illegible] نام لے رہے ہیں" انھوں نے عرض کیا "جی ہاں" فرمایا "اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے وہ [illegible] جانتے میں سب [illegible] بہترین شخص ہیں" اور وہ ان [illegible] سب سے زیادہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں لوگوں کا عام خیال یہی تھا کہ اگلے خلیفہ حضرت زبیرؓ ہی ہوں گے اور وہی اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم میں اتنے محترم و محبوب تھے اور ان کے معتمد کہ متعدد اجلۂ صحابہ نے انھیں اپنا وصی بنایا تھا اور وہ نہایت شفقت و محبت و امانت سے اپنے فرائض پورے کرتے تھے۔

حضرت عثمانؓ، حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ، ابن مسعودؓ، حضرت مقدادؓ، حضرت مطیع بن الاسود اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے داماد حضرت ابو العاصؓ بن الربیع نے حضرت زبیرؓ ہی کو اپنا وصی بنایا تھا۔ اور آپ کی شان یہ تھی کہ ان سب کے اہل وعیال کی پرورش اپنے مال سے کرتے تھے اور ان کے اموال کو محفوظ رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ بہت مقروض ہو گئے تھے۔ حضرت ابن الزبیرؓ نے آپ کے بعد برسوں میں وہ قرض ادا کیا۔

ان امور کی روشنی میں مودودی صاحب کا یہ تصوّر مبالغہ آمیز ہے کہ حضرت علیؓ سے افضل کوئی شخص نہ تھا۔ صحیح اور معتدل رائے یہ ہے کہ وہ بھی منجملہ ان بزرگواروں کے تھے جن پر نگاہیں اٹھ سکتی تھیں۔

چنانچہ شیعہ مورخ طبری کی روایت میں (ج ۵، ص ۱۵۵) ہے کہ مصری بلوائیوں نے اوّل حضرت علیؓ کو خلافت پیش کی کوفیوں نے حضرت زبیرؓ کو اور بصریوں نے حضرت طلحہؓ کو۔ ان تینوں حضرات نے آمادگی ظاہر نہ کی تب ان سب نے حضرت سعدؓ ابن ابی وقاص کے پاس وفد بھیجا۔ طبری کے الفاظ ہیں :-

فبعثوا الی سعد بن ابی وقاص وقالوا انک من الشوریٰ فرأینا فیک مجتمعٌ فاقدم نبایعک ۔ فبعث الیهم" انی وابن عمر خرجنا منها فلا حاجة لی فیها "	تب انھوں نے (حضرت) سعدؓ بن ابی وقاص کے پاس وفد بھیجا کہ "آپ اہل شوریٰ میں ہیں اور ہم سب کا آپ کے بارے میں اتفاق رائے ہے لہٰذا آپ تشریف لے آئیے تاکہ ہم آپ سے بیعت کریں"۔ آپ نے انھیں یہ جواب بھیجا "میں اور ابن عمر اس معاملے سے نکل چکے ہیں اور مجھے اس میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔
ثم انهما توا ابن عمر عبد الله	تب وہ (حضرت) عبد اللہ بن عمر کی خدمت میں حاضر

فقالوا انت ابن عمر فقم بھذا الامر فقال ان لھذا الامر انتقاما واللہ لا اتعرض لہ۔ فالتمسوا غیری۔

ہوئے اور عرض کیا "آپ (حضرت) عمرؓ کے فرزند ہیں لہٰذا آپ خلافت کے لئے کھڑے ہوں گے۔" آپ نے فرمایا یہ وہ معاملہ ہے کہ اس کا انتقام لیا جائیگا بخدا میں اپنے آپ کو اس کے لئے پیش نہیں کرونگا۔ تم کسی اور کو تلاش کرو۔

یہ ایک شیعی مصنف کا بیان ہے جو مودودی صاحب کا ماخذ بھی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ کو خلیفہ بنانے کی خواہش الگ الگ مختلف گروہوں کو تھی۔ لیکن ان حضرات سے مایوس ہو کر انھوں نے سب کے اتفاق رائے سے جس شخص کی خدمت میں وفد بھیجا وہ اوّل حضرت سعدؓ تھے اور پھر حضرت ابن عمرؓ گویا باغی اور مفسد بھی یہ جانتے تھے کہ اس ماحول میں اگر کسی شخص پر اجماع ہوسکتا تھا تو وہ حضرت سعدؓ کی ذات تھی اور ان کے بعد حضرت ابن عمرؓ کی۔ مودودی صاحب کا یہ قول باطل ہے کہ حضرت علیؓ سب سے افضل تھے

عقد بیعت مودودی صاحب کا دعویٰ ہے (جون ص ۲۵۹) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اور دوسرے اہل مدینہ حضرت علی کے پاس گئے اور ان سے کہا "یہ نظام کسی امیر کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔ لوگوں کے لئے ایک امام کا وجود ناگزیر ہے اور آج آپ کے سوا ہم کوئی ایسا شخص نہیں پاتے جو اس منصب کے لئے آپ سے زیادہ مستحق ہو۔ نہ سابق خدمات کے اعتبار سے اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب کے اعتبار سے۔ انھوں نے انکار کیا اور لوگ اصرار کرتے رہے۔"

یہ بیان بھی محض خیالی اور جذباتی ہے۔ اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایسی خلاف واقعہ بات کیسے کہہ سکتے تھے۔ کیا انھیں معلوم نہ تھا کہ حضرت علیؓ کی جہادی خدمات صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک تک تھیں۔ اور عہد رسالت کے ان جہادی معرکوں میں بھی وہ منفرد نہ تھے دیگر صحابہ حضرت حمزہؓ حضرت سماک ابو دجانہ انصاریؓ حضرت زبیرؓ وغیرہم نے بڑھ بڑھ کر حصہ لیا تھا مسلمانوں پر بعد میں جو مصیبتیں آئیں اور جیسے قوی دشمنوں سے انھیں برسر پیکار ہونا پڑا، ان میں حضرت علیؓ نے کوئی حصہ نہیں لیا حالانکہ ان کی جوانی کا عالم تھا

عہد رسالت کے بعد کسی ایک جہاد میں بھی ان کا نام نہیں ملتا برخلاف اس کے حضرت سعدؓ اور حضرت زبیرؓ حضرت خالدؓ بن ولید سیف اللہ نے وہ کارہائے نمایاں انجام دئے کہ رہتی دنیا تک یہ امّت ان پر فخر کرے گی اور ان کی احسانمند رہے گی۔ لہٰذا ان دونوں کی موجودگی میں نہ سابق خدمات کا ذکر کیا جا سکتا تھا اور نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت کا، کیونکہ ایک آپ کے ماموں ہیں اور ایک سگی پھوپی کے بیٹے۔ علاوہ ازیں خلافت کے معاملے میں رشتہ داری کبھی وجہ امتیاز و استحقاق نہیں سمجھی گئی اور نہ قواعد دینیہ کے تحت سمجھی جا سکتی ہے۔ وہاں تو محض مصالح ملیہ پر مدار کار تھا۔ یہ تقریر اگر کی ہوگی تو صحابہ کرام نے نہیں بلکہ ان لوگوں نے کی ہوگی جو آپ کو خلیفہ بنانے میں اپنی عافیت سمجھتے اور انھیں معلوم تھا کہ جس طرح آپ کی سیاست پر غالب آ کر وہ اپنے مقاصد پورے کر سکتے تھے اس طرح دوسرے کے تحت امکان نہ تھا۔

اگر اہل مدینہ اور اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو خلیفہ بنایا ہوتا اور آپ کی بیعت پر اجماع کر لیا ہوتا تو وہ واقعات کیوں رونما ہوتے جو بعد میں ہوئے اور آپ کی خلافت کی آئینی حیثیت کیوں آخر تک زیر بحث رہتی اور کیوں آپ صفین میں ثالثی پر راضی ہو کر ثالثوں کے فیصلے کا اپنے آپ کو پابند بناتے اور کیوں ثالثوں کا فیصلہ آپ کے خلاف ہوتا اور ہم یہ کیوں دیکھتے کہ ثالثوں کے فیصلے کے بعد آپ کے علاقے یکے بعد دیگرے بغیر کسی جنگ کے آپ کے تصرف سے نکلتے چلے گئے اور کیوں آپ کی شہادت کے بعد حضرت حسنؓ حضرت معاویہؓ سے بیعت کرتے اور کیوں اس اجتماع کی خوشی میں صحابہ کرام اس سال کا نام عام الجماعۃ رکھتے۔ اس سال کا نام عام الجماعۃ رکھنے کے معنی ہی یہ ہیں کہ حضرت علیؓ کی خلافت اجماعی نہیں تھی۔

پھر ہمیں یہ بھی سوچنا چاہئے کہ اگر اہل مدینہ سب کے سب یا ان میں سے اکثر حضرت علیؓ کی بیعت کی آئینی حیثیت تسلیم کر چکے ہوتے اور ان کی بھاری اکثریت نے بیعت کر لی ہوتی تو جن لوگوں نے آپ کو خلیفہ بنایا تھا وہ مدینے کی فضاء کو اپنے لئے ناسازگار کیوں پاتے اور کیوں ان کی کوشش ہوتی کہ کسی طرح آپ کو کوفے لے جائیں جو ان لوگوں کا گڑھ تھا۔ چنانچہ کوفے ایسے گئے کہ پھر پلٹ کر نہ کبھی دیار رسول (مدینہ منوّرہ) آئے اور نہ حج کے لئے

مکۂ معظمہ۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:۔

حضرت مرتضیٰ برائے ان اقامتِ حج بذات خود نتوانست نمود بلکہ بعض سنین نائب ہم نتوانست فرستاد ...... حال آنکہ خلفائے سابق اقامت حج بنفس خود میکردند الا بعذر وا قامتِ حج ضمیمہ خلافت بود بلکہ از خواص خلیفہ (ازالۃ الخفاج ۱ص ۱۳۴)

اگر کہا جائے کہ جنگوں کی وجہ سے آپ کو مدینہ سے نکلنا پڑا تب بھی سوال ہے کہ مستقر خلافت مدینہ ہی کیوں نہ رکھا اور کیوں وہاں سے تمام تعلقات منقطع کرکے کوفے کو دارالخلافہ بنایا۔ جو لوگ سیاسیات عالم سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ حاکم اعلیٰ اپنے دارالحکومت سے کتنی ہی مدت تک کتنی ہی دور رہے وہ اپنا دارالحکومت نہیں بدلتا جب تک وہ اس پر مجبور نہ ہو جائے۔

حضرت اورنگ زیب عالمگیر قدس سرہ کے آخری پچیس سال دکن میں گزرے اور وہیں وفات پائی لیکن دارالحکومت شہر دلی ہی رہا اور برابر اسی کو سیاسی مرکز کی حیثیت حاصل رہی۔ اسی طرح حضرت علیؓ بھی مدینہ کو اپنا دارالخلافہ رکھ سکتے تھے مگر ہم دیکھتے یہ ہیں کہ ان کے عہد میں مدینہ طیبہ اپنی مرکزیت کھو چکا تھا اور سیاسیات اسلامیہ میں اہل مدینہ کی حیثیت ارباب حلّ وعقد کی نہیں تھی بلکہ ادنیٰ واعلیٰ کسی معاملے میں اہل مدینہ کی رائے حجت سمجھی جاتی تھی۔ یہ کیسی حسی اور عملی دلیل ہے کہ اہل مدینہ کی اکثریت نے آپ سے آئینی بیعت نہیں کی تھی اور جنھوں نے کرلی تھی وہ آپکے ساتھ کوفہ آ گئے تھے۔

مودودی صاحب کا دعویٰ ہے (جون ص ۲۵۹ - ۲۶۰)

"پھر مسجد نبوی میں اجتماع عام ہوا اور تمام مہاجرین وانصار نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی صحابہ میں صرف سترہ یا بیس ایسے بزرگ تھے جنھوں نے بیعت نہیں کی۔ اس روداد سے اس امر میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ حضرت علیؓ کی خلافت قطعی طور پر ٹھیک ٹھیک انہی اصولوں کے مطابق منعقد ہوئی تھی جن پر خلافتِ راشدہ کا انعقاد ہو سکتا تھا۔ وہ زبردستی اقتدار پر قابض نہیں ہوئے۔ انھوں نے خلافت حاصل کرنے کی برائے نام بھی کوشش نہیں کی۔ لوگوں نے خود آزادانہ مشاورت سے ان کو خلیفہ منتخب کیا صحابہ کی عظیم

اکثریت نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور بعد میں شام کے سوا تمام بلاد
اسلامیہ نے ان کو خلیفہ تسلیم کر لیا"

مودودی صاحب کا یہ کہنا تو غلط نہیں کہ حضرت علیؓ زبردستی اقتدار پر از خود قابض نہیں ہوئے مگر اس تاریخی واقعہ سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ایک اندوہناک انقلاب کے ذریعہ وہ برسر اقتدار آئے تھے اور انقلاب پیدا کرنے والے ہی انھیں خلیفہ بنانے میں پیش پیش رہے تھے لیکن یہ بالکل غلط ہے کہ اہل مدینہ نے آزادانہ مشاورت سے انہیں خلیفہ منتخب کیا تھا اور صحابہ کی عظیم اکثریت نے ان سے بیعت کر لی تھی اور یہ کہ صرف سترہ یا بیس بزرگ ایسے تھے جنھوں نے بیعت نہیں کی۔

آزادانہ مشاورت سے خلیفہ منتخب نہ ہونے کی حتمی دلیل تو یہ ہے کہ صحابہ کی عظیم اکثریت نے ان کی سیاسی سرگرمیوں میں ان کا ساتھ نہیں دیا۔ قواعد شرعیہ کے مطابق جب ایک شخص سے بیعت کر لی جائے تو پھر اس کے سیاسی اقدامات میں اس کا ساتھ دینا لازمی ہے۔ اقدام سے پہلے ہر شخص کو موافق و مخالف رائے دینے کا حق ہے لیکن جب امام فیصلہ کرلے تو پھر امام کی متابعت سے گریز کا کوئی جواز نہیں۔ مفترض الطاعۃ کے معنیٰ ہی یہ ہیں کہ صرف امام کے اجتہاد پر عمل ہو اور یہی صحابہ کرام کا معمول تھا۔ اور دین کا یہی اصول انھوں نے اُمت کو سکھایا ہے جس پر یہ امت عمل کرتی چلی آرہی ہے۔

سیاسی اقدامات تو اپنی جگہ رہے جہاں سوائے امام کے کسی کا اجتہاد چل ہی نہیں سکتا اور سب کو اس کی اطاعت لازم ہے اور اس سے گریز اسی وقت ہو سکتا ہے جب کتاب وسنت کے مطابق اسے معصیت الٰہی سمجھ لیا جائے لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق لیکن ہم دیکھتے یہ ہیں کہ علمی اور فقہی مسائل میں بھی وہ امام کے اجتہاد کو ترجیح دیتے تھے' اگرچہ ان کا فتویٰ ان کے اپنے مذہب پر ہو۔ اس کی ایک واضح مثال ہمیں صحیح مسلم میں ملتی ہے۔
(ج ۱، ص ۴۰۵، طبع مصر)

" حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں طواف بیت اللہ اور صفا و مروہ کی سعی کے بعد عمرہ پورا کرکے احرام کھول دیا تھا اور

پھر حج کے لئے احرام باندھا۔ آپ فرماتے ہیں میں یہی فتویٰ بھی دیا کرتا تھا لیکن خلافت فاروقی میں لوگوں نے مجھ سے کہا کہ آپ فتوے دینے میں جلدی نہ کیجئے امیرالمؤمنین نے اس میں کچھ ترمیم کی ہے چنانچہ میں نے اعلان کر دیا کہ جن لوگوں کو میں نے فتویٰ دیا تھا وہ رک جائیں اور ابھی احرام نہ کھولیں۔ امیرالمؤمنین تشریف لا رہے ہیں ان کے حکم کا انتظار کیا جائے۔"

اسی طرح امیرالمؤمنین عثمانؓ نے جب حج کے موقعہ پر قصر نہیں کیا اور نماز پوری پڑھی حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اس پر اعتراض کیا۔ آپ نے قصر نہ کرنے کی وجہ بتا دی تو حضرت عبدالرحمٰنؓ پھر حضرت ابن مسعودؓ کے پاس گئے اور یہ بات بتائی۔ انھوں نے فرمایا "اختلاف ٹھیک نہیں ہے مجھے جب اطلاع ملی کہ انھوں نے چار رکعتیں پڑھی ہیں تو میں نے بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ چار ہی پڑھیں البتہ اب وہی ہوگا جو آپ فرماتے ہیں" (طبری ۵: ۵۶ - ۵۷ منقول از العواصم ص ۸۰)

صحابہ کرام جب اجتماعی عبادات میں اپنا فقہی اجتہاد چھوڑ دیتے تھے تو سیاسی معاملات میں بدرجہ اولیٰ وہ امام کا اتباع واجب جانتے تھے۔ لیکن ہم دیکھتے یہ ہیں کہ جمل وصفین کی جنگوں میں شرکت سے اکابر صحابہ اور امت کی عظیم اکثریت نے احتراز کیا۔ صحاح میں صحابہ کے ایسے اقوال متعدد جگہ مروی ہیں جن سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ وہ ان جنگوں میں شریک ہونا درست نہیں سمجھتے تھے۔ اس کا صریح مطلب یہ ہوا کہ انھوں نے حضرت علیؓ کو مفترض الطاعہ نہ سمجھا اور ایسا وہ سمجھ نہیں سکتے تھے اگر ان کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہوتے اور آئینی انتخاب ہوا ہوتا۔

مودودی صاحب فرماتے ہیں (شمارہ جون ص ۲۵۹)

"ابن عبدالبر کا بیان ہے کہ جنگ صفین کے موقعہ پر آٹھ سو ایسے صحابہ حضرت علیؓ کے ساتھ تھے جو بیعت الرضوان کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے"

ابن عبدالبر کا زمانہ جنگ صفین سے سوا چار سو برس بعد کا زمانہ ہے اس لئے خود ان کا تو کوئی بیان شریک جنگ کی حیثیت سے ہو نہیں سکتا اور کسی عینی شاہد کے بیان کا کوئی

سلسلہ اسناد انھوں نے پیش نہیں کیا لہٰذا یہ قول چانڈو خانے کی گپ سے زیادہ کیا حقیقت رکھ سکتا ہے۔ مودودی صاحب الاستیعاب اور الاصابہ فی تمیز الصحابہ ان دونوں کتابوں سے جو احوال صحابہ پر مشتمل ہیں ان صحابہ کی فہرست مرتب کر کے بتائیں جو جنگ صفین میں حضرت علیؓ کے ساتھ تھے۔ محض اصحاب بیعت الرضوان اور اکابر و مشہور صحابہ تو کیا ان سب کو ملا کر اگر ان صحابہ کو بھی شامل کر لیں جن پر صحابیت کا اطلاق ہوتا ہے اور پھر ایسے سو حضرات کے نام بھی وہ صحیح حوالوں سے نکال سکیں جو صفین میں حضرت علیؓ کے ساتھ تھے تو ہم بیعت الرضوان میں شریک ہونے والے آٹھ سو اصحاب کو صفین میں حضرت علیؓ کے جھنڈے کے نیچے تسلیم کر لیں گے۔

صفین میں حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں کی طرف شریک ہونے والے صحابہ میں صرف بیس پچیس سے زیادہ نام اکابر کے نہیں نکالے جا سکتے اور جن پر صحابیت کا اطلاق ہوتا ہے وہ دونوں طرف سو ڈیڑھ سو سے زیادہ نہ تھے۔ جمہور صحابہ کرام اور امت کی بھاری اکثریت ان جنگوں سے محترز تھی۔ اور جو حضرات شریک ہوئے مع حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے وہ ساری عمر ان اقدامات پر پشیمانی کا اظہار اور استغفار کرتے رہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:۔ (منہاج السنہ، ج ۲، ص ۲۱۹ - ۲۲۰)

کان ترک القتال خیر للطائفتین مع ان علیاً کان اولی بالحق۔ هٰذا قول احمد واکثر اهل الحدیث واکثر ائمة الفقهاء وهو قول اکابر الصحابة والتابعین لهم باحسان وهو قول عمران بن حصینؓ وکان ینهی عن بیع السلاح فی الفتنة وهو قول اسامة بن زید ومحمد بن مسلمة وابن عمر وسعد

دونوں فریقوں کے لئے جنگ سے احتراز بہتر تھا اگرچہ حق سے حضرت علیؓ زیادہ قریب تھے۔ یہ قول ہے امام احمد اور اکثر اہل حدیث کا اور اکثر ائمہ فقہاء کا اور یہی قول ہے اکابر صحابہ اور خوبی کے ساتھ ان کا اتباع کرنے والوں کا اور یہی قول تھا (حضرت) عمران بن حصین کا وہ ان جنگوں میں ہتھیاروں کی خرید و فروخت سے روکتے تھے اور فرماتے تھے کہ ہتھیاروں کی فروخت فتنہ انگیز ہوگی اور یہی قول تھا (حضرت) اسامہ بن زید کا (حضرت) محمد بن مسلمہ کا (حضرت) ابن عمر کا (حضرت) سعد بن ابی وقاصؓ کا ان بزرگواروں

بن ابی وقاص واکثر من بقی من السابقین الاولین من المهاجرین والانصارؓ و لہذا کان مذہب اهل السنۃ الامساک عما شجر بین الصحابۃ فانہ قد سبقت فضائلہم ووجبت موالاتہم ومحبتہم

میں سے اکثر کا جو سب سے پہلے ایمان لانے والے مہاجرین وانصار اس وقت موجود تھے۔ اسی لئے اہل السنۃ کا یہ مذہب ہے کہ صحابہ کے اختلاف کے بارے میں زبان وقلم کو روکیں۔ کیونکہ ان کے فضائل سب سے زیادہ ہیں اور ان کی موالات ومحبت واجب ہے۔

اگر صحابہ کرام کی بھاری اکثریت نے حضرت علیؓ کو امام مفترض الطاعہ سمجھا ہوتا یا حضرت معاویہؓ کو وہ باغی جانتے تو ان کا یہ مذہب نہ ہوتا بلکہ حسب فرمان خداوندی اور حسب اصول شرعیہ ان پر واجب تھا کہ حضرت علیؓ کا ساتھ دیکر حضرت معاویہؓ سے اس وقت تک قتال کرتے رہیں جب تک انھیں زیر نہ کرلیں۔

صحیح صورت حال یہ ہے اور اسی کی تائید واقعات ثابتہ سے ہوتی ہے کہ تعلیمات نبویہ کے مطابق جمہور صحابہ کی کوشش یہ تھی کہ مسلمان آپس میں نہ لڑیں اور صلح وصفائی سے نزاعی مسائل کا تصفیہ پُرامن ماحول میں کریں۔

نزاعی مسئلہ صرف ایک تھا کہ امت کے متفق علیہ امام کو جن لوگوں نے ظلماً اور بغیر کسی حجت کے شہید کیا ہے وہ سب لوگ احکامِ خداوندی کے مطابق واجب القتل ہیں اور جب تک چُن چُن کر انھیں قتل نہ کردیا جائے اس وقت تک احکام شرعیہ کی بجا آوری کی تکمیل نہیں ہوگی۔

اسی مسئلے سے خلافت کا یہ ذیلی مسئلہ پیدا ہوا۔ کہ حضرت علیؓ کی خلافت چونکہ ان باغیوں اور مفسدوں نے اپنے زور سے قائم کی ہے اور یہی اس خلافت پر حاوی ہیں لہذا اس طریقۂ انتخاب کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا اس لئے ازسرنو انتخاب ہو۔

حضرت علیؓ کی شخصیت اور صحابہ کرام میں ان کی حیثیت کے بارے میں کسی کو کوئی اختلاف نہ تھا۔ اگر واقعی وہ اجماع صحابہ کے ذریعہ برسر اقتدار آئے ہوتے تو جمہور صحابہ وتابعین ان کا ساتھ دیتے اور ان کے مخالف باغی قرار پاتے۔

لیکن صورتِ حال یہ تھی کہ جب فسادیوں نے ان کی خلافت کا اعلان کیا اور سب سے

پہلا شخص جس نے ان سے بیعت کی وہ اشتر نخعی تھا اور انہی لوگوں کے اجتماع میں اس خلافت کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ تو اس وقت صحابہ کرام کے تین طبقے ہو گئے۔ ایک قلیل تعداد نے تو بیعت کر لی خواہ بجبر جیسا طبری وغیرہ کی روایتوں میں ہے۔ دوسری جماعت صحابہ نے ان کی خلافت کو ناجائز سمجھا اور وہ مدینہ طیبہ سے چلے گئے اور بعد میں حضرت معاویہؓ کے ساتھ ہو گئے۔ باقی بھاری اکثریت نے بیعت کرنے سے توقف کیا اور اپنا مسلک یہ اختیار کیا کہ ان کی خلافت برپا رہنے دی جائے اور ان کے زیر نگیں علاقے میں امن قائم رکھا جائے تا آنکہ امت ان پر مجتمع ہو جائے۔

جو صحابہ اس خلافت کا انعقاد ناجائز سمجھتے تھے ان کا موقف یہ تھا کہ قاتلوں سے قصاص لیا جائے اور صحابہ کے عام اجماع میں اس خلافت کی آئینی حیثیت کے بارے میں فیصلہ ہو ان کے مقابلے میں کسی نے خلافت کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ متوازی حکومت قائم کرنے کی کوشش کی۔ جمہور صحابہ نے صرف بیعت سے توقف کیا اور قاتلوں کے متعلق باہمی سمجھوتے کی طرف دعوت دی شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں اور آپ کا فرمانا بالکل درست ہے اور واقعات کے عین مطابق کہ

لم یکن معاویۃ ممن یختار الحرب ابتداءً بل کان اشد الناس حرصاً علی ان لا یکون قتال وکان غیرہ احرص علی القتال منہ۔

حضرت معاویہؓ ان میں نہیں تھے جو جنگ کی ابتداء کرنا چاہتے ہوں بلکہ سب لوگوں سے زیادہ ان کی خواہش تھی کہ جنگ نہ ہو۔ یہ تو دوسرے لوگ تھے جو ان سے جنگ پر تلے ہوئے تھے۔

سبائی لوگ اچھی طرح جانتے تھے کہ جب تک حضرت معاویہؓ موجود ہیں، دنیا میں وہ محفوظ نہیں رہ سکتے اور تخریب ملت کے لئے ان کے جو عزائم ہیں وہ پورے نہیں ہو سکیں گے۔ اسی لئے انہیں سب سے زیادہ فکر حضرت معاویہؓ ہی کو زیر کرنے کی تھی۔ اس امت پر یہ اللہ تعالےٰ کا احسان عظیم ہے کہ اس نے حضرت معاویہؓ کی مدد کی اور یوں سبائی لوگ اپنے مقاصد میں ناکام ہو گئے ناکامی کا بدلہ لغو اور جھوٹی روایتوں سے وضع کر کے ان کی تشہیر سے لیا۔ ان امور کی روشنی میں یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ صحابہ کرام کی بھاری اکثریت نے

نے حضرت علیؓ سے بیعت نہیں کی تھی۔ مگر یہ ضروری سمجھا کہ نظم و نسق کی راہ میں کوئی مشکل حائل نہ کریں اور بالفعل ان کی خلافت اس امید پر تسلیم کریں کہ باہمی توافق سے کوئی اجماعی فیصلہ ہو جائیگا۔ اسی لئے وہ مقدور بھر جنگوں سے روکنے کی کوشش کرتے تھے۔

بیعت جن الفاظ میں ہوتی تھی وہ صحاح میں مروی ہیں۔ چنانچہ مؤطا، شریف صحیح بخاری میں وہ بیعت نامہ مذکور ہے جو حضرت ابن عمرؓ نے امیر المومنین عبد الملکؒ کو بھیجا تھا جو آپ کے شاگرد اور سور دتھے۔ طبقے کے اعتبار سے بھی تابعی ہیں لیکن ان کے منصب کی عظمت کا تقاضا تھا کہ حضرت ابن عمرؓ نے اوّل ان کا نام لکھا اور پھر اپنا۔ (مؤطا شریف بروایت امام محمدؒ)

صحیح بخاری کے الفاظ یوں ہیں (ج ۴، ص ۲۴۵ طبع مصر باب کیف یبایع امام الناس)

الی عبداللہ عبد الملک امیر المومنین انی اقر بالسمع والطاعة لعبد اللہ عبد الملک امیر المومنین علی سنة اللہ وسنة رسولہ فیما استطعت۔	اللہ کے بندے عبد الملک امیر المومنین کی جناب میں! میں اقرار کرتا ہوں کہ اللہ کے بندے عبد الملک کی بات سنوں گا اور مقدور بھر اطاعت کروں گا۔ (میرا یہ اقرار) اللہ کی سنت اور اس کے رسول کی سنت پر ہے۔

ان الفاظ کے ساتھ جب بیعت کی جائے تو اس کا امکان کب رہتا ہے کہ امیر المومنین کے سیاسی اقدامات میں ان کی متابعت سے گریز کیا جا سکے۔ گزشتہ واقعات کے بارے میں اپنے ذاتی رجحان اور ظن و تخمین کی بجائے ہم عصر لوگوں کا زاویۂ نگاہ اور عمل دیکھنا چاہئے۔

واقعات ثابتہ کی روشنی میں اور قواعد شرعیہ کو سامنے رکھ کر جو صحابہ کرام ہی نے سکھائے ہیں صورت حال کا جو تجزیہ ہم نے پیش کیا ہے اس میں کچھ ہم منفرد نہیں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا بیان اوپر گزر چکا۔ اب ملاحظہ ہو ابن خلدونؒ کا تجزیہ (مقدمہ ص ۱۵۰ طبع مصر)

فاما وقعة علی فان الناس کانوا عند مقتل عثمان متفرقین فی الامصار فلم یشهدوا بیعة علی والذین شهدوا	رہا (حضرت) علیؓ کا واقعہ تو (حضرت) عثمان کی شہادت کے وقت لوگ مختلف شہروں میں متفرق تھے اور بیعت کے وقت حاضر نہ تھے۔ اور جو حضرات موجود تھے ان میں سے

فمنهم من بايع ومنهم من توقف حتى يجتمع الناس ويتفقوا على امام كسعد وسعيد وابن عمر واسامة بن زيد والمغيرة بن شعبة وعبدالله بن سلام وقدامة بن مظعون وابي سعيد الخدری وكعب بن عجرة وكعب بن مالك والنعمان بن بشير وحسان بن ثابت ومسلمة بن مخلد وفضالة بن عبيد وامثالهم من اكابر الصحابة

بعض نے بیعت کرلی اور ان میں بعض وہ ہیں جنھوں نے توقف کیا تا آنکہ لوگ اجماع کریں اور ایک امام پر متفق ہو جائیں مثلاً (حضرت) سعد (حضرت) سعید (حضرت) ابن عمر (حضرت) اسامہ بن زید (حضرت) مغیرہ بن شعبہ، (حضرت) عبداللہ بن سلام (حضرت) قدامہ بن مظعون، (حضرت) ابوسعید خدری (حضرت) کعب بن عجرۃ (حضرت) کعب بن مالک (حضرت) نعمان بن بشیر (حضرت) حسان بن ثابت (حضرت) مسلمہ بن مخلد (حضرت) فضالہ بن عبید وغیرہم اور ان جیسے دوسرے اکابر صحابہ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

مودودی صاحب نے اپنی ذہانت کا عجیب ثبوت دیا ہے کہ یہ اور ان جیسے دو چار بزرگوں کے اور نام کتابوں میں دیکھ کر انھوں نے لوگوں کو یہ باور کرانا چاہا کہ بس یہی سترہ یا بیس صحابہ بیعت سے الگ رہے تھے۔ معمولی عقل کا آدمی بھی شیخ الاسلام یا مورخ ابن خلدون یا دوسرے بزرگوں کے اس قسم کے بیانات سے یہ نتیجہ نہیں نکال سکتا جو مودودی صاحب نے نکالنے کی کوشش کی ہے۔ بلکہ ہر شخص یہ سمجھے گا کہ یہ چند نام بطور نمونہ دئے گئے اور یہ ایسے بڑے لوگ ہیں جن کے نام پڑھ کر اندازہ ہو جائیگا کہ بات ایسی آسان نہیں جیسی مودودی صاحب نے سمجھ لی بلکہ ایک جم غفیر تھا جس نے بیعت سے توقف کیا تھا۔ اور ان سب کا موقف یہ تھا کہ جب تک احوال پر امن نہ ہو جائیں اور باتفاق رائے سے حضرت علیؓ کی امامت پر سب مجتمع نہ ہوں اس وقت تک آئینی بیعت نہ کی جائے۔ چنانچہ حضرت علی کے مقتول ہونے تک آئینی بیعت نہیں کی گئی

اگر مودودی صاحب کے خیالی نظرئے کی بنا پر یہ سمجھ لیا جائے کہ واقعی یہ پندرہ بیس بزرگ ہی بیعت سے رکے رہے تو حضرت علیؓ کو متفق علیہ امام ماننا پڑے گا ان کے مخالف باغی قرار پائیں گے۔ لیکن ساتھ ساتھ ان سب کو بھی غدار سمجھنا ہوگا جنھوں نے صفین کے معرکے میں حضرت علیؓ کا ساتھ نہیں دیا۔ سبائیہ نے جس طرح روایات وضع کی ہیں ان کا مقصد یہ

یہ ہے کہ امت مسلمہ صحابہؓ کرام سے بدظن رہے۔

لیکن صحابہ کرامؓ اور ان کا اتباع کرنے والی امّت کا مذہب ہمیشہ یہ رہا ہے کہ چوتھے بالفعل خلیفہ حضرت علیؓ ہی تھے اگرچہ امّت کا ان پر اجماع نہ ہوسکا۔ مگر ساتھ ہی وہ تمام صحابہ کرامؓ کو جنھوں نے ان کی بیعت نہیں کی ان کے موافقین حق پر جانتے ہیں اور اس دور کو دورِ فتن کہتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی نے حضرت عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت کے سلسلہ میں امت میں فتنہ اولیٰ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

"مبداء این فتنہ خلافت حضرت مرتضیٰ است، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نخست از خلافت حضرت مرتضیٰ خبر دادند کہ منتظم نشود" (ازالۃ الخفاء۔ ج ۱ ص۲۵۲)

پھر شیعہ کے دعوے "استخلاف مرتضیٰ و اولاد او" کے بارے میں بالفاظ واضح اس حقیقت ثابتہ کا اظہار کیا ہے کہ:۔

"در عنایت ازلی مقرر بود کہ ہیچ گاہ حضرت مرتضیٰ و اولاد او تا دامان قیامت منصور نشوند و ہیچ گاہ خلافت ایشان علی وجہہا صورت نگیرد بلکہ از میان ایشاں ہر کہ دعوت بجز دکند و سر بقتال برآرد مخذول بلکہ مقتول گردد۔ وخدائے تعالےٰ میفرماید وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ ٥ وللخلفاء الذین ہم خلفاء الانبیاء حقاً اسوۃ المرسلین فہم المنصورون وہم الغالبون۔
(ازالۃ الخفا۔ ج ۱ ص ۲۸۲)

حضرت علیؓ کے مختصر سے ایام فتن کے بعد اللہ تعالےٰ نے اپنی رحمت سے توفیق دی کہ حضرت معاویہؓ امیر المؤمنین صلوات اللہ علیہ پر امّت نے اجماع کرلیا۔

امّت کا یہ مذہب محض عقیدت کی بناء پر نہیں ہے بلکہ اس دور کے احوال سے بڑے بڑے شرعی مسائل سامنے آئے اور ان سے عہدہ برآ ہونے کی سبیل نکلی اور مسلمانوں میں یہ سلیقہ پیدا ہوا کہ :۔

۱۔ آئینی اور بالفعل حکومت کا فرق سمجھیں۔

۲۔ جماعت کے اندر رہ کر جو لوگ اختلاف کریں اور اس میں شدت آجائے حتی کہ نوبت شمشیر کشی تک پہنچے تو امت کو اس وقت کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ یعنی اکثریت کو غیر جانب دار ہو جانا چاہیئے تاکہ امن جلد قائم ہو۔

۳۔ جو دو فریق آپس میں لڑ پڑیں تو ان جنگوں میں کن آداب کی پابندی کریں۔ یعنی نہ ایک دوسرے کی تکفیر و تفسیق کریں، نہ مقتولوں کی بے حرمتی ہو نہ مال و اسباب لوٹا جائے اور نہ فتح پانے کے بعد ان کی حرمت پر حرف آنے دیا جائے۔

۴۔ جب جنگ ختم ہو جائے اور ایک فریق کامیاب ہو۔ تو پھر تمام اندرونی کدورتیں صاف کر دی جائیں اور سب اس طرح گھل مل جائیں جیسے کچھ ہوا ہی نہ تھا۔ اور اس بات کا اہتمام رکھیں کہ پرانی باتوں کا ذکر نہ آنے پائے۔

۵۔ اخلاف کا فرض ہے کہ گزشتہ سب بزرگوں کی یکساں تعظیم و تکریم کریں۔ ان کے مواقف میں فریق نہ بنیں۔ اور اختلاف کو ہوا دینے سے گریز کریں۔ صحابہ کرام اور خوبی کے ساتھ ان کا اتباع کرنے والوں کا یہی مذہب رہا اور اب تک ہے۔

دنیا کی تاریخ بنانے والی قوموں میں سے کونسی قوم ہے جو خانہ جنگی میں مبتلا نہیں ہوئی اور جس کے آپس کے نظریاتی اختلاف سے قیمتی جانیں ضائع نہیں ہوئیں۔ مگر ان سب قوموں کا یہ شعار رہا کہ اپنے گزرے ہوئے بزرگوں کا تذکرہ ادب و تعظیم سے کریں۔ خود ہمارے سامنے کفار کے احوال موجود ہیں۔ ان کے ادباء و شعراء اور تاریخ نویس لوگوں کی تصنیفات ان کی قوموں کے سامنے ہیں اور ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے بزرگوں کے معاملات میں فریق نہیں بنتے اور دو مخالف گروہوں کے نظریات و اعمال میں تطبیق پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ اخلاف اپنے اسلاف سے بدظن نہ ہوں۔ انگلستان، فرانس اور امریکہ کے ادیبوں، مورخوں اور سوانح نگاروں کی تصنیفات دیکھنے سے ہمارے اس بیان کی توثیق ہو گی۔

مگر یہ بدقسمت قوم ہماری ہے کہ ہم میں ایسے بر خود غلط اور تخریبی عزائم رکھنے والے لوگ سامنے آتے رہتے ہیں جن کی طلاقت لسانی اور زور قلم اس پر صرف ہوتا ہے

کہ بزرگانِ پیشین پر سب وشتم ہوتا رہے ان سے بدظنی بڑھتی رہے اور یہ نہیں جانتے کہ جب افترا پردازی اور حق پوشی کے ذریعہ وہ کسی کی توصیف اور کسی کی تنقیص میں مبالغہ کریں گے تو دوسرا بھی منہ میں زبان اور ہاتھ میں قلم رکھتا ہے۔

یہ تو مودودی صاحب ہی جیسے لوگ ہیں جن کی مبالغہ امیزی اور جانب داری کے سبب عظیم ومحترم ہستیاں زیر بحث آتی ہیں۔ بہت کم لوگ ہوتے ہیں جو ہماری طرح اعتدال کو کام میں لائیں اور بے لاگ طور سے صحیح صورت حال پیش کریں ورنہ عموماً اعتدال کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔

ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا ربنا انک رؤف رحیم۔

قصاص امیرالمؤمنین عثمان ذی النورینؓ

مودی صاحب فرماتے ہیں (جون' ص ۲۶۱)

حضرت عثمانؓ کے خون کا مطالبہ جسے لے کر دو طرف سے دو فریق اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک طرف حضرت عائشہ اور حضرات طلحہ وزبیرا ور دوسری طرف حضرت معاویہؓ ان دونوں فریقوں کے مرتبہ ومقام اور جلالت قدر کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے بھی یہ کہے بغیر چارہ نہیں کہ دونوں کی پوزیشن آئینی حیثیت سے کسی طرح درست نہیں مانی جاسکتی۔ ظاہر ہے کہ یہ جاہلیت کے دور کا قبائلی نظام تو نہ تھا کہ کسی مقتول کے خون کا مطالبہ لے کر جو چاہے اور جس طرح چاہے اُٹھ کھڑا ہو اور جو طریقے چاہے اُسے پورا کرنے کے لئے استعمال کرے۔

یہ ایک باقاعدہ حکومت تھی جس میں ہر دعوی کے لئے ایک ضابطہ اور قانون موجود تھا۔ خون کا مطالبہ لے کر اُٹھنے کا حق مقتول کے وارثوں کو تھا جو زندہ تھے اور وہیں موجود تھے۔ حکومت اگر مجرموں کو پکڑنے اور ان پر مقدمہ چلانے میں واقعی دانستہ ہی تساہل کر رہی تھی تو بلاشبہ دوسرے

لوگ اس سے انصاف کا مطالبہ کرسکتے تھے لیکن کسی حکومت سے مطالبے کا یہ کونسا طریقہ ہے اور شریعت میں کہاں اس کی نشان دہی کی جاسکتی ہے کہ آپ سرے سے اس حکومت کو جائز حکومت ہی اس وقت تک نہ مانیں جب تک وہ آپ کے اس مطالبہ کے مطابق عمل درآمد نہ کردے۔

حضرت علیؓ اگر جائز خلیفہ تھے ہی نہیں تو پھر ان سے اس مطالبے کے آخر معنی کیا تھے کہ وہ مجرموں کو پکڑیں اور سزا دیں؟ کیا وہ کوئی قبائلی سردار تھے جو کسی قانونی اختیار کے بغیر جسے چاہیں پکڑلیں اور سزا دے ڈالیں؟ اس سے بھی زیادہ غیر آئینی طریق کار یہ تھا کہ پہلے فریق نے بجائے اس کے کہ وہ مدینے جاکر اپنا مطالبہ پیش کرتا جہاں خلیفہ اور مجرمین اور مقتول کے ورثاء سب موجود تھے اور عدالتی کارروائی کی جاسکتی تھی بصرہ کا رخ کیا اور فوج جمع کرکے خون عثمانؓ کا بدلہ لینے کی کوشش کی جس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا تھا کہ ایک خون کی بجائے دس ہزار مزید خون ہوں اور مملکت کا نظام الگ درہم برہم ہوجائے۔ شریعت الٰہی تو درکنار دنیا کے کسی آئین و قانون کی رو سے بھی اسے ایک جائز کارروائی نہیں مانا جاسکتا۔

اور اس سے بدرجہا زیادہ غیر آئینی طرز عمل دوسرے فریق یعنی حضرت معاویہؓ کا تھا جو معاویہ بن ابی سفیان کی حیثیت سے نہیں بلکہ شام کے گورنر کی حیثیت سے خون عثمانؓ کا بدلہ لینے کے لئے اٹھے۔ مرکزی حکومت کی اطاعت سے انکار کیا۔ گورنری کی طاقت اپنے اس مقصد کے لئے استعمال کی اور مطالبہ بھی یہ نہیں کیا کہ حضرت علیؓ قاتلین عثمانؓ پر مقدمہ چلا کر انھیں سزا دیں بلکہ یہ کیا کہ وہ قاتلین عثمانؓ کو ان کے حوالے کردیں تاکہ وہ خود انھیں قتل کریں۔ یہ سب کچھ دور اسلام کی نظامی حکومت کے بجائے زمانہ قبل اسلام کی قبائلی بدنظمی سے اشبہ ہے۔ خون عثمانؓ کے مطالبے کا حق اول تو حضرت معاویہؓ کے بجائے حضرت عثمانؓ کے شرعی وارثوں کو پہنچتا تھا تاہم اگر رشتہ داری

بنا پر وہ یہ مطالبہ کرنے کے مجاز بھی ہو سکتے تھے تو اپنی ذاتی حیثیت میں نہ کہ شام کی گورنری کی حیثیت میں حضرت عثمانؓ کا رشتہ جو کچھ بھی تھا معاویہ بن ابی سفیان سے تھا۔ شام کی گورنری ان کی رشتہ دار نہ تھی۔ اپنی ذاتی حیثیت میں وہ خلیفہ کے پاس مستغیث بن کر جا سکتے تھے اور مجرمین کو گرفتار کرنے اور ان پر مقدمہ چلانے کا مطالبہ کر سکتے تھے۔ گورنری کی حیثیت سے انھیں کوئی حق نہ تھا کہ جس خلیفہ کے ہاتھ پر باقاعدہ آئینی طریقے سے بیعت ہو چکی تھی، جس کی خلافت کو ان کے زیر انتظام صوبے کے سوا باقی پوری مملکت تسلیم کر چکی تھی، اس کی اطاعت سے انکار کر دیتے اور اپنے زیر انتظام علاقے کی فوجی طاقت کو مرکزی حکومت کے مقابلے میں استعمال کرتے اور ٹھیٹھ جاہلیت قدیمہ کے طریقہ پر یہ مطالبہ کرتے کہ قتل کے ملزموں کو عدالتی کارروائی کے بجائے مدعی قصاص کے حوالہ کر دیا جائے تاکہ وہ خود ان سے بدلہ لے۔"

مودودی صاحب نے غالباً رجحان طبعی سے مجبور ہو کر واقعات ثابتہ سے آنکھیں بند کر لیں اور صورت حال کا ایک فرضی نقشہ مرتب کر لیا چنانچہ اس کے مطابق جو عمارت کھڑی کی اس کی ایک ایک "خشت کج" رکھی یوں وہ اپنی بنائی ہوئی بھول بھلیوں میں بھٹک رہے ہیں اور ضلوا فاضلوا کا مصداق بنے ہوئے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

(۱) ان کے مزعومات میں پہلی بنیادی غلطی یہ ہے کہ انھوں نے خلیفہ راشد و مرشد حضرت عثمان صلوات اللہ علیہ کے قتل کو معمولی آدمی کا قتل سمجھ لیا اور یہ رائے قائم کر لی کہ مقتول کے وارث باقاعدہ عدالت میں قصاص کا مطالبہ کرتے لیکن مطالبہ کیا ایک طرف تو ام المومنین عائشہ صدیقہؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ نے اور دوسری طرف حضرت معاویہؓ نے شام کے گورنر ہونے کی حیثیت سے حالانکہ "شام کی گورنری ان کی رشتہ دار نہ تھی"

مودودی صاحب ذرا سمجھ سے کام لیتے اور یہ دیکھتے کہ امام مظلوم کا یہ قتل ایک فرد کا قتل نہیں تھا نتائج و عواقب کے اعتبار سے پوری اُمت کا قتل تھا یعنی اس

خبیثانہ اقدام نے سیاسیات اسلامیہ میں وہ تباہ کن سلسلہ شروع کر دیا جس سے فتنوں کے دروازے کھل گئے اس لئے اشد ضرورت تھی اور امت کے اصحاب الرائے پر واجب تھا کہ سبائی بلوائیوں کی اس فتنہ پرور تحریک کا قلع قمع کریں اور اس ملعون عنصر سے امت کو نجات دلائیں کیونکہ یہ معاملہ تو اس وقت عالم اسلام کے سیاسی مستقبل کا معاملہ بن گیا تھا۔

(۲) یہ کس نے کہا کہ خون عثمانؓ کے قصاص کا معاملہ حضرت علیؓ کے سامنے باقاعدہ پیش نہیں کیا گیا سب جانتے ہیں کہ یہ مسئلہ اہتمام سے پیش کیا گیا لیکن حضرت علیؓ نے قصاص لینے سے اپنی بے بسی اور معذوری ظاہر کی کیونکہ یہی قاتل تو ان کے گرد و پیش تھے ان کی حکومت کے کرتا دھرتا بنے ہوئے تھے خود ان کے با خذہ۔ (البدایہ والنہایہ۔ ج ۷، ص ۲۲۷) میں صراحتاً بیان ہے کہ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ اور دیگر صحابہ کرام نے قصاص خون عثمانؓ لئے جانے کا حضرت علیؓ سے ابتدا ہی میں مطالبہ کیا۔ طلبوا منہ اقامۃ الحدود والاخذ بدم عثمان مگر انھوں نے یہ کہکر معذوری کا اظہار کیا کہ قاتلوں کو ہمارے مقابلہ میں قوت ہے لہذا اس وقت قصاص لینے کا امکان نہیں انہ لا یمکنہ ذلک یوم ھذا۔ مودودی صاحب کے دوسرے ماخذ شرح نہج البلاغۃ نیز طبری میں جس کا حوالہ انھوں نے خود دیا ہے یہ بیان ہے کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت کے مطالبہ کرنے پر حضرت علیؓ نے جواب میں فرمایا تھا کہ :-

اِنِّی لَسْتُ اَجْھَلُ مَا تَعْلَمُوْنَ وَلٰکِنْ کَیْفَ لِی بِقُوَّۃٍ والقوم المجلبون عَلٰی حَدِّ شَوْکَتِھِمْ یَمْلِکُوْنَنَا وَلَا نَمْلِکُھُمْ	میں ناواقف نہیں ہوں (اس حکم اخذ قصاص سے) جس کو تم جانتے ہو لیکن مجھ میں یہ قوت (قصاص لینے کی) کہاں ہے اور وہ لوگ (بلوائی گروہ) اپنی پوری قوت و شوکت پر ہے اور ہم ان پر قدرت نہیں رکھتے۔

ساتھ ہی یہ بھی فرمایا تھا کہ ذرا حالات سکون پر آنے دیجئے تو قصاص لینے کی کارروائی کی جا سکے گی مگر دن پر دن گذرتے گئے اور کوئی کارروائی نہ کی گئی۔

(۳) اگر یہ بلوائی محض قاتل ہوتے تب بھی قصاص لینا کچھ مشکل نہ تھا لیکن حضرت علیؓ کی بیعت خلافت میں ان کے نہ صرف پیش پیش ہونے بلکہ دوسروں سے بجبر بیعت کروانے سے معاملات خلافت میں وہ اس طرح دخیل ہو گئے کہ صورت حال انھوں نے بدل دی۔ وہی سبائی لیڈر الاشتر جس نے اس وقت کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے مکان میں اسے بٹھا کر پوچھا تھا کہ آخر تم لوگ چاہتے کیا ہو صاف کہہ دیا تھا کہ یا تو خلافت چھوڑ دو ورنہ ہم تم کو قتل کر دیں گے (البدایہ والنہایہ۔ ج ۷، ص ۱۸۰) وہی الاشتر اب حضرت علیؓ کا مشیر خاص بنا ہوا تھا۔ ان مایوس کن حالات میں کہ حضرت علی کی جانب سے قصاص لینے کی کوئی امید نہ تھی سب اصحاب الرائے کی نظریں بالآخر مکہ معظمہ کی جانب اٹھنے لگیں جہاں مادر مومنین حضرت عائشہ صلوات اللہ علیہا اور بعض دوسری امہات المومنین موجود تھیں نیز خلفائے ثلاثہ کے صاحبزادے اور اجلہ صحابہ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ اور متعدد صوبجات کے عثمانی گورنر مثلاً بصرے سے حضرت عبداللہ بن عامرؓ یمن سے حضرت یعلی بن امیہؓ کوفے سے حضرت طلیحہ بن عدیؓ اور ایک جماعت صحابہ کی مجتمع تھی فاجتمع فیہا خلق من سادات الصحابہ (البدایہ۔ ج ۷، ص ۲۳۰) مجلس مشاورت میں ام المومنین حضرت عائشہؓ کے دریافت کرنے پر قصاص کن سے لینا ہے عرض کیا گیا:۔

انہم معروفون وانہم بطانۃ علی ورؤساء اصحابہ (اخبار الطوال ص۱۵۳)	یہ لوگ تو جانے پہچانے ہیں یہ سب علیؓ کے معتمد رازدار اور ان کے رفقا کے سربراہ ہیں۔

اس وقت قاتلین میں کچھ مدینہ میں کچھ بصرے و کوفے وغیرہ میں تھے اس لئے مختلف تجویزیں زیر بحث آئیں آیا مدینہ جا کر پھر حضرت علیؓ سے مطالبہ کیا جائے یا شام میں حضرت معاویہؓ سے مدد لی جائے چونکہ مقصد مجرمین سے قصاص لے کر سیاسی نظام اسلامی کی حرمت کے تحفظ سے تھا اس لئے یہ دونوں تجویزیں مسترد کر دی گئیں۔ سابق عامل بصرہ کی تجویز پر پہلے بصرہ پھر کوفے کا پروگرام بنایا گیا کہ مفسدین کی سزا ہی سے حالات کی اصلاح کی جائے۔ حضرت علی کو ان کی حالت بے بسی پر چھوڑ دیا جائے فتح الباری میں محدث المہلب کا یہ قول نقل ہے کہ:۔

ان احداً لم ینقل ان عائشة ومن معہا نازعوا علیاً فی الخلافة ولادعوا احدمنہم لیولوہ الخلافة (ج ۱۳، ص ۲۱)

کسی ایک (محدث و مولف) نے یہ روایت نقل نہیں کی (حضرت) عائشہؓ نے اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے انھوں نے خلافت کے معاملہ میں علی سے کوئی تنازعہ کیا اور نہ انھوں نے یہ دعویٰ کیا کہ ان میں کسی کو طلحہؓ یا زبیرؓ کو) خلافت پر قایم کیا جائے۔

مودودی صاحب کو کتب تاریخ کے مطالعہ سے اس واقعہ کا ضرور علم ہوگا کہ :۔

(۴) حضرت علیؓ یوں تو اقامتہ حدود و اخذ قصاص میں اس درجہ شدید تھے کہ امیرالمومنین فاروقِ اعظمؓ کے صاحبزادے حضرت عبید اللہؓ نے جب ایرانی سردار ہرمزان کو اپنے والد محترم کے قتل کی سازش کے شبہ میں قتل کر دیا تھا حضرت علیؓ نے یہ کہا کہ ہرمزان مقتول مسلمان تھا میرے چچا عباسؓ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا تھا اس کے قاتل کو قصاص میں قتل کیا جائے مگر حضرت عثمانؓ نے اپنی خلافت کے پہلے ہی دن مشہور روایت کے مطابق ہرمزان کے فرزند کو خونبہا دے کر اس مقدمہ کو فیصل کر دیا تھا لیکن بارہ برس کی طویل مدّت گذر جانے کے بعد بھی حضرت علیؓ نے اپنی خلافت کے پہلے ہی دن اس ایرانی سردار ہرمزان کے قصاص کے طے شدہ مقدمہ کو "بازیہ نمبر" کیا اور از سرِ نو بغیر عدالتی کارروائی شروع کرنے کے حضرت فاروق اعظمؓ کے صاحبزادے عبید اللہ کو تہہ تیغ کرنے کے لئے گرفتار کرانا چاہا وہ اپنی جان بچا کر مدینہ سے دمشق حضرت معاویہؓ کے پاس چلے گئے۔ ایرانی سردار کا قصاص لینے میں یہ تو شدّت اور حضرت عثمانؓ کے قصاص خون سے یہ غفلت ان کے اس طرز عمل کے تضاد و تباین کا سبب ان کی بے بسی و مجبوری ہو یا "دانستہ تساہل" اس پر گفتگو مقصود نہیں۔ مودودی صاحب کو جب یہ تسلیم ہے (شمارہ جون ص ۲۶۰) کہ قاتلین عثمانؓ حضرت علیؓ کے ساتھ تھے ان کی فوج میں شامل تھے اور "یہ چیز ان کے لئے بدنامی کا موجب بھی ہوئی اور فتنے کا موجب بھی" اسی کے ساتھ وہ حضرت علیؓ کا یہ قول بھی نقل کرتے ہیں (ایضاً ص ۲۶۴) کہ "میں ان لوگوں (قاتلین عثمانؓ کو) کیسے پکڑوں جو اس وقت ہم پر قابو یافتہ ہیں" صاف ظاہر ہے کہ ان حالات میں باوجود مطالبہ

قصاص کے ان لوگوں سے جو قابو یافتہ تھے اور سیاست وقتی میں دخیل ہو گئے تھے قصاص کیسے لیا جاتا بقول لیکہ ؎

وہی قاتل وہی حاکم وہی منصف ٹھہرے — اقربا میرے کریں خوں کا دعویٰ کس پر

(۵) البدایہ وطبری وغیرہ کے حوالہ سے مودودی صاحب خود ہی فرماتے ہیں۔

(شمارہ جون ص ۲۶۴)

"حضرات طلحہ وزبیرؓ رضی اللہ عنہما چند دوسرے اصحاب کے ساتھ ان سے (حضرات علیؓ سے) ملے اور کہا کہ ہم نے اقامت حدود کی شرط پر آپ سے بیعت کی ہے آپ اب ان لوگوں (یعنی قاتلوں) سے قصاص لیجیے"

یہ مشروط بیعت جو ان کے مآخذ البدایہ کے الفاظ میں اقامۃ الحدود والاخذ بدم عثمان کے لئے رؤس الصحابہ نے کی تھی یقیناً اسی عہد قصاص خون عثمانؓ کو پورا کرنے اور کروانے کے لئے کی تھی جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر منجملہ چودہ سو صحابہ جن میں خود حضرت علیؓ بھی شامل تھے وہ سالہا سال پہلے کر چکے تھے۔ مودودی صاحب کو انکار کی غالباً جسارت نہ ہوگی کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر اس خیال سے کہ قریش کی نگاہوں میں بھی حضرت عثمانؓ معزز و محترم ہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے معتمد رسول (سفیر) کی حیثیت سے انھیں مکہ معظمہ اسی مقصد سے بھیجا تھا کہ قریش کو یہ پیغام پہنچائیں کہ ہم لڑنے نہیں آئے عمرہ کرکے لوٹ جائیں گے مکہ میں آنے میں مزاحم نہ ہوں قریش نے حضرت عثمانؓ کو روک لیا اور یہ خبر مشہور ہوئی کہ قتل کر دئے گئے بقول علامہ شبلیؒ۔

یہ خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ عثمان کے خون کا قصاص لینا فرض ہے یہ کہکر آپ نے ایک ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ کر صحابہ سے جاں نثاری کی بیعت لی تمام صحابہ نے جن میں مرد و زن دونوں شامل تھے ولولہ انگیز جوش کے ساتھ دست مبارک پر جاں نثاری کا عہد کیا۔ یہ تاریخ اسلام کا ایک مہتم بالشان واقعہ ہے اس بیعت کا نام بیعۃ الرضوان ہے (سیرۃ النبی ج ۱ ص ۴۵۴)

خبر چونکہ مصدقہ نہ تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بقول شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنے ایک دست مبارک کو دوسرے پر رکھکر فرمایا ھذہ یدی وھذہ ید عثمان یہ ہمارا ہاتھ ہے اور یہ عثمان کا ہاتھ ان کی جانب سے خود ہی بیعت کی۔ اسلامی لٹریچر کے علاوہ شیعوں کی مستند کتاب الروضہ (کافی کلینی ص ۱۵۱) میں بھی اس واقعہ کا ان الفاظ میں ذکر ہے۔ وَضَرَبَ بِاَحْدِی یَدَیہِ عَلَی الاُخریٰ لعثمان اسی کو ملا باقر مجلسی نے حیات القلوب (ج ۲ ص ۴۱۸) میں کلینی ہی کے حوالہ سے یوں بیان کیا ہے:۔

"حضرت رسول خدا یک دست خود بر دستِ دیگر زد و برائے عثمان بیعت کرد"

اللہ تعالےٰ نے سورۂ فتح کی یہ آئتیں نازل فرمائیں:۔

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِھِمْ (الی آخرہ)	یقیناً اللہ راضی ہوا ان مومنین سے جبکہ وہ درخت کے نیچے تم سے (اے رسول) بیعت کر رہے تھے اور وہ جانتا تھا کہ ان کے دلوں میں کیا ہے۔

اللہ پاک کا یہ ارشاد رضا اور اس کے محبوب رسول کا اپنے مقدس ہاتھ کو عثمانؓ کا قرار دینا ایسی لاثانی خوش بختی و فضیلت حضرت عثمانؓ کی ہوئی جو کسی دوسرے کو نصیب نہ ہوئی سہ

دستِ او دستِ نبیؐ دستِ نبی دستِ خدا　　دستِ حق باشد ازیں حضرت عثمانِ غنیؓ

پھر اسی سورۂ فتح کی مزید آیتوں میں رسول خداؐ سے بیعت کرنے والوں کو خدا سے بیعت کرنے والا اقرار دے کر عہد توڑنے والے کو اس کے ذاتی نقصان کی اور عہد پورا کرنے والے کو اجر عظیم کی خبر دی گئی اور فرمایا گیا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ فَمَنْ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنْکُثُ عَلٰی نَفْسِہٖ وَمَنْ اَوْفٰی بِمَا عٰھَدَ عَلَیْہُ اللّٰہَ فَسَیُؤْتِیْہِ اَجْرًا عَظِیْمًا۔	جو لوگ تم سے (اے رسول) بیعت کرتے ہیں وہ خدا سے بیعت کرتے ہیں۔ خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے پھر جو عہد توڑ دے تو عہد توڑنے کا نقصان اسی کی ذات کو ہے اور جو اس بات کو جس کا اس نے اللہ سے عہد کیا ہے پورا کرے تو وہ اس کو عنقریب اجر عظیم دے گا۔

خدائے علیم و خبیر ہی کے علم میں تھا کہ قصاص عثمانؓ کی جو بیعت لی جا رہی ہے وہ اس موقع کی نہیں کہ عثمانؓ زندہ بچ آئیں گے بلکہ آیندہ اندوہناک موقع کی ہے جب سبائیوں کی منظم سازش سے حضرت عثمانؓ خلیفہ وقت کی حیثیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اِن دو حکموں کی تعمیل کرتے ہوئے انتہائی مظلومیت سے مقتول ہوں گے ایک یہ کہ عثمانؓ جو قمیص (عبائے خلافت) اللہ تمھیں پہنائے اسے لوگوں کے مطالبہ پر تم سے نہ اتارنا۔ دوسرے یہ کہ "خبردار! مسلمان کی تلوار کسی مسلمان کے خلاف نیام سے نہ نکلے" یہ تھے وہ حالات و محرکات طلب قصاص کے نہ کہ کوئی وقتی و سیاسی غرض و مصلحت جیسا مودودی صاحب نے ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے حضرت طلحہ و زبیرؓ اور رؤس الصحابہ جو بیعت الرضوان میں موجود تھے اپنے اس عہد کو جو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر اللہ سے کیا تھا پورا کرنے اور کرانے اور منصب خلافت کی حرمت کے تحفظ کے لئے اُٹھے تھے۔ رہے حضرت علیؓ تو وہ اپنے حالات کے لحاظ سے قصاص لینے سے معذور اپنی خلافت کے استحکام کے انتظار میں رہے، بقول شاہ ولی اللہ محدث دہلوی "مقاتلات و سے علی رضی اللہ عنہ برائے طلب خلافت بود نہ بجہت اسلام (ازالۃ الخفاج ۱ ص ۲۷۷)

(۶) سبائی بلوائیوں نے اپنی عافیت اسی میں دیکھی کہ کارگذار و تجربہ کار عمال عہد عثمانی خصوصاً حضرت معاویہؓ کو جن سے انھیں زیادہ خطرہ تھا برطرف کرا دیں حضرت علیؓ کے مخلص اصحاب الرائے کی انھوں نے ایک نہ چلنے دی۔ حضرت علیؓ کی بیعت ابھی ادھوری ہی تھی نصف امت یا اس سے زیادہ نے بیعت نہیں کی تھی اور قریہ بہ قریہ مسلمانوں کے قلوب امام مظلوم کے اس طرح ذبح کردئے جانے سے مجروح و متالم تھے کہ انھوں نے بلوائیوں سے مودودی صاحب کے ماخذ البدایہ کی روایت کے مطابق یہ فرما کر کہ قسم بخدا اگر تم نے مجھے قتل کر دیا تو میرے بعد نہ تم میں باہمی مودت رہے گی نہ کبھی تم سب اکٹھے نماز ادا کرو گے اور نہ سب اکٹھے ہو کر پھر کبھی دشمنوں سے مقابلہ کر سکو گے واللہ لئن قتلتمونی لاتحابوا بعدی ولا تصلوا جمیعاً ابداً ولا تقاتلوا بعدی عدواً جمیعاً ابداً (ج ۷، ص ۱۸۰) اور اپنے عزیزوں و حامیوں کو عدم تشدد کا قطعی حکم

دے کر اسی مبارک ہاتھ میں جسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ فرمایا تھا قرآن شریف تھام کر تلاوت میں مشغول ہو گئے۔ قاتل خبیثوں نے اسی ہاتھ کو مجروح کر کے پیشانی مبارک پر ضرب لگائی خون پاک کا فوارہ چھوٹ کر چند قطرے قرآن مجید کی سورۃ البقرہ کی اس آیت پر پڑے فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔ صحابہ کرام نے اس آیت کے مضمون کو منتقم حقیقی کا تقدیری اشارہ سمجھا یعنی خدا کی ذات تم کو کافی ہے اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے جلد ہی تمہارے قاتلوں اور دشمنوں سے نمٹ لیگا چنانچہ حضرت امیر معاویہؓ نے چن چن کر قاتلوں سے بدلہ لے لیا۔

مودودی صاحب کا دعویٰ ہے کہ سوائے شام کے باقی تمام ممالک میں بیعت کی تکمیل ہو گئی تھی۔ اس تصور کی غلطی ہم پچھلے اوراق میں ثابت کر چکے کہ صحابہ کرام اور امت کی اکثریت اگر اس خلافت کی آئینی حیثیت تسلیم کر چکی ہوتی تو حضرت علیؓ کے تمام اقدامات میں ان کا ساتھ دیتی۔ مگر اس بھاری اکثریت نے ساتھ دینے نیز قتال وجدال سے احتراز کیا۔ یہ ان بزرگواروں کی امن کوشی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ حالات معمول پر آجائیں اور قاتل کیفر کردار کو پہنچیں۔

صحابہ کرامؓ کی یہ کیسی امن پسندی تھی اور کس درجہ ان کی تعمیری ذہنیت تھی کہ جب مختلف عاملوں کو برطرفی کے فرمان پہنچے تو بے تأمل الگ ہو گئے۔ ورنہ ان کی یہ حیثیت تھی کہ ہر جگہ وہ علم بغاوت بلند کر سکتے تھے۔ صرف ایک حضرت معاویہؓ رضوان اللہ علیہ تھے جنھوں نے بیعت سے انکار کر دیا تھا مگر اس طرح کہ حضرت علیؓ کے خلاف کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا۔ انھیں اطمینان تھا کہ حضرت ام المومنینؓ جن کے ساتھ اکابر صحابہ کے علاوہ برطرف شدہ والی تھے ان کی مساعی کامیاب ہو جائیں گی اور امت خانہ جنگی سے بچ جائے گی۔

جنگ جمل حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ صلوٰات اللہ علیہا نے بیعت الرضوان کے تحت اپنی ذمہ داری سمجھی اور امت کی ماں ہونے کا یہ تقاضا جانا کہ امت کی اصلاح کے لئے کھڑی ہوں۔ آپ کے گرد تمام صحابہ و دیگر حضرات جمع ہو گئے جنھیں صورت حال اندوہناک معلوم ہوتی تھی اور جو اپنی یہ حیثیت پہچانتے تھے کہ رائے عامہ کی وہ تنظیم کر کے امت کو اس نابکار ٹولی سے نجات دلا سکیں گے۔

اس تحریک کے لئے مکہ اب موزوں جگہ نہ تھی کیونکہ حاجیوں سے یہ شہر خالی ہو چکا تھا۔ اس لئے بصرہ تجویز کیا گیا۔ کیونکہ سبائیہ کا وہ بھی ایک مرکز تھا اور وہاں کی بھی ایک ٹولی قاتلوں میں شامل تھی۔ ان حضرات نے یہ سوچا اور بالکل صحیح کہ اگر وہاں کی رائے عامہ کو وہ استوار کر سکے تو سبائیہ کا ایک مرکز ٹوٹ جائیگا اور اس کے بعد کوفے کی ٹولی کی نوبت آئے گی۔

تمام اہل سیر اس امر پر متفق ہیں کہ ام المومنین نے بصرے کے باہر قیام فرمایا کیونکہ آپ وہاں کے نظم ونسق میں اختلال پیدا کرنا نہیں چاہتی تھیں اور یوں جب آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے تقریروں کا سلسلہ شروع کیا تو ایک بڑی جماعت آپ کے ساتھ ہوگئی مودودی صاحب بھی اس سے متفق ہیں (جون ص ۲۶۴)

حضرت عبداللہ بن عامرؓ کی جگہ اب حضرت علیؓ کی طرف سے بصرے کے والی عثمان بن حنیف تھے انھوں نے صحابہ سے مشورہ کیا کہ اس وقت کیا موقف اختیار کریں۔ عمران بن حصینؓ اور ہشام بن عامر انصاری نے مشورہ دیا کہ بالکل خاموشی اختیار کی جائے۔ (طبری ۵: ۱۷۴-۱۷۵ منقول از العواصم ص ۱۵۲) لیکن انھوں نے یہ مشورہ قبول نہیں کیا اور ان کے خلاف عملی کارروائی کرنے پر تیار ہوگئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اہل بصرہ میں اختلاف پڑ گیا اور جو اختلاف اب تک نظری تھا وہ عملی بن گیا۔ بہت سے لوگ حضرت ام المومنین کی خدمت میں حاضر ہوگئے اور کچھ لوگوں نے عثمانؓ بن حنیف کا ساتھ دیا۔ اب بھی بات بگڑی نہ تھی مگر عثمان بن حنیف نے اصحاب جمل پر حملہ کر دیا اور اس طرح تعمیری کام میں صورت خرابی کی پیدا ہوگئی (طبری ۵: ۱۷۵ منقول از العواصم ص ۱۵۵) اصحاب جمل اپنی مدافعانہ جنگ میں کامیاب ہوئے اور بصرے پر ان کا قبضہ ہو گیا۔ خود بصریوں نے عثمانؓ بن حنیف کو پکڑ کے ان کی داڑھی نوچ لی لیکن اصحاب جمل نے انھیں چھڑا لیا اور وہ مدینہ روانہ ہوگئے (طبری ۵: ص ۱۸۰ منقول از العواصم ص ۱۵۶)

بہرحال بصرے پر اصحاب جمل کا قبضہ ہو جانے کے باوجود سبائیوں کا سرغنہ حکیم بن جبلہ خاموش نہیں ہوا بلکہ اپنی فساد انگیزی پر قائم رہا۔ چنانچہ اس نے علانیہ حضرت

ام المومنین کی اساءت ادب کا ارتکاب کیا جس پر ایک خاتون نے اسے ڈانٹا کہ گستاخانہ کلمات منہ سے نکالے۔ اس نے برافروختہ ہو کر اس عفیفہ کو قتل کر دیا۔ اس کی اس حرکت سے آگ لگ گئی۔ حکیم کے تین سو آدمی اس کی حمایت کو آگئے اور یوں دوبارہ جنگ چھڑی تا آنکہ یہ لوگ قتل کر دیئے گئے۔ اب اصحاب جمل کی طرف سے اعلان ہوا کہ جتنے لوگوں نے مدینہ پر چڑھائی کی تھی ان میں سے جو شخص بھی یہاں ہو اُسے لایا جائے۔ بصرے کے لوگ ان لوگوں کی حرکتوں سے اتنے مشتعل تھے کہ ان میں سے ایک ایک آدمی کتوں کی طرح گھسیٹ کر لایا جاتا اور قصاصاً قتل کر دیا جاتا تھا (طبری ۵: ص ۱۸۰)

حضرت علیؓ مدینہ سے بصرے تشریف لے آئے تو سبائیہ کی بھی ایک بڑی تعداد انکے ساتھ آئی یہاں آکر صحیح صورت حال معلوم ہوئی اور بجائے جنگ چھڑنے کے افہام و تفہیم کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مجاہد کبیر حضرت قعقاع بن عمرو تمیمیؓ کی کوشش سے سب غلط فہمیاں رفع ہو گئیں اور فریقین اس پر متحد ہو گئے کہ قاتلانِ عثمانؓ کو صفوں سے نکال دیا جائے اور دونوں فریق مل کر ان کی سرکوبی کریں۔ اس اتفاق و اتحاد کی فضاء کو مزید مستحکم کرنے کے لئے حضرت علیؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو اصحاب جمل کے پاس بھیجدیا اور حضرت طلحہؓ نے اپنے فرزند سید محمد کو حضرت علیؓ کے پاس۔ ابن کثیر البدایہ والنہایہ میں لکھتے ہیں۔

(۷: ۲۲۹) نیز طبری (۵: ۲۰۲-۲۰۳) و منہاج السنہ (۲: ۱۸۵؛ ۳: ۲۲۵، ۲۴۱)

فاطمأنت النفوس وسكنت واجتمع كل فريق باصحابه من الجيشين فلما امسوا بعث عليٌّ عبد الله بن العباس اليهم وابعثوا محمد بن طلحة السجاد الى عليٍّ. وعولوا جميعا على الصلح وباتوا بخير ليلة لم يبيتوا بمثلها للعافية وبات الذين اثاروا امر عثمان

سب کے دل مطمئن ہو گئے اور قرار آگیا۔ اور دونوں فریق اپنے اپنے لشکروں کے ساتھ ٹھہر گئے۔ جب رات ہوئی تو (حضرت) علی نے (حضرت) عبداللہ بن عباس کو اصحاب جمل کے پاس بھیجدیا اور ان حضرات نے (حضرت) محمد بن طلحہ سجاد کو (حضرت) علی کے پاس بھیجدیا اور سب کے سب صلح کی طرف جھک گئے۔ اور رات کو ایسی چین کی نیند سوئے کہ ویسی نیند اب تک نصیب نہیں ہوئی تھی۔ لیکن جنھوں نے (حضرت) عثمان کے بارے میں

بشر ليلة باتوا ها فقد اشرفوا على الهلكة وجعلوا يتشاورون ليلتهم كلها حتى اجتمعوا على انشاب الحرب فی السر واستتروا بذلك خشية ان يفطن بما حاولوا من الشر فغدوا مع الغلس وما يشعر بهم جيرانهم انسلوا الى ذلك الامر انسلالا۔

فتنہ کھڑا کیا تھا ان کی نیند حرام ہوگئی اور موت سامنے نظر آئی۔ ساری رات یہ لوگ مشورے کرتے رہے تا آنکہ خفیہ طریقے پر جنگ چھیڑ دینے پر انھوں نے اتفاق کر لیا۔ اس چیز کو سب سے پوشیدہ رکھا کہ کہیں لوگوں کو اس ناپاک گٹھ جوڑ کی ہوا نہ لگ جائے چنانچہ منہ اندھیرے یہ لوگ اٹھ گئے کہ ان کے پڑوسی انھیں پہچان نہ سکے اور پھر انھیں جو کچھ کرنا تھا اسے کر گزرے (یعنی اصحاب جمل پر حملہ کر دیا انھوں نے اسے (حضرت) علی کی طرف سے غدر سمجھا اور حضرت علی نے اصحاب جمل کی طرف سے یوں جنگ چھڑ گئی۔

حضرت معاویہؓ اس تمام عرصے میں بالکل خاموش رہے۔ حضرت علیؓ کی مخالفت کا ادنیٰ خیال بھی ہوتا تو ان کے لئے بہت آسان تھا کہ اپنی زبردست فوجیں لے آتے حضرت علیؓ کو ان کا مقابلہ کرنا ممکن نہ رہتا لیکن حضرت معاویہؓ اور اصحاب جمل کا مقصد فساد نہیں تھا وہ تو تعمیری انداز میں امت کو اس تخریبی تحریک سے جو بلوائیوں نے پیدا کی تھی نجات دلانا چاہتے تھے۔

جنگ جمل سے پہلے جو فضا قایم ہوگئی تھی وہ اگر برقرار رہتی یعنی دونوں لشکر الگ الگ پڑے رہنے کے بجائے یکجا ہو گئے ہوتے تو سبائیوں کو غداری کا موقع نہ ملتا اور امت کی تاریخ بدل جاتی مگر جو ہونا تھا ہو گیا۔

کاش مودودی صاحب تعصب سے بالا ہو کر ام المومنین اور کبار صحابہؓ کے موقف اور عملی اقدامات کی صحیح نوعیت معلوم کرتے اور دشمنان صحابہ کی وضعی روایتوں پر توجہ کرنے کے بجائے درایت و دیانت سے واقعات کا تجزیہ کرتے تو کیوں اس معصیت میں مبتلا ہوتے کہ جس ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے اسے "مُشدّد جاہلیت کا پیرو" بتائیں اور سبائی ٹولی کی غداری سے لڑائی چھڑ جانے کے نتیجے میں امت کی اس ماں کو "شکست خوردہ فریق کی اصل

قاتلہ" کہکر خوشی سے بغلیں بجائیں یہ تصور مودودی صاحب کا بہت سطحی ہے کہ مقصود محض قاتلوں سے قصاص لینا تھا یا حضرت علیؓ کی خلافت ناگوار تھی یا اپنی خلافت قایم کرنا چاہتے تھے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں یہ قول محدث المہلب کا یہ صحیح نقل کیا ہے۔

ان احداً لم ینقل ان عائشۃ ومن معہا نازعوا علیاً فی الخلافۃ ولا دعوا احد منہم لیولوہ الخلافۃ۔

(ج ۱۳، ص ۴۱)

کسی ایک (محدث) نے بھی یہ روایت نقل نہیں کی کہ (حضرت) عائشہؓ نے اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے انھوں نے خلافت کے معاملہ میں علیؓ سے تنازعہ کیا اور نہ انھوں نے یہ دعوی کیا کہ ان میں سے کسی کو (مثلاً طلحہؓ وزبیر کو) خلافت پر قایم کیا جائے۔

یہ سب تصورات صحابہ کرام کے دشمنوں نے قایم کئے ہیں جن کا اعادہ مودودی صاحب نے ابومخنف وغیرہ سبائی راویوں کے سہارے کیا ہے وہاں تو مقصود یہ تھا کہ قصاص لیکر آیندہ کے لئے سدّ باب کر دیا جائے کہ آفاقی لوگ نظام سیاسی پر اس طرح حاوی ہو سکیں۔ اور ارباب حل وعقد کے بجائے نظم مملکت میں اس طرح من مانی کرنے لگیں کہ خلافتِ اسلامیہ ان کے مقاصد سلفیہ کی تابع ہو جائے۔

غلط تصوّر

مودودی صاحب نے ایک اور ناپاک تصوّر یہ قایم کیا ہے اور طبقات ابن سعد پر تکیہ کر کے اپنی ہوائے نفس کے تحت اسے صحیح باور کر لیا کہ جو اموی سادات حضرت ام المؤمنینؓ کے ساتھ تھے مثلاً حضرت سعید بن العاصؓ حضرت مروان بن الحکمؓ اور حضرت عبداللہ بن عامرؓ وہ منافقانہ اس گروہ باصفا میں شامل ہوئے تھے، ان کا دل یہ چاہتا تھا کہ حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ اور دوسرے صحابہ کرام کو قتل کر دیں۔ چونکہ مودودی صاحب کے دل ان اموی صحابہ اور اموی سادات کرام کی طرف سے صاف نہیں ان کے متعلق ہر قسم کی روایت قبول کرنے پر تیار رہتے ہیں اس لئے انھوں نے یہ واہی اور بے سروپا روایت قبول کر لی جسے معمولی سمجھ کا آدمی بھی قبول نہیں کر سکتا۔

حضرت عبداللہ بن عامر امویؓ جو عہد عثمانی کے آخر تک والی بصرہ تھے اور عثمان بن حنیف کے آنے کے بعد وہاں سے رخصت ہو گئے تھے۔ انھوں نے ام المومنین سے عرض کیا

تھا کہ مرکز بنانے کے لئے بصرہ موزوں ہے (العواصم ص ۱۴۰) اور واقعی وہ موزوں ثابت ہوا۔ اور وہاں کے ہزاروں لوگ ام المومنین کے ساتھ ہو گئے۔ اب مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ "سعید بن العاص نے اپنے گروہ کے لوگوں سے کہا" اگر تم قاتلین عثمان کا بدلہ لینا چاہتے ہو ان لوگوں کو قتل کر دو جو تمہارے ساتھ اس لشکر میں موجود ہیں"۔ پھر اس قول کی توضیح میں فرماتے ہیں (جون ص ۲۶۴)

"اس کا (یعنی حضرت سعیدؓ کا) اشارہ حضرت طلحہ و زبیر وغیرہ بزرگوں کی طرف تھا کیونکہ بنی امیہ کا عام خیال یہ تھا کہ قاتلین عثمان صرف وہی نہیں ہیں جنھوں نے ان کو قتل کیا بلکہ وہ سب لوگ جنھوں نے وقتاً فوقتاً حضرت عثمانؓ کی پالیسی پر اعتراضات کئے تھے اور وہ سب لوگ بھی قاتلین عثمانؓ ہی ہیں جو شورش کے وقت مدینہ میں موجود تھے مگر قتل عثمانؓ کے روکنے کے لئے نہ لڑے

مروان نے کہا کہ نہیں ہم ان کو (یعنی طلحہؓ و زبیرؓ اور علیؓ) کو ایک دوسرے سے لڑائیں گے۔ دونوں میں سے جس کو بھی شکست ہوگی وہ تو یوں ختم ہو جائیگا اور جو فتح یاب ہوگا وہ اتنا کمزور ہو جائیگا کہ ہم بآسانی اس سے نمٹ لیں گے۔ اس طرح اِن عناصر کو لئے ہوئے یہ قافلہ بصرے پہنچا اور اس نے عراق سے اپنے ہزارہا حامیوں کی ایک فوج اکٹھی کر لی"۔

مودودی صاحب نے وضعی روایتوں سے یہ خیالی نقشہ تو مرتب فرمالیا اور دونوں بزرگوں کی خفیہ گفتگو بھی سُن لی۔ مگر اتنا اندازہ تو ہر شخص لگا سکتا ہے کہ اِن راویوں کو یہ خفیہ گفتگو جب معلوم ہوگئی تھی تو ام المومنینؓ اور حضرت طلحہؓ وغیرہما کو بھی ضرور معلوم ہوگئی ہوگی پھر انھوں نے اس کا کیا اثر لیا۔ اور بنو امیہ سے کیا معاملہ رکھا' اور کیوں یہ حضرات ان کی غداری جانتے ہوئے ان کے کہنے میں آ گئے۔

مودودی صاحب نے یہ روایت لے کر اور اس کی توجیہہ کر کے ثابت کر دیا کہ اموی سادات کا تذکرہ کرتے وقت وہ عدل اور عقل سے کام نہیں لے سکتے۔ کیا انھیں معلوم نہیں کہ حضرت سعید بن العاص حضرت مروان رضی اللہ عنہما خود مدینہ میں موجود تھے اور اس

گروہ میں شامل جو امیر المومنین عثمانؓ صلوات اللہ علیہ کی حفاظت کے لئے گھر کے اندر اور باہر موجود تھا۔ اسی گروہ میں حضرت محمد بن طلحہؓ اور حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ دونوں بھی تھے۔ اس دن حضرت محمدؓ کا رجز تھا۔

انا ابن من حامی علیہ باُحُد ورد احزاباً علی رغم معدّ

میں اس کا بیٹا ہوں جس نے ان کی حفاظت احد کے دن کی تھی اور کافروں کے لشکروں کو معد کے علی الرغم بھگا دیا تھا۔ معد قریش کے جد اعلیٰ ہیں۔ اور "علیہ" میں ضمیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے۔ گویا حضرت محمدؓ کے نزدیک حضرت عثمانؓ کی حفاظت ایسی ہی تھی جیسے خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

ابن الزبیرؓ کو جو عقیدت امیر المومنین عثمانؓ سے تھی اس کا تو کہنا ہی کیا۔ ان کی یہ عقیدت اس وقت بھی قائم تھی جب انھوں نے امیر المومنین یزیدؒ کی بیعت سے انکار کیا اور امیر المومنین عبدالملکؒ سے ان کی لڑائیاں ہوئیں۔ نجدہ حروری کے سامنے حضرت عثمانؓ کے فضائل پر جو انھوں نے تقریر کی تھی وہ کتابوں میں موجود ہے۔ مودودی صاحب نے غالباً پڑھی ہوگی۔

العواصم میں ہے (ص ۳۲)

وقد روی عبد اللہ بن عامر بن ربیعہ قال کنت مع عثمان فی الدار فقال اعزم علی کل من رای ان علیہ سمعاً وطاعۃ الا کف یدہ وسلاحہ ثم قال قم یا ابن عمر و علی ابن عمر سیفہ متقلداً۔ فاخبر بہ الناس فخرج ابن عمر والحسن بن علی۔

عبداللہ بن عامر بن ربیعہ فرماتے ہیں "میں اس دن (حضرت) عثمانؓ کے ساتھ گھر میں موجود تھا۔ آپ نے فرمایا جو شخص اپنے اوپر میری بات سننی اور اطاعت کرنی واجب سمجھتا ہے میں اس سے پوری قوت کے ساتھ کہتا ہوں کہ اپنا ہاتھ اور اپنا ہتھیار روکدے۔ پھر آپ نے فرمایا "اے ابن عمرؓ اٹھو اور لوگوں کو بتا دو۔ (حضرت) ابن عمر اس وقت تلوار لگائے ہوئے تھے۔ چنانچہ انھوں نے نکل کر لوگوں کو اطلاع دے دی۔ نتیجے میں ابن عمر اور حسن ابن علیؓ نکل آئے۔

سب سے آخر میں عبداللہ بن الزبیرؓ نکلے تھے کیونکہ امیر المومنین جب شہادت کے

لئے تیار ہو گئے تو آپ نے اپنی تحریری وصیت حضرت عبداللہؓ ہی کے ہاتھ حضرت زبیرؓ کو بھیجی تھی۔ گویا حضرت زبیرؓ امیر المومنین کے وصی تھے اور آپ نے ان کے مال اور اولاد کی حفاظت و پرورش اپنے ذمہ لی تھی اور آپ ہی نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی تھی۔ ان سب امور کے عینی شاہد حضرت مروانؓ و حضرت سعیدؓ تھے۔ تو ان امور کی موجودگی میں حضرت سعیدؓ اور حضرت مروانؓ کے مابین وہ ناپاک گفتگو کیسے ہو سکتی تھی جو مودودی صاحب نے نقل کی ہے اور تمام امور کا عینی شاہد ہونے والا کوئی شخص یہ کیسے کہہ سکتا تھا کہ حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ اور مہاجرین و انصار نے حضرت عثمانؓ کی طرف سے مدافعت کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی اور ان بے دین و ملحد سبائیوں کی طرح آپ پر اعتراضات کرتے رہتے تھے۔ افسوس کہ اموی سادات کی عداوت میں مودودی صاحب کو یہ خیال نہیں رہتا کہ ان کی مزعومات کی زد کہاں کہاں پڑتی ہے۔ ان کا یہ قول قطعاً باطل ہے کہ ام المومنینؓ کے ساتھیوں میں کچھ حضرات ایسے تھے جو اصحاب جمل اور حضرت علیؓ کو لڑانا چاہتے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر وہ صلح ہی کیوں ہوتی۔ تمام تاریخیں متفق ہیں کہ صلح ہوئی مگر یہی سبائی تھے جنہوں نے اصحاب جمل پر اندھیرے میں حملہ کیا۔ اموی سادات جو طالبان قصاص تھے سب ام المومنین اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے ساتھ رہے اور جان کی بازی لگاتے رہے۔

قاتلِ طلحہؓ حضرت مروانؓ پر مودودی صاحب نے حضرت طلحہؓ کے قتل کا بہتان باندھا ہے (شمارہ جون ص ۲۶۶) اور اسی صفحہ کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ:۔

> "علامہ ابنِ عبدالبر کہتے ہیں کہ ثقات میں اس بات پر کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حضرت طلحہؓ کا قاتل مروان ہے البدایہ میں علامہ ابن کثیر نے بھی مشہور روایت اسی کو مانا ہے (ج ۷، ص ۲۴۷)"

ابن کثیر کے بارے میں مودودی صاحب کی یہ صریحاً غلط بیانی ہے کیونکہ البدایہ کے ص ۲۴۲ پر انھوں نے پہلے تو یہ لکھا ہے کہ کسی انجان شخص کا پھینکا ہوا تیر "سہم غرب" جنگ کے دوران حضرت طلحہؓ کے آکر لگا تھا پھر یہ کہکر کہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ تیر مروان بن الحکم نے مارا تھا واللہ اعلم لکھکر شبہ کا اظہار بھی کر دیا ہے

لیکن مودودی صاحب نے جس صفحہ ۲۴۷ کا حوالہ دیا ہے اس پر توقد قیل کے ساتھ صاف لکھدیا ہے کہ ان الذی رماہ غیرہ وھذا عندی اقرب یعنی حضرت طلحہؓ کے جس نے تیر مارا وہ ان کے (حضرت مروانؓ) سوائے اور کوئی تھا اور یہ بات میرے نزدیک زیادہ قریب صحت ہے" اس درجہ صراحت کے بعد مشہور روایت پر باظہار شبہ واللہ اعلم بھی لکھدیا ہے۔ مودودی صاحب کا یہ فرمانا کہ "ابن کثیر نے مشہور روایت اسی کو مانا ہے" کیا اخفائے حق و غلط بیانی نہیں رہے ابن عبدالبر کے ثقات تو الاستیعاب (ج ۱، ص ۲۰۷) پر جس کا حوالہ مودودی صاحب نے دیا ہے جن "ثقہ راویوں" کی سند سے حضرت مروانؓ پر جنگ جمل میں حضرت طلحہؓ کے تیر مارنے کی وضعی روایتیں لکھی ہیں ان میں ایک صاحب تو عبدالسلام بن صالح ہیں جنھیں امام ذہبی نے کٹر شیعہ (شیعی جلد) لکھا ہے العقیلی نے رافضی خبیث کہا ہے ابن عدی نے متہم بکذب نسائی نے غیر ثقہ اور الدارقطنی نے فرمایا ہے کہ یہ خبیث رافضی حدیثیں وضع کیا کرتا تھا اور کہتا تھا کلب للعلویۃ خیر من بنی امیۃ یعنی علوی لوگوں کے کتے بھی بنی امیہ سے اچھے ہوتے ہیں (میزان الاعتدال ج ۲، ص ۱۳۰) اسی قماش کے اور بھی راوی ہیں تو ان "ثقات" کا کیا اعتبار۔ مودودی صاحب کو جب یہ اقرار ہے کہ جنگ جمل کے موقع پر "حضرت علیؓ کی فوج میں وہ قاتلین عثمانؓ موجود تھے جو یہ سمجھتے تھے کہ اگر ان کے درمیان مصالحت ہوگئی تو پھر ہماری خیر نہیں (شمارہ جون ص ۲۶۵) ساتھ ہی اس کا بھی اقرار ہے کہ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ قصاص خون عثمانؓ کے طالب تھے ان حالات میں اموی سادات کے بغض و عناد سے وہ اگر بالاتر ہو کر غور فرما لیتے تو واضح ہو جاتا کہ جو لوگ قصاص عثمانؓ کے بارے میں مصالحت ہو جانے سے اپنی خیر نہیں سمجھتے تھے انھوں نے ہی ان دونوں طالبان قصاص طلحہؓ و زبیرؓ کو قتل کرنے میں اپنی عافیت سمجھی تھی۔ حضرت مروانؓ پر قتل طلحہؓ کا بہتان عائد کرنے سے بھی ثابت ہو گیا کہ مودودی صاحب اموی سادات کے بارے میں اپنے طبعی رجحان سے عدل و انصاف نہیں کرسکتے۔

موقف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

مودودی صاحب کے طنز و تعریض کا سب سے زیادہ نشانہ امیر المومنین حضرت معاویہؓ کی عدیم النظیر شخصیت ہے حالانکہ اصحاب کرام کے نزدیک وہ معیاری حکمران اور ان کے متفق علیہ امام تھے ان کی امامت پر صحابہ نے بالکل اسی طرح اجماع کیا تھا جیسے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر اور ان کی خلافت کو آئینی حیثیت سے وہ بالکل وہی درجہ دیتے تھے جو پہلے تینوں خلفاء کا تھا۔ مودودی صاحب یا کوئی دوسرا شخص صحیح اور مستند حوالوں سے کسی طرح یہ ثابت نہیں کرسکتا کہ صحابہ کرام نے ان کی اور پہلے تینوں خلفاء کی خلافت میں کوئی فرق کیا ہو۔ اور کر بھی سکتے تھے کیسے جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہی فرما چکے تھے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء کلما ھلک نبی خلفہ نبی وانہ لا نبی بعدی فسیکون خلفاء فیکثرون قالوا فما تامرنا قال فوا بیعۃ الاول فالاول اعطوھم حقھم فان اللہ سائلھم عما استرعاھم۔ (متفق علیہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ سے مروی ہے انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حوالہ دیا۔ آپ نے فرمایا ہے کہ بنو اسرائیل کی سیاست ان کے انبیاء کے ہاتھ میں تھی جب ایک نبی کی وفات ہو جاتی تو ان کی جگہ دوسرا قائم ہو جاتا۔ لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ البتہ خلفاء ہونگے اور بہت ہوں گے۔ صحابہ نے عرض کیا پھر ہمارے لئے کیا حکم ہے۔ فرمایا جو پہلے آتا جائے اس کی بیعت پوری کرو اور ان کے حقوق ادا کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ ان کی رعایا کے بارے میں ان سے خود باز پرس فرمانیوالا ہے (متفق علیہ)

گویا خلفاء کی تعداد دو چار کی نہیں ہے جیسا کہ اپنے آپ کو صحابہ کرام سے زیادہ عقلمند اور ان سے زیادہ دین کی سمجھ کا زعم رکھنے والے بزعم خود غلط لوگوں کا خیال ہے

کہ اللہ تعالیٰ نے خلافت کا وعدہ کرتے وقت صرف تیس برس کے لئے وعدہ کیا تھا اور نہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا کہ وضعی حدیث میں کہا گیا ہے جس کی قلعی ہماری پہلی کتاب میں کھولدی گئی ہے۔ بلکہ آپ نے صراحت فرمادی کہ جب فتنے بپا ہوں اور اُمت کے اندر غلط عقائد و تصورات پھیلانے والے لوگ پیدا ہونے لگیں تو اس وقت اہل حق کی نجات صرف اس میں ہوگی کہ جماعت اور اس کے امام سے وابستہ رہیں۔ (بخاری و مسلم) جو شخص یا گروہ اس نظام خلافت سے ہٹ کر فرقہ بندی کی کوشش کریگا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بنائی ہوئی جماعت کی راہ کے علاوہ کوئی راہ تلاش کرنا چاہے گا وہ سیدھا جہنم میں جائے گا (النساء ۱۷) اور جو شخص جماعت کا شیرازہ منتشر کرنے کے درپے ہوگا۔ وہ اپنے آپ کو قتل کے لئے پیش کر دے گا۔

(صحیح مسلم باب حکم فرق امر المسلمین وھو مجتمع ص ۱۳۷ ج ۲ طبع مصر)

عن عرفجۃ رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ وسلم یقول من اتاکم وامرکم مجتمع علیٰ رجل واحد یرید ان یشق عصاکم او یفرق جماعتکم فاقتلوہ۔

حضرت عرفجہؓ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں" میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے کہ جو شخص تمہارے سامنے آئے اور تمہارا سیاسی نظام کسی ایک شخص پر اجماع سے قائم ہو چکا ہو اور وہ چاہے کہ تمہاری حکومت میں اختلال پیدا کرے یا تمہاری جماعت میں تفرقہ ڈالنا چاہے تو اسے قتل کر دو۔

ایسی کوئی ایک دو حدیثیں نہیں ہیں بلکہ بیسیوں ہیں جن سے صراحت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی خلافت کا نظام صدیوں تک قائم رہے گا۔ اور یہ کہ وہ نظام حق ہوگا اس سلسلہ میں ہم ابتدائی اوراق میں کافی وشافی بحث کر چکے ہیں جس سے ثابت ہو گیا کہ مودودی صاحب نے خلافت وملوکیت کا فرق قائم کر کے اس نظام کو باطل کہا ہے جو امیر المومنین حضرت معاویہؓ کے عہد مبارک سے اُمت میں رائج ہوا اور اجماع صحابہ کرام سے جس کی بنیاد رکھی گئی اس طرح وہ سمجھ لیں کہ کہاں کھڑے ہیں۔

اب ہم اس سے بڑے اعتراض پر آتے ہیں جو مودودی صاحب نے حضرت معاویہؓ کے سلسلے میں امیر المومنین عثمانؓ پر عائد کیا ہے اور یہ ثابت کرنے کی سعی کوشش

کی ہے کہ انھوں نے حضرت معاویہؓ کو شام کا والی بنا کر دراصل اموی خلافت کی ڈول ڈالی تھی اور ان کا مقصد تھا کہ کسی طرح تمام دنیائے اسلام پر ان کے گھر والوں کا قبضہ ہو جائے۔ فرماتے ہیں [جون ص ۲۵۳]

انھوں نے حضرت معاویہؓ کو ایک ہی صوبہ کی گورنری پر مسلسل ۱۶-۱۷ سال مامور رکھا حالانکہ حضرت عمرؓ کا قاعدہ یہ تھا کہ وہ کسی شخص کو ایک ہی صوبہ کی حکومت پر زیادہ مدت تک نہ رکھتے تھے بلکہ وقتاً فوقتاً ادل بدل کرتے رہتے تھے اور یہی تدبر کا تقاضا بھی تھا۔ مگر حضرت معاویہؓ کے معاملہ میں حضرت عثمانؓ نے اسے ملحوظ نہ رکھا وہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں چار سال سے دمشق کی ولایت پر مامور چلے آرہے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے ایلہ سے سرحد روم تک اور الجزیرہ سے ساحل بحر ابیض تک کا پورا علاقہ ان کی ولایت میں جمع کر کے اپنے پورے زمانۂ خلافت (۱۲ سال) میں ان کو اسی صوبے پر برقرار رکھا یہی چیز ہے جس کا خمیازہ آخر کار حضرت علیؓ کو بھگتنا پڑا۔

شام کا یہ صوبہ اس وقت کی اسلامی سلطنت میں بڑی اہم جنگی حیثیت کا علاقہ تھا۔ اس کے ایک طرف تمام مشرقی صوبے تھے اور دوسری طرف تمام مغربی صوبے بیچ میں وہ اس طرح حائل تھا کہ اگر اس کا گورنر مرکز سے منحرف ہو جائے تو وہ مشرقی صوبوں کو مغربی صوبوں سے بالکل کاٹ سکتا تھا۔ حضرت معاویہؓ اس صوبے کی حکومت پر اتنی طویل مدت رکھے گئے کہ انھوں نے یہاں اپنی جڑیں پوری طرح جمالیں اور وہ مرکز کے قابو میں نہ رہے بلکہ مرکز ان کے رحم و کرم پر منحصر ہو گیا۔

مودودی صاحب نے یہاں ایسی تلبیس سے کام لیا ہے جس کی نظیر ملنی مشکل ہے ان کے بیان کے مطابق حضرت معاویہؓ عہد فاروقی میں چار سال تک صرف دمشق کے والی رہے۔ گویا ان کے زیر تصرف علاقہ صرف دمشق ہی کا تھا۔ یہ منطق ایسی ہے جیسے خلیفہ بغداد اور شاہ دہلی کی مروجہ اصطلاحوں کا مطلب یہ نکالا جائے کہ ان کی حکومت بس اور

شہروں کے حدود میں تھی۔

حضرت معاویہؓ کے تحت شام کا سب علاقہ تھا' اور اس علاقے کا پورا رقبہ خود حضرت فاروق اعظمؓ نے رفتہ رفتہ حضرت معاویہؓ کے تحت کر دیا تھا۔ ابھی پچھلے اوراق میں ہم حضرت عمیرؓ بن سعد انصاری کا واقعہ بیان کر چکے ہیں کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے انہیں حمص کی ولایت سے معزول کر کے یہ علاقہ حضرت معاویہؓ کی تحویل میں دے دیا تھا۔ (ملاحظہ ہو جامع ترمذی ج ۲ ص ۲۲۵ ابواب المناقب طبع دھلی) اس روایت کی سند نہایت قوی ہے۔ اور اس کے سب راوی اہل اللہ ہیں۔

عن ابی ادریس الخولانی قال لما عزل عمر بن الخطاب عمیر بن سعد عن حمص ولّی معاویۃ فقال الناس عزل عمیراً وولّی معاویۃ فقال عمیر لا تذکروا معاویۃ الا بالخیر فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللّٰھم اھد بہ۔

حضرت ابو ادریس خولانیؒ فرماتے ہیں جب حضرت عمرؓ بن الخطاب نے عمیر بن سعد کو حمص سے معزول کر کے معاویہؓ کو وہاں کا حاکم بنایا تو لوگوں نے کہا عمیر کو معزول کر دیا اور معاویہ کو حاکم بنا دیا اس پر حضرت عمیرؓ نے فرمایا معاویہ کا جب ذکر کرو بھلائی کے ساتھ کرنا کیونکہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے۔ "خدایا اس کو ہدایت کا ذریعہ بنا"

امام ابوبکر ابن العربیؒ نے صراحت کی ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ ہی نے شام کا پورا علاقہ حضرت معاویہؓ کے تحت کر دیا تھا (العواصم) اور ساتھ ہی فرماتے ہیں :۔

بل انما ولاہ ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ لانہ ولّی اخاہ یزید واستخلفہ یزید فاقرہ عمر لتعلقہ بولایۃ ابی بکر لاجل استخلاف والیہ لہ فتعلق عثمان بعمر واقرہ

بلکہ حقیقتاً تو انہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مقرر کیا تھا۔ اس لئے کہ انھوں نے ان کے بھائی یزیدؓ کو مقرر کیا اور یزیدؓ نے انھیں اپنا جانشین بنایا اور حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی طرف سے مقرر ہونے کا خیال کر کے انہیں برقرار رکھا کیونکہ ان کے (یعنی حضرت صدیقؓ کے) والی نے انہیں اپنا جانشین بنایا تھا حضرت عثمانؓ نے حضرت عمرؓ کی پیروی کی اور انہی کو برقرار رکھا۔

حضرت فاروقؓ کے عہد میں تمام شام کا علاقہ حضرت معاویہؓ کی ولایت میں ہونے کے بڑے قوی اور حتمی دلائل میں منجملہ ازاں البدایۃ والنہایۃ میں ہے (۸ : ۱۲۴-۱۲۵ منقول از العواصم ص ۲۰۹)

لما قدم عمر الشام و تلقاہ معاویہ فی موکب عظیم فاستنکر عمر ذٰلک واعتذر لہ معاویۃ بقولہ:

"انا بارض جواسیس العدو فیھا کثیرۃ فیجب ان تظھر من عز السلطان ما یکون فیہ عز الاسلام واھلہ و یرھبھم بہ

فقال عبدالرحمٰن بن عوف لعمر: "ما احسن ما صدر عما اوردتہ فیہ یا امیرالمؤمنین"

فقال عمرؓ من اجل ذٰلک جشمناہ ما جشمناہ"

جب حضرت عمرؓ شام تشریف لے گئے اور حضرت معاویہؓ ان کے استقبال کے لئے سواروں کے عظیم الشان جلوس کے ساتھ حاضر ہوئے عمرؓ نے اسے ناپسند فرمایا۔ حضرت معاویہؓ نے اس پر یہ عذر پیش کیا۔

"ہم ایسی سرزمین میں ہیں جہاں دشمن کے جاسوس بہت ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ حکومت کی ایسی شان وشوکت ظاہر کی جائے جو اسلام اور مسلمانوں کے شایانِ شان ہو۔ اس طرح ہم ان پر رعب ڈال سکیں گے۔"

اس پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا "امیرالمومنین دیکھئے کس خوبی کے ساتھ یہ اپنے آپ کو اس الزام سے بچا لے گئے، جو آپ نے ان پر عائد کیا۔"

تو حضرت عمرؓ نے فرمایا "جبھی تو ہم نے ان پر ایسی ذمہ داری ڈالی ہے۔"

صحیح ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ اپنے والیوں کو جلد از جلد بدلتے تھے بلکہ بسا اوقات ایک ہی برس کے بعد بدل دیتے جیسے حضرت عمارؓ کو بدل دیا تھا لیکن یہ علاقہ شام کا تھا جو سیاسی حیثیت سے اہم علاقہ تھا اور یہ شخصیت حضرت معاویہؓ کی تھی کہ آپ نے انھیں مستقلاً وہاں رکھا۔ مودودی صاحب کا یہ کہنا کہ وہ صرف چار برس رہے تھے اس کی دلیل نہیں کہ حضرت فاروق اعظمؓ انھیں بعد میں نہ رکھتے کیونکہ آپ کو اچانک اسی گروہ کے ایک جیش نے شہید کر دیا تھا جس نے حضرت عثمانؓ کے خلاف اسلام کا لبادہ اوڑھ کر یہ ہنگامے بپا کئے۔

مودودی صاحب نے ایک اور بات پر غور نہیں فرمایا کہ حضرت معاویہؓ کا تقرر ان کے برادر بزرگوار حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے بعد کیا گیا تھا گویا مودودی صاحب کے تصور کے مطابق آل ابی سفیان کی ملوکیت کی بنیاد حضرت فاروق اعظمؓ رکھ گئے تھے۔ بلکہ ان سے بھی پہلے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جنھوں نے مرکزی سکریٹریٹ کے ساتھ عرب کے سب اہم مقامات پر امویوں کو فائز کیا تھا اور آخر وقت تک رکھا۔ اور آپ کے بعد خاص طور پر حضرت عتابؓ اور حضرت ابوسفیانؓ کو حضرت صدیق اکبرؓ نے بھی یہ حضرت صدیق اکبرؓ ہی تھے جنھوں نے حضرت یزید بن ابی سفیانؓ حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ اور حضرت ولید بن عقبہؓ کو اپنی خلافت کے اہم ترین کارپردازوں میں رکھا جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔

گویا مودودی صاحب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کو جو آداب سیاست سکھانے چاہے ہیں اور روایتوں کو ادل بدل کرنے کا گر انھیں بتانا چاہا ہے وہ افسوس ہے کہ ان کی سمجھ میں نہ آیا۔ اور ایسی غلطیاں کر گئے کہ امویوں کی "ملوکیت" قائم ہونے کی راہیں خود بخود صاف ہوتی چلی گئیں۔

مودودی صاحب نے دوسرے الفاظ میں وہی بات کہی ہے جو شیعہ مصنفین کہتے آئے ہیں چنانچہ مولف "مصباح الظلم" نے متعدد جگہ بتغیر الفاظ کہا ہے کہ:۔

> "خلافت راشدہ نے اس کی ضرورت دیکھی کہ بنی اُمیہ رضامند رکھے جائیں اس لئے دہن سگ بہ لقمہ دوختہ بہ کے قاعدہ پر ان کو شام کا ملک دیدیا گیا۔"

مودودی صاحب نے حضرت عثمانؓ کی غلطی اور خلافت کے لئے حضرت معاویہؓ کی منصوبہ بندی تو ظاہر فرمادی مگر یہ بتانے سے قاصر رہے کہ عہد عثمانی و فاروقی و صدیقی و عہد نبوی میں ان سے کون سی ایسی بات ظاہر ہوئی جس سے یہ معلوم ہو کہ وہ مرکز کے تابع رہنے کی بجائے مرکز کو اپنا تابع رکھنا چاہتے تھے۔ مرکز کے ساتھ حضرت معاویہؓ کی وفاداری اور مرکز پر ان کا انتہائی اعتماد تو دلیل اس کی ہے کہ حضرت معاویہؓ امت کے

عظیم ترین ائمہ میں ہیں اور جہانبانی و نظم و نسق میں مثالی کہ تینوں خلافتوں میں ایک جگہ رہے۔

رہا حضرت علیؓ سے بیعت نہ کرنا اور قصاص عثمانؓ کا مطالبہ لے کر کھڑا ہونا تو یہ ان کا فرض تھا۔ سیاسیات اسلامیہ کے ارتقاء میں انھوں نے جو عظیم الشان خدمات انجام دی تھیں وہ انھیں تباہ کیسے ہونے دیتے۔ اور کیوں اس کے روادار ہوتے کہ چند بے ننگ و نام لوگ مرکز خلافت پر چڑھ دوڑیں امت کے متفق علیہ اور محبوب ترین امام کو شہید کر دیں اور اپنی مرضی کی خلافت بپا کر کے تمام عالم اسلام کی سیاست پر قابض ہو جائیں۔

حضرت معاویہؓ بیٹھے تو شام میں تھے مگران کی نگاہوں میں پورے عالم اسلام کا حال و استقبال تھا وہ دیکھ رہے تھے کہ حضرت علیؓ کی قیادت کا ان لوگوں کے ہاتھوں کیا کیا حال ہے اور پھر انھوں نے یہ بھی دیکھ لیا کہ حضرت ام المومنین صلوات علیہا کی تعمیری کوششیں اسی نابکار ٹولی نے کس طرح غارت کر دیں۔

مودودی صاحب کا یہ تصور کہ علوی خلافت آئینی تھی اور تمام بلاد اسلامیہ میں ان کی بیعت کی تکمیل ہوگئی تھی اور جمہور صحابہ و تابعین نے انھیں اپنا امام تسلیم کر لیا تھا۔ صحیح نہیں اس کی حقیقت پر ہم پچھلے اوراق میں روشنی ڈال چکے ہیں۔ اس لئے حضرت معاویہؓ پر یہ الزام عائد نہیں ہوتا اور نہ صحابہ کرام نے کبھی کہا کہ انھوں نے امام جماعت سے بغاوت کا ارتکاب کیا تھا۔

اگر صحابہ کرام نے انھیں باغی اور خارجی سمجھا ہوتا تو وہ سب کے سب حضرت علیؓ کے جھنڈے کے نیچے حضرت معاویہؓ کے مقابلے پر جمع ہو جاتے اور اس وقت تک چین نہ لیتے جب تک کہ وہ مغلوب نہ ہو جاتے۔ لیکن دیکھتے ہم یہ ہیں کہ جب صفین میں جنگ بند ہوئی تو تو معاملہ ثالثوں پر ڈال دیا گیا اور ثالثوں نے فیصلہ حضرت علیؓ کے حق میں نہیں کیا اور پھر جب ان کی شہادت ہوگئی تو حضرت معاویہؓ کے دست مبارک پر بیعت ہوئی اور ممالک اسلامیہ میں سوائے خوارج کے باقی سب نے بیعت کر لی۔ اس سال کا نام عام الجماعۃ رکھا گیا اور تمام صحابہ کرام جو اس وقت زندہ تھے انھوں نے اپنا متفق علیہ امام تسلیم کر لیا۔ گویا۔ مودودی صاحب کے قول کا مطلب یہ ہوا کہ پوری امت نے قرآن مجید کا حکم

پس پشت ڈالدیا اور جس شخص کا قتل واجب تھا اسی کی سپرداشت کی زمام کار کردی۔

قتلِ عمارؓ مودودی صاحب نے بڑی تحدی سے حضرت علیؓ کو حق پر اور حضرت معاویہؓ کو باطل پر قرار دیا ہے اور یہ وہ موقف ہے جو آج تک کسی ایسے شخص نے اختیار نہ کیا جو دین کا علم رکھتا ہو اور سنت نبویہ اور جماعتِ صحابہ سے اپنے کو وابستہ سمجھتا ہو۔ مودودی صاحب فرماتے ہیں (جولائی ص ۳۲۴-۳۲۵)

"اس جنگ کے دوران میں ایک واقعہ ایسا پیش آگیا جس نے نص صریح سے یہ بات کھول دی کہ فریقین میں سے حق پر کون ہے اور باطل پر کون۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمار بن یاسر جو حضرت علیؓ کی فوج میں شامل تھے۔ حضرت معاویہؓ کی فوج سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ حضرت عمار کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد صحابہ میں مشہور و معروف تھا اور بہت سے صحابیوں نے اس کو حضور کی زبان مبارک سے سنا تھا کہ تقتلك الفئة الباغية (تم کو ایک باغی گروہ قتل کیا گیا) مسند احمد، بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، طبرانی، بیہقی، مسند ابو داؤد طیالسی وغیرہ کتب حدیث میں حضرات ابوسعید خدری، ابو قتادہ انصاری، ام سلمہ، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمرو بن العاص، ابوہریرہ، عثمان بن عفان، حذیفہ، ابوایوب انصاری، ابورافع، خزیمہ بن ثابت، عمرو بن العاص، ابوالیسر، عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم اور متعدد دوسرے صحابہ سے اس مضمون کی روایات منقول ہیں۔ ابن سعد نے بھی یہ حدیث کئی سندوں سے نقل کی ہے۔ متعدد صحابہ و تابعین نے جو حضرت علی اور حضرت معاویہ کی جنگ میں مذبذب تھے۔ حضرت عمار کی شہادت کو یہ معلوم کرنے کے لئے ایک علامت قرار دے لیا تھا۔ کہ فریقین میں سے حق پر کون ہے اور باطل پر کون۔ علامہ ابن عبدالبر الاستیعاب میں لکھتے ہیں۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بتواتر آثار یہ بات منقول ہے کہ عمار بن یاسر کو باغی گروہ قتل کرے گا اور یہ صحیح ترین

احادیث میں ہے۔ یہی بات حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں لکھی ہے۔ دوسری جگہ حافظ ابن حجر کہتے ہیں "قتل عمار کے بعد یہ بات ظاہر ہوگئی کہ حق حضرت علی کے ساتھ تھا اور اہل السنۃ اس بات پر متفق ہو گئے درآنحالیکہ پہلے اس میں اختلاف تھا۔"

یہ طولانی بیان محض یہ ثابت کرنے کے لئے دیا گیا ہے کہ صفین میں حضرت علی کی طرف سے عمارؓ کا قتل ہونا بتایا جاتا ہے اس لئے حضرت معاویہؓ باغی قرار پائے۔ ظاہر ہے کہ نص قرآنی کے مطابق باغی گروہ سے قتال واجب ہے حتیٰ تفیٔ الیٰ امر اللہ (یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کے سامنے جھک جائے) مودودی صاحب نے قتل عمار کو "حق و باطل" کا معیار تو قرار دے دیا اور حدیث کو نص صریح بھی بتا دیا لیکن وہ اس کی کیا توجیہ کریں گے کہ۔

(۱) حضرت عمارؓ کے قتل کے بعد حضرت علیؓ نے اپنا موقف بدل دیا اور جنگ سے ہاتھ روک لیا حالانکہ "باغی" گروہ سے جنگ کی ابتدا انھوں نے کی تھی۔ ایک روایت بھی ایسی پیش نہیں کی سکتی جس سے ادنیٰ ثبوت اس کا دیا جا سکے کہ جنگ کے لئے حضرت معاویہؓ کی طرف سے کوئی پیش قدمی ہوئی تھی۔

حسب فرمان خداوندی حضرت علیؓ کا فرض تھا کہ بہر طور جنگ جاری رکھتے اور تمام صحابہ کا یہ فرض تھا کہ وہ اس بارے میں حضرت علیؓ کا ساتھ دیتے۔

(۲) صحابہ کرام کے جو مواقف حضرت عمارؓ کے قتل سے پہلے تھے ان میں جو غیر جانب دار تھے مثلاً حضرت سعدؓ اور حضرت ابن عمرؓ وغیرہما وہ اپنی غیر جانب داری پر قائم رہے۔ جو حضرات حضرت علیؓ کے مخالف تھے جیسے حضرت عقیلؓ بن ابی طالب۔ حضرت عمروؓ بن العاص وغیرہما وہ بدستور حضرت معاویہؓ کے ساتھ رہے۔

(۳) جو حضرات حضرت علیؓ کے ساتھ تھے انھوں نے جنگ سے ہاتھ روک لیا۔

علاوہ ازیں یہ "نص صریح" اور "حق و باطل" کی بات کرنے والے اس کی کیا توجیہ کریں گے کہ:۔

(الف) حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ جنگ جمل تک حضرت علیؓ کے ساتھ

تھے لیکن صفین میں شریک نہیں ہوئے اور مدینہ جا بیٹھے۔ (الاصابہ بذیل عنوان خالد زید)

(ب) اور حضرت جریر بن عبد اللہؓ جنگ جمل کے بعد تک حضرت علیؓ کے ساتھ تھے۔ پھر آپ کو حضرت معاویہؓ کے پاس بیعت لینے کے لئے شام بھیجا گیا وہاں کے احوال دیکھنے کے لئے انہیں حضرت معاویہؓ نے روک لیا۔ یہاں اشتر نے ان کے خلاف محاذ بنا لیا کہ معاویہؓ سے مل گئے۔ آپ نے آکر وہاں کے احوال بیان کئے اور یہ بھی سُنا کہ آپ کے متعلق کیا کیا باتیں کہی گئیں لہذا آپ بددل ہو کر مدینہ چلے گئے اور پھر وہاں سے شام۔ آپ صورت حال اچھی طرح سمجھ گئے تھے اور امت کی نجات حضرت معاویہؓ کا ساتھ دینے میں سمجھ لی۔

(ج) حضرت قیس بن سعد انصاری رضی اللہ عنہما کو حضرت علیؓ نے مصر کا والی بنایا اور آپ نے وہاں کا نظم نسق خوبی کے ساتھ سنبھال لیا۔ حضرت معاویہؓ بن خدیج وغیرہ اکابر کی قیادت میں وہاں بھی ایک بڑی جماعت جن کی تعداد دس ہزار بتائی جاتی ہے۔ بیعت علی سے منحرف تھی اور ان کا موقف تھا کہ اگر اس خلافت پر اجماع اُمت ہو گیا تو ہم بھی بیعت کر لیں گے۔ ورنہ نہیں۔ حضرت قیسؓ نے اُن سے فرمایا کہ اگر آپ امن سے رہیں تو ہمیں آپ سے کوئی شکایت نہ ہو گی اور آپ کے سب حقوق وہی ہوں گے جو اور مسلمانوں کے ہیں۔ اس طرح وہاں کی فضا نہایت پرامن تھی مگر یہاں اُن کے خلاف بھی محاذ بنا لیا گیا کہ معاویہؓ سے مل گئے۔ ہیں جو بیعت نہ کرنے والوں سے جنگ نہیں کرتے۔ حضرت قیس نے بار بار لکھا کہ میرا عمل تعمیری ہے اور صحیح سیاست پر مبنی اس طرز عمل کو بدلنا نہیں چاہیئے۔ مگر اشتر وغیرہ نہ مانے اور انہیں معزولی کا حکم بھیجدیا گیا اور ان کی جگہ محمد بن ابی بکر والی بنائے گئے جنھوں نے جا کے جنگ چھیڑ دی اور پھر ان حضرات نے حضرت معاویہؓ سے مدد مانگی چنانچہ حضرت عمرو بن العاصؓ نے وہاں جا کر حالات پر قابو پا لیا اور یوں مصر حضرت علیؓ کے ہاتھ سے جاتا رہا۔ حضرت قیسؓ اس صورت حال سے بددل ہو کر مدینہ جا بیٹھے۔ یہ روایات نہیں ہیں تاریخی حقائق ہیں تو اب سوال ہے کہ ان سب نے اللہ کا کلام پس پشت ڈال دیا اور اس حدیث کو بھی اہمیت نہیں دی۔

صحابہ کرام میں سے اس حدیث کو جتنے راویوں کے نام مودودی صاحب نے دیئے ہیں ان کے موقف حسب ذیل ہیں:۔

(۱) حضرت عثمانؓ حضرت حذیفہؓ اور حضرت ابو رافعؓ حضرت ابن مسعودؓ تو اس وقت وفات پا چکے تھے۔ لہٰذا ان کے موافقت کا کیا ذکر۔ اور حضرت عمار کا تو خود یہ قصہ ہی ہے حضرت خزیمہ بن ثابتؓ بھی حضرت علیؓ کے ساتھ تھے اور مقتول ہو گئے۔

(۲) حضرت ابوسعید خدریؓ جن سے صحیح بخاری کی روایت ہے نیز حضرت ابو ہریرہؓ، اپنی غیر جانب داری پر قائم رہے۔ حضرت ابو قتادہؓ حضرت علیؓ کے ساتھ تھے اور یہ قطعی ہے کہ ان سب نے حضرت معاویہؓ سے بعد میں بیعت کر لی، اور سب نے امیر یزیدؒ کی ولایت عہد کی بھی بیعت کی۔

(۳) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ مودودی صاحب کی خیالی باتوں کے باوجود حضرت معاویہؓ کے ساتھ رہے اور پھر بعد میں ان کی طرف سے والی بھی رہے حضرت عمروؓ بن العاص بدستور حضرت معاویہؓ کے ساتھ رہے۔ ان کی طرف سے ثالث بنے اور حضرت علیؓ کے خلاف فیصلہ دیا۔

اب تین ہی صورتیں رہ جاتی ہیں (۱) تمام صحابہ معہ حضرت علیؓ کے خدا و رسول کے احکام سے بے پروا تھے۔ (۲) یہ حدیث غلط ہے اور ایسی کوئی بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمائی (۳) حضرت معاویہؓ باغی نہیں تھے اور حضرت عمار کے قتل کا وہ مفہوم نہ تھا جو لیا جاتا ہے۔ ان کا جنگ صفین میں شریک ہو کر مقتول ہونا بہت مشتبہ ہے۔

پہلی بات کسی مومن کے ذہن میں بھی نہیں آسکتی۔ دوسری بات کوئی علم حدیث رکھنے والا نہیں کہہ سکتا۔ لہٰذا سوائے تیسری بات کہنے اور سمجھنے کے کوئی چارہ نہیں رہتا یعنی یہ کہ حضرت عمار کے قتل کی ذمہ داری حضرت معاویہؓ پر نہیں بلکہ اسی نابکار گروہ پر ہے جس نے حضرت عثمانؓ کے خلاف ہنگامہ بپا کر کے اُمت میں اختلاف کا دروازہ کھولا۔

حضرت عمارؓ کے قتل کی بنیاد تو اسی گروہ نے اسی وقت رکھدی تھی جب مصر میں انھیں مدینہ کو واپسی سے روک لیا تھا پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ امیر المومنین حضرت عثمانؓ نے ایک وفد تمام مملکت اسلامیہ کے بڑے بڑے شہروں میں صورت حال معلوم کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ حضرت عمارؓ کے سپرد مصر کے احوال معلوم کرنے تھے۔ وفد کے سب ارکان اپنا

دورہ پورا کر کے مستقر کو لوٹ گئے اور گواہی دی کہ کسی جگہ امت میں بے چینی یا والیوں کے خلاف کوئی شکایت نہیں۔ صرف حضرت عمار لوٹ کر نہ آئے۔ طبری (ج ۵ ص ۹۹) نیز ابن خلدون (کتاب ثانی ج ۴) میں صراحتاً بیان ہے کہ مصر میں حضرت عمار کا میل جول ابن سبا (عبداللہ بن السوداء) و خالد بن ملجم و سودا نی حمران و کنانہ بشر سے ہو گیا تھا۔ خود وہاں رک گئے تھے یا بقول مورخین طبری و ابن خلدون) لوگوں نے انھیں روک لیا تھا حتیٰ کہ یہ گمان کیا گیا کہ وہ قتل کر دئے گئے واستبطاء الناس عمار حتی ظنوا انه قد اغتیل (ایضاً طبری) یہ بھی کہا گیا ہے کہ عامل مصر حضرت عبداللہ بن ابی سرح نے سبائی گروہ سے ان کے میل جول کی اطلاع امیر المومنین کو بھیجا دی تھی لیکن کسی نے یہ بتایا کہ حضرت عمارؓ مصر سے مدینہ واپس آئے یا نہیں آئے تو کب اور جس خدمت پر مامور ہو کر بھیجے گئے تھے اس کی انجام دہی کی کیا رپورٹ پیش کی۔

جنگ جمل میں انھیں موجود بتایا جاتا ہے۔ اور مودودی صاحب کا دعویٰ ہے کہ انہی کی وجہ سے حضرت زبیرؓ مذبذب ہو گئے تھے لیکن مودودی صاحب نے یہ نہ سوچا کہ حضرت زبیرؓ حضرت ام المومنین کے ساتھ تھے جو تمام اہل ایمان کی ماں ہیں اور حق ادھر ہی تھا جدھر وہ تھیں اور حجت وہی ہے جو ان کا اجتہاد تھا۔ ان کا یہ منصب نص قرانی سے ثابت ہے۔ چنانچہ تمام صحابہ مع پہلے تینوں خلفاء کے ہر معاملے میں ان سے مشورہ لیتے اور ان کی ہدایتوں پر عمل کرتے تھے۔ لہٰذا حضرت عمارؓ حضرت علی کی طرف ہوتے بھی تو یہ فیصلہ کن بات نہ تھی اور اگر ہوتی تو پھر تذبذب کا کوئی سوال نہ تھا حضرت زبیرؓ ان کی موجودگی کو اپنی "غلط روی" کے لئے دلیل قاطع سمجھتے۔

وہاں دراصل صورت یہ تھی کہ فریقین کے درمیان اختلاف مٹ چکا تھا۔ اور باہمی صلح ہو گئی تھی صرف صبح کو رسمی کارروائی مکمل ہونے کا انتظار تھا۔ اب جو جنگ چھڑ گئی۔ تو حضرت زبیرؓ کا تذبذب بجا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ ان کی طرف سے نہیں چھڑی اور انھیں یہ بھی یقین تھا کہ حضرت علیؓ کی طرف سے بھی نہیں چھڑ سکتی تھی۔ اس لئے وہ اس وقت اندازہ نہ لگا سکے کہ صلح ہو چکنے کے بعد جنگ چھیڑ دینے کی ذمہ داری کس پر ہے۔

چنانچہ صحیح بخاری میں ان کا اپنا ارشاد موجود ہے (ج ۲، ص ۱۹۳ باب برکۃ الغازی فی مالہٖ طبع مصر)

عن عبداللہ بن الزبیر قال لما وقف الزبیر یوم الجمل دعانی فقمت الی جنبہٖ فقال یا بنیّ انہ لا یقتل الیوم الا ظالم او مظلوم وانی لا ارانی الا سا قتل الیوم مظلوماً ......

عبداللہ بن الزبیر سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں جب حضرت زبیر جمل کے دن کھڑے ہوئے مجھے بلایا اور میں ان کے پہلو میں جا کھڑا ہوا۔ آپ نے فرمایا بیٹا آج جو قتل ہوگا وہ یا ظالم ہوگا یا مظلوم اور میں اپنے متعلق دیکھتا ہوں کہ آج مظلوم قتل ہونگا۔ (آگے ذکر مال کے متعلق وصیت کا ہے۔ م)

اس بیان میں نہ حضرت عمار کی موجودگی کا ذکر ہے جنھیں مودودی صاحب نے حضرت ام المومنین کے مقابلے میں حق و باطل کا معیار قرار دے دیا ہے اور نہ اس واہی اور بے اصل اور قطعی وضعی روایت کا ذکر ہے جسے مودودی صاحب نے طبقات ابن سعد کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ کو بلا کر انھیں وہ بات یاد دلائی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان سے فرمائی تھی کہ تم دونوں ناحق علی سے لڑو گے۔ اس لئے یہ دونوں صاحب الگ ہو گئے۔ حضرت علیؓ اگر ایسی کوئی بات فرماتے تو اس کا موقعہ وہ تھا جب فریقین پہلی دفعہ ایک دوسرے سے ملے تھے۔ اسی طرح جنگ کا امکان پہلے ہی ختم ہو جاتا اور صلح کی بات چیت کی ضرورت ہی نہ رہتی۔ سب ان کی بیعت میں داخل ہو جاتے۔

پھر سوال ہے کہ اگر واقعی حضرت علیؓ نے ایسی کوئی بات کہی تھی تو یہ بزرگوار اکیلے ہی اکیلے کیوں چپ کے سے الگ ہو گئے۔ انھیں حضرت ام المومنینؓ سے عرض کرنا چاہئے تھا۔ اور اپنے ساتھیوں میں اعلان کرنا چاہئے تھا تاکہ مسلمانوں کی جانیں ضائع نہ ہوتیں۔ کون تھا جو ان کے بیان میں شک کرتا۔

غرض یہی واہی روایتیں ہیں جن کے ذریعہ عوام کو بے چین اور گمراہ کیا جاتا ہے۔

حضرت ام المومنین وہاں پُرامن مقاصد کے لئے تشریف لے گئی تھیں۔ اگر عثمان بن حنیف اپنے بزرگ ساتھیوں کی رائے مان لیتے اور حکیم بن جبلہ وغیرہ سبائیوں کی شرانگیز رائے

میں نہ آتے تو بصرے میں کوئی ہنگامہ نہ ہوتا اور رائے عامہ حضرت ام المومنین کے حق میں استوار ہو جاتی یعنی سبائیوں کے خلاف وہاں ایک طاقتور جماعت کی تنظیم کر کے ان کا ایک مرکز توڑ دیا جاتا۔ یہی بات حکیم بن جبلہ کو نظر آ رہی تھی اس لئے اس نے جنگ چھیڑ دی اور یہی بات تھی جس کی بنا پر فریقین میں مصالحت اور یکجہتی پیدا ہونے کو سبائیوں نے اپنی موت جانا اور جنگ چھیڑ دی۔

الفئۃ الباغیۃ

حضرت عمارؓ کے مقتول ہونے کے بارے میں وضعی روایتوں پر جو مودودی صاحب کی کتب ماٰخذ میں ہیں واقعات کی روشنی میں نظر ڈالنے اور درایتاً غور کرنے سے یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ ان کی ہلاکت کی ذمہ دار بھی وہی باغی ٹولی سبائیوں کی تھی جس نے حضرت عثمان غنیؓ کے مظلومانہ قتل کا ارتکاب کیا تھا ان ہی سبائی باغیوں کے نرغے میں آ کر جنھیں ملعونون علی لسان محمد صلی اللہ علیہ وسلم (طبری ج ۵ ص ۱۰۰) ایک ارشاد نبوی میں ملعون فرمایا گیا تھا حضرت عمارؓ جنگ صفین سے دو سال قبل اور حضرت عثمانؓ کی شہادت سے چند ماہ پہلے ۳۵ھ میں ہی جب وہ تحقیق حال کے لئے مصر بھیجے گئے تھے، ہلاک ہو گئے تھے۔ جنگ جمل و صفین میں ان کی موجودگی کی روائتیں تو صرف اس غرض سے وضع کی گئیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمارؓ سے جو یہ ارشاد فرمایا تھا کہ تمھیں ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔ تقتلك الفئۃ الباغیۃ وہ حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں پر چسپاں کر کے انھیں باغی جماعت قرار دیا جائے، دلائل ملاحظہ ہوں:۔

(۱) ۳۵ھ میں امیر المومنین عثمانؓ اور ان کے عمال پر مختلف شہروں میں طعن و تشنیع کا شیوع جب زیادہ ہونے لگا۔ اس کی خبریں اہل مدینہ کو پہنچیں بقول مورخین (طبری ج ۹۹ و ابن خلدون کتاب ثانی ج ۴) صحابہ کی ایک جماعت نے امیر المومنین کے پاس آ کر ان حالات سے مطلع کیا اور طلب مشورہ پر۔

قالوا نشیر علیك ان تبعث رجالا ممن تثق بھم الی الامصار حتی یرجعوا الیك باخبارھم (طبری و ابن خلدون)	ان حضرات نے کہا کہ مشورہ ہمارا یہ ہے کہ معتبر و معتمد آدمیوں کو مختلف شہروں میں بھیجے تاکہ وہاں کے حالات کی خبریں آپ کو لا کر دیں۔

(۲) امیر المومنین نے چنانچہ اکابر صحابہ میں سے مندرجہ ذیل حضرات کو جو ان کے معتمد علیہ تھے مختلف مقامات کے حالات معلوم کرنے کے لئے روانہ کیا۔

(الف) حضرت محمد بن مسلمہ انصاریؓ کو کوفہ بھیجا گیا۔ یہ بدری صحابی تھے خیبر کا مرحب یہودی ان ہی کے ہاتھ سے قتل ہوا تھا۔ فضلاء صحابہ میں سے تھے۔ تبوک کے غزوہ کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پر نائب مقرر کیا تھا حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد کی خانہ جنگیوں سے علیحدہ رہے۔ حضرت علیؓ سے بیعت نہیں کی۔

(ب) حضرت اسامہ بن زیدؓ بصرے کے حالات معلوم کرنے بھیجے گئے وہ حب رسول اللہ کہلاتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رحلت سے قبل ان ہی کو جیش کا سردار مقرر کیا تھا جس میں اکابر واجلہ صحابہ شامل تھے۔ یہ بھی ایام فتنہ میں علیحدہ رہے۔ حضرت علیؓ سے بیعت نہیں کی۔

(ج) حضرت عبداللہ بن عمرؓ یہ ملک شام بھیجے گئے۔ بدر و احد کے علاوہ سب غزوات میں شریک ہو کر بیعت الرضواں میں سب سے پہلے انھوں نے ہی بیعت کی تھی۔ خانہ جنگیوں سے قطعاً علیحدہ رہے حضرت علیؓ کی بیعت نہیں کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان مبارک سے انھیں "رجل صالح" فرمایا تھا نہایت درجہ نیک و عابد و زاہد تھے۔

(د) حضرت عمار بن یاسرؓ۔ سابقون الاولون میں سے تھے انھوں نے اور ان کی والدہ ماجدہ نے جو بنو مخزوم میں سے ابو حذیفہ بن مغیرہ کی لونڈی تھیں اسلام کی خاطر بڑے عذاب سہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے خلافت میں ان کو کوفے پر عامل مقرر کیا تھا مگر جلد ہی معزول کر دیا تھا کیونکہ بروایت طبری (ج ۴ ص ۲۶۱) "اہل کوفہ نے حضرت عمارؓ کے بارے میں یہ شکایت کی کہ جس منصب پر وہ ہیں اس کی ذمہ داری محسوس نہیں کرتے اہل کوفہ ان پر جھپٹ پڑے ہیں حضرت عمرؓ نے ان کو واپس بلا بھیجا تو وہ کوفے سے ایک وفد اپنے ساتھ لے کر چلے اور ایسے لوگوں کو ساتھ لیا جن کو وہ اپنا موافق سمجھتے تھے لیکن وہ ثابت ہوئے ان سے بھی سخت جن کو وہ چھوڑ کر آئے تھے۔ عمار

اس پر جزع و فزع کرنے لگے کسی نے پوچھا کیوں جزع و فزع کرتے ہو کہا میں اپنی ذات کو ممدوح نہیں سمجھتا ہوں مگر اس واقعہ کے ذریعہ آزمائش میں ڈالدیا گیا ہوں۔ مختار ثقفی کا چچا سعد بن مسعود ثقفی اور جریر بن عبداللہ جو ان کے ساتھ آئے تھے انھوں نے ان کے متعلق کچھ لگایا بجھایا اور حضرت عمرؓ کو ان کی بعض ناپسندیدہ باتوں کی خبر دی تو حضرت عمرؓ نے ان کو معزول کر دیا اور پھر کوئی منصب ان کو نہ دیا۔ حضرت عمارؓ جب ۳۵ھ میں مصر بھیجے گئے تھے اس وقت ان کی عمر نوے برس کے لگ بھگ تھی۔ ان حضرات کے علاوہ بعض اور اصحاب بھی دوسرے مقامات کو روانہ کئے گئے تھے۔

(۳) یہ سب اکابر صحابہ جو حالات کی تحقیق و تفتیش پر متعین ہوئے تھے ظاہر ہے کہ امیر المومنین کے معتمد علیہ تھے۔ ان میں سے کسی کو نہ پہلے سے امیر المومنین کی ذات سے کوئی شکایت تھی اور نہ بعد میں شکایت و ناراضی کی کوئی وجہ پیدا ہوئی۔ حضرت عمارؓ کے سوائے سب حضرات نے واپس لوٹ کر بیان کیا کہ ہم نے نہ تو عمال اور والیان صوبہ کی کوئی برائی دیکھی اور نہ عوام و خواص کو ان کی شکایت کرتے ہوئے پایا (طبری ج ۵ ص ۹۹ و ابن خلدون کتاب ثانی)

(۴) حضرت عمارؓ کے مصر بھیجے جانے سے پہلے امیر المومنین کو ان پر بھی ویسا ہی اعتماد و اعتبار تھا جیسے اپنے دوسرے نمایندہ حضرات پر تھا وہ جس وقت مدینہ سے بھیجے جا رہے تھے۔ اگر حضرت عثمانؓ سے ان کو پہلے سے خود اپنے متعلق یا امیر المومنین کی سیاست کے متعلق کچھ شکایتیں ہوتیں یا امیر المومنین کو ان سے ہوتیں تو نہ امیر المومنین ان کو بھیجتے اور نہ وہ اپنا بھیجا جانا پسند کرتے۔ امیر المومنین کا ان کو تحقیق حالات کے لئے مصر بھیجنا اور ان کا اس خدمت کی انجام دہی قبول کرکے مصر جانا دلیل اس امر کی ہے مصر جانے سے پہلے نہ امیر المومنین کو ان سے کوئی شکایت تھی اور نہ انھیں امیر المومنین سے کوئی گلا شکوہ تھا۔

اب دیکھئے مودودی صاحب کے مآخذ (الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ ص ۳۲) والاستیعاب ج ۲ ص ۴۲۲) وغیرہ میں جو یہ روایتیں ہیں کہ امیر المومنین حضرت عثمانؓ کے خلاف ایسی شکایتوں کا ایک طومار لکھ کر کہ سنت رسول اللہ و سنت شیخین کے خلاف تم نے عمل کیا "حق اللہ و رسولہ" اور ذوالقربیٰ و یتامیٰ و مساکین کے حقوق تلف کرکے خمس

افریقہ مروان کو بخش دیا۔ اور اپنے عزیز و رشتہ داروں کو بے تحاشا روپیہ دے دیا اپنی زوجہ سیدہ نائلہ اور اپنی دختر عائشہ اور اپنے بیٹوں کے لئے محلات بنوا دئے غرض تمام اتہامات کا ذکر تھا جو مودودی صاحب کی حضرت عثمانؓ پر عاید کردہ فرد جرم میں شامل ہیں۔ حضرت عمارؓ مع دس آدمیوں کے جن میں حضرت مقدادؓ بن الاسود بھی شامل بتائے گئے ہیں یہ تحریر حضرت عثمانؓ کے ہاتھ میں دینے کے لئے گئے راستہ میں ایک ایک کر کے سب ساتھی ان کے مع مقدادؓ کے تو کھسک گئے۔ یہ تنہا رہ گئے جس وقت مکان میں اجازت لے کر داخل ہوئے روایت میں بیان ہے کہ مروان اور بنی امیہ کے لوگ حضرت عثمانؓ کے پاس بیٹھے تھے حضرت عمار نے وہ تحریر پیش کی پوچھنے پر اقرار کیا کہ یہ تحریر میں نے لکھی ہے لیکن اپنے ساتھیوں کے نام بتانے سے انکار کیا اس پر حضرت عثمانؓ نے انھیں خوب پٹوایا اور خود بھی زد و کوب کیا وضربه عثمان معهم حتی فتقوا بطنه (الامامہ ج ۱ ص ۳۲) والاستعیاب) (اور عثمانؓ نے اوروں کے ساتھ انھیں مارا یہاں تک کہ ان کا پیٹ پھٹ گیا) بیہوشی کے عالم میں عمارؓ کو دروازے کے باہر حضرت عثمانؓ نے پھنکوا دیا۔ یہ سارا واقعہ مصر جانے سے پہلے کا گھڑا گیا ہے مصر جانے کے بعد کا تو ہو نہیں سکتا کیونکہ اس میں حضرت ولیدؓ بن عقبہ کے شرب خمر کی سزا دینے کا ذکر ہے جو پانچ سال پہلے ۳۰ھ کا واقعہ ہے اور پچھلے صفحات میں جس کا آچکا ہے۔ غرضیکہ اسی قسم کے اور بھی قصے گھڑے گئے ہیں ان میں سے بعض کو ڈاکٹر طہ حسین نے اپنی کتاب "عثمان" میں بھی لکھ مارا ہے اور کہا ہے کہ حضرت عثمانؓ ہی نے حضرت عمارؓ کو لونڈی بچہ کہکر خود اس قدر مارا تھا کہ بیہوش ہو گئے تھے اور " ام سلمہؓ اور عائشہؓ نے آنحضرت کے کچھ بال، کپڑا اور جوتہ نکالا اور فرمایا یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بال، اُن کا کپڑا اور جوتہ ہے ابھی یہ پرانا نہیں ہوا اور تم ان کی سنت چھوڑ رہے ہو لوگ چلا اٹھے اور حضرت عثمانؓ آپے سے باہر ہو گئے ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کہیں" (ص ۲۴۵) کچھ بھی حقیقت ان روائتوں کے وضعی قصوں کی ہوتی تو جس وقت حضرت عثمانؓ نے ان سے اہل مصر کی شکایتوں کی تحقیق کے لئے کہا تھا تو حضرت عمارؓ صاف کہتے کہ ہم دوسروں کی شکایتوں کی تحقیق کرنے کیا جائیں ہیں تو خود ہی تم سے بہت سی شکایتیں ہیں

اور اگر ان شکایتوں کا اظہار نہ کیا تھا تو کیوں دل میں کینہ وبغض ایسی حالت میں لئے رہے جبکہ حضرت عثمانؓ نے ان کو مخلص سمجھ کر شکایات کی تحقیقات کے لئے بھیجا۔ حضرت عثمانؓ کو اس کا علم ہوتا کہ ان کو مجھ سے شکایتیں ہیں اور ان کا دل میری طرف سے صاف نہیں ہے تو وہ ان کو مصر کیوں بھیجتے کسی اور کو بھیجتے۔ یقیناً حضرت عثمانؓ کو ان پر پورا اعتماد تھا اور ان کو مدینہ سے مصر جانے کے قبل تک حضرت عثمان سے کوئی شکایت کسی قسم کی نہ تھی۔ کچھ بھی شکایت ہوتی تو یہ نہ خود جاتے اور نہ حضرت عثمانؓ ان کو بھیجتے اور حضرت عثمانؓ کے مخلص ومشیر دوسرے صحابہ بھی ایسی صورت میں حضرت عمارؓ کا مصر یا کسی جگہ بھی تحقیقات کے لئے بھیجا جانا مناسب نہ سمجھتے اس لئے ماننا پڑے گا کہ مصر جانے سے پہلے عمارؓ کا دل حضرت عثمانؓ کی طرف سے بالکل صاف تھا۔ وہ دیگر صحابہ کی طرح امیر المومنین عثمانؓ کے مخلص تھے اور بطیب خاطر ان کی بیعت میں داخل ہوئے تھے وہ کم وبیش چالیس سال سے حضرت عثمانؓ حالات وخصائل سے ذاتی واقفیت رکھتے تھے اور جانتے تھے کہ حضرت عثمانؓ کیسے منکسر المزاج حلیم الطبع اور سخی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کتنے چہیتے ہیں کہ یکے بعد دیگرے دو صاجزادیاں ان کی زوجیت میں دیں اور جب دوسری صاحبزادی کا بھی ان کی زوجیت میں انتقال ہوگیا تو فرمایا ہمارے پاس کوئی اور لڑکی ہوتی تو ہم عثمانؓ ہی سے اس کا عقد کر دیتے۔ حضرت عمارؓ کے تو آنکھوں دیکھے یہ واقعات تھے کہ آنحضرتؐ اپنے صحابہ سے تو بے تکلف ملتے تھے جب آپ کو یہ معلوم ہوجاتا کہ عثمانؓ آرہے ہیں تو پھر اہتمام فرماتے اور ارشاد کرتے ایسے شخص سے ہم کیوں نہ شرم کریں جس سے خود ملائکہ شرماتے ہیں عثمانؓ کی وہ خوش بختانہ فضیلت دیکھی تھی جو کسی صحابہ کو حاصل نہ ہوئی یعنی آنحضورؐ نے اپنے ایک دستِ مبارک کو حضرت عثمانؓ کا ہاتھ قرار دے کر ان کی جانب سے بھی بیعت کی تھی اور جیش العسرت کے لئے جو گرانبہا مال اور سامان کی امداد حضرت عثمانؓ نے پیش کی تھی اور ایسے متعدد مالی جہاد پر آنحضورؐ کی زبان مبارک سے بار بار جنتی ہونے کی بشارتیں حضرت عمار نے اپنے کانوں سے سنی تھیں اور غزوہ تبوک میں ان ہی کی امداد سے حضرت عمارؓ کو شریک ہونا نصیب ہوا تو ان جیسے بہت سے حالات واقعات کے شاہد عینی ہونے کے باوجود حضرت عمارؓ کو حضرت عثمانؓ سے کیوں ایسی کوئی شکایت ہوتی جو سبائی راویوں نے وضع کی ہیں وہ دیگر صحابہ کی طرح حضرت عثمانؓ کے مخلص تھے اور معتمد علیہ نمایندے کی حیثیت سے مصر گئے تھے۔

(۵) حضرت عمارؓ جو امیر المومنین کے معتمد علیہ نمایندے تھے ان کو دوران قیام مصر اگر کوئی شکایت پیدا بھی ہوئی ہو گی تو وہاں کے عمال حکومت سے ہو سکتی تھی نہ کہ امیر المومنین سے اور یہ تو بالکل عیاں ہے کہ مصر جانے سے پہلے نہ انھیں امیر المومنین سے کوئی شکایت تھی اور نہ امیر المومنین کو ان سے ورنہ بصورت دیگر نہ انھیں مصر بھیجا جاتا اور نہ وہ اپنا بھیجا جانا پسند کرتے پھر آخر کیا وجہ تھی جیسا مورخین کا بیان ہے کہ عمارؓ وہاں جا کر بیٹھ رہے اور مدینہ آکر اپنی تحقیقاتی رپورٹ بھی امیر المومنین کو پیش نہ کی۔

(۶) جو دوسرے صحابہ حضرت عمارؓ کی طرح دوسرے علاقوں کو بھیجے گئے تھے انھوں نے تو واپسی پر نتائج تحقیقات سے امیر المومنین اور اہل مدینہ کو مطلع کر دیا تھا پس اگر عمارؓ مصر سے مدینہ واپس آئے ہوتے تو وہ بھی اسی طرح اپنے نتائج تحقیقات سے مطلع کرتے۔ امیر المومنین کی خدمت میں حاضری کا موقع کسی وجہ سے نہ مل سکا تھا تو دوسروں کو تو حالات سے آگاہ کرتے بطور خود نہ بیان کرتے تو ان کے دوست احباب خصوصاً حضرت محمد بن مسلمہ انصاریؓ و اسامہ بن زیدؓ و عبداللہ بن عمرؓ تو ضرور پوچھتے اور کہتے کہ ہم نے اپنے علاقوں میں عمال حکومت و خلیفہ وقت کے خلاف کوئی شکایت نہیں سنی تم تو بتاؤ تم نے مصر میں کیا حال دیکھا مگر کسی مورخ نے یہ نہیں بتایا کہ عمارؓ نے مدینے آکر اپنے نتائج تحقیقات سے امیر المومنین یا کسی دوسرے شخص کو مطلع کیا۔ وہ اگر مدینے واپس آئے تو آخر کیوں چپ سادھ گئے اور خاموشی سے گھر میں بیٹھ رہے۔

(۷) کوئی عقل سلیم اس کو تسلیم نہیں کر سکتی کہ خلیفہ وقت کے معتمد و مخلص نمایندے کی حیثیت میں حضرت عمارؓ مصر ایک معینہ عرصہ کے لئے بغرض تحقیقات جائیں اور جیسا طبری کی روایت میں ہے وہاں جا کر رک جائیں یا روک لئے جائیں خلیفہ وقت کے حکم کی تعمیل میں تو جائیں مگر اپنے رک جانے کے اسباب سے یہ جانتے ہوئے بھی خلیفہ کو مطلع نہ کریں کہ وہ اور سب صحابہ میرے منتظر ہوں گے اور معینہ وقت سے زیادہ رک جانے سے مضطر و پریشان رہیں گے۔

(۸) طبری ہی کی روایت میں حضرت عمارؓ کے مصر میں رک جانے کی وجہ سیف

بن عمر الاسدی الکوفی مصنف کتاب الفتوح والردۃ کے حوالہ سے یہ بتائی گئی ہے اور طبری ہی سے دوسروں نے نقل کر کے مشتہر کی ہے کہ (طبری ج ۵ ص ۹۹ و ترجمہ ابن خلدون جزو ثانی ص ۲۱۹)

"مصر میں ایک گروہ نے جن میں عبداللہ بن السوداء (جو ابن سبا کہلاتا تھا۔ م) و خالد بن ملجم و سودان بن حمران و کنانہ بن بشر شامل تھے عمارؓ کو اپنی جانب مائل کر کے روک لیا اور اپنا ہمنوا و ہمصفیر بنا لیا۔"

ابن خلدون مزید لکھتے ہیں کہ ابن سبا:۔

"امیر المومنین عثمانؓ پر اکثر طعن و تشنیع کرتا اور خفیہ اہل بیت کی دعوت دیتا اور کہتا کہ محمد (صلعم) پھر واپس آئیں گے جیسے عیسیٰ واپس آئیں گے۔ علیؓ بن ابی طالب وصی رسول اللہ ہیں عثمانؓ اور ان کے پیشرو ابو بکرؓ و عمرؓ نے جبراً و غصباً بغیر کسی استحقاق کے خلافت لے لی۔ غرض لوگوں کو اس قسم کی تعلیم دیتا اور امیر المومنین عثمانؓ اور ان کے عمال کے خلاف برانگیختہ کرتا اور ان کو طعن و تشنیع سے یاد کرتا تا آنکہ بعض بعض شہروں میں عوام الناس ان باتوں کی طرف مائل ہو گئے اور ایک دوسرے سے خط و کتابت کرنے لگے اسی گروہ کے ساتھ خالد بن ملجم، سودان بن حمران اور کنانہ بن بشر وغیرہم تھے۔ پس ان لوگوں نے عمارؓ کو مدینے جانے سے روک لیا" (ترجمہ ابن خلدون ج ۲ ص ۱۰)

حضرت عمارؓ کے متعلق یہ تصور کس قدر باطل ہے کہ ابن سبا اور اس کے چیلوں چانٹوں کے بہکائے میں آ کر وہ ان کے ہمنوا و ہمصفیر بن گئے۔ مصر جانے تک تو امیر المومنین کے مخلص و معتمد علیہ تھے برسوں سے ان کی بیعت اطاعت میں داخل تھے ایک یہودی کے کہنے سے جو منافقانہ اسلام میں داخل ہوا تھا سابقون الاولون کے زمرے کے ان صحابی نے خلیفہ وقت کی بیعت اطاعت کا جوا یکا یک اپنے گلے سے اتار پھینکا اور ان کے جانی دشمن بن گئے حالانکہ تقریباً چالیس برس سے حضرت عثمانؓ کے خصائل حمیدہ شاندار

اسلامی خدمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی دوہری قرابت کے حالات سے کما حقہ واقف تھے۔

(۹) طبری میں مندرجہ بالا روایت نیز اسی قماش کی متعدد روائتیں سیف بن عمر الاسدی الکوفی کے حوالے سے ہیں اس راوی کا زمانہ بھی اس عہد سے جس کے واقعات بیان کر رہا ہے تقریباً ڈیڑھ سو برس بعد کا ہے۔ امیر المومنین ہارون الرشید رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ خلافت میں فوت ہوا تھا۔ ایمہ رجال نے اسے ضعیف و متروک و غیر ثقہ و زندیق کہا ہے اور لکھا ہے کہ حدیثیں وضع کیا کرتا تھا اور زندقیت سے بھی متہم تھا کان سیف یضع الحدیث و اتھم بالزندقۃ (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۴۳۸) پھر جعفر الجعفی جیسے غالی رافضی و دیگر مجہولین سے روایت کرتا ہے اس اعتبار سے بھی حضرت عمارؓ کی سبائیت زدگی کی روایت وضعی و باطل ہے خصوصاً ان کی صحابیت و سابقیت کے لحاظ سے کیونکر ممکن تھا کہ وہ حضرت علیؓ کو وصی رسول اللہ اور حضرات ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کو غاصب خلافت جان کر سبائیوں کی اس باغی جماعت میں شامل ہو جاتے جنھوں نے بعد میں حضرت عثمانؓ کو قتل کیا۔ انھیں اگر مصر میں اپنی تحقیقات کے سلسلہ میں سبائیوں کے عزایم کا سراغ چل گیا تھا ہی لئے ان سے رابطہ پیدا کر کے ان کے راز معلوم کرنے کی غرض سے انھیں رکنا پڑا تھا۔ تو سبائیوں کی اسی باغی ٹولی نے اپنے راز کے افشا ہو جانے کے خوف سے جیسا کہ اسی راوی کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے حضرت عمارؓ کو مدینے پہنچنے سے پہلے ہی ہلاک کر دیا راوی کے الفاظ ہیں (طبری ج ۵ ص ۹۹)

واستبطاء الناس عمارا حتی ظنوا انہ قد اغتیل	اور عمارؓ کو لوگوں نے روک لیا حتی کہ لوگوں نے گمان کر لیا کہ وہ دھوکہ سے مار ڈالے گئے۔

مندرجہ بالا واقعات کی روشنی میں حضرت عمار والی حدیث تقتلک الفئۃ الباغیۃ میں الفئۃ الباغیۃ سے مراد اسی باغی گروہ سے جسے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بھی ملعون فرمایا گیا تھا حضرت علیؓ نے اس گروہ کو جب وہ نواح مدینہ کے ذی المروۃ و ذی خشب میں آکر ٹھہرے ملعون فرمایا تھا اور کہا تھا۔ لقد علم الصالحون ان جیش

ذی المروۃ وذی خشب ملعونون علی لسان محمد صلی اللہ علیہ وسلم (طبری ج ۵ ص ۱۰۴)
اسی ملعون باغی گروہ نے امیر المومنین عثمانؓ کے مخلص و معتمد علیہ نمایندے حضرت عمارؓ کو افشائے راز کے خوف سے مصر سے مدینہ آتے ہوئے دھوکہ سے ہلاک کر دیا پھر امیر المومنین کو محصور کر کے بحالت تلاوت قرآن مجید شہید کیا۔

(۱۰) اس حدیث کو حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں پر چسپاں کرنے کی غرض سے حضرت عمارؓ کے مدینہ میں بوقت شہادت عثمانؓ غنی موجود ہونے اور اس کے بعد جنگ جمل وصفین میں ان کی شرکت کے قصے اسی طرح گھڑ لئے گئے جس طرح بیشمار روائتیں بنی امیہ اور حضرت معاویہؓ کی منقصت میں وضع کی گئیں روایت پرستی کے سبب مورخین و مصنفین نے درایتاً غور کئے بغیر اپنی تالیفات میں درج کیا۔

مدینہ میں حضرت عمارؓ کی موجودگی کی روایتوں میں کہا گیا ہے کہ مصری سبائی حضرت علیؓ وطلحہؓ و عمارؓ سے سلسلہ مراسلت رکھتے تھے مدینہ پہنچکر اپنا پیغامبر بھی رات کے وقت ان تینوں حضرات کے پاس بھیجا تھا حضرت عثمانؓ کو جب اطلاع ہوئی دوڑے دوڑے حضرت علیؓ کے گھر گئے اور کہا یہ بلوائی تمہاری بات سنتے ہیں تم ان کے پاس جاؤ کہہ سنکر لوٹا دو پھر عمارؓ کو علیؓ کے ساتھ جانے کو بلوایا انہوں نے انکار کیا پھر سعدؓ بن ابی وقاص کو بلا کر عمارؓ کے پاس بھیجا کہ علیؓ کے ساتھ جانے پر آمادہ کریں۔ سعدؓ تو ادھر عمارؓ کے پاس یہ کہنے پہنچے ھٰذا علیؓ یخرج فاخرج معہ واردد ھولاء القوم عن امامک (طبری ج ۵ ص ۱۱۰) کہ علی تو جا رہے ہیں تم بھی ان کے ساتھ جا کر اپنے امام (یعنی امیر المومنین عثمانؓ) کا پیچھا ان لوگوں سے چھڑاؤ۔ راوی کی یہ لغو بیانی ملاحظہ ہو کہتا ہے کہ سعدؓ کے پیچھے پیچھے ہی حضرت عثمانؓ نے کثیر بن الصلت ایک اور شخص کو بھی یہ کہکر دوڑا دیا جاؤ سنکر آؤ سعدؓ عمارؓ سے کیا کہتے ہیں۔ کثیر نے جا کر جیسے ہی دروازے کے سوراخ سے ایک آنکھ لگا کر جھانکنا چاہا عمارؓ کی نظر پڑ گئی وہ چاقو اٹھا اس کی آنکھ پھوڑنے کو دوڑ پڑے۔ کثیر الٹے پاؤں بھاگ آیا سعدؓ نے ہر چند عمارؓ سے کہا جاؤ علیؓ کے ساتھ چلے جاؤ اور بلوائیوں کو دفع کرو مگر وہ کسی طرح نہ مانے صاف کہہ دیا کہ میں قیامت تک بھی عثمان کو ان لوگوں سے نہ بچاؤں گا۔ سعدؓ ناکام لوٹے

آئے اور یہ سب ماجرا کہہ سنایا حضرت عثمانؓ ان ہی کی کوتاہی بتاتے رہے کہ عمارؓ سے بات ٹھیک طور سے نہ کی ہوگی۔

غرض یہ ہے وہ وضعی داستان جس سے بوقت یورش بلوائیان حضرت عمارؓ کے مدینے میں موجود ہونے کا ثبوت دیا گیا ہے۔ داستان کے گھڑنے والے نے جہاں اس وقت کی دنیا کے سب سے زیادہ طاقتور حکمراں امیر المومنین عثمان غنیؓ صلوات اللہ علیہ کی عاجزی و بیچارگی و بے بسی کا جن کا حکم افریقہ سے ترکستان و خراسان تک اور اور شام سے یمن تک چلتا تھا یوں مضحکہ اڑایا ہے وہیں صحابہ کرام کی خلیفہ وقت سے بیعت سمع و طاعت کا بھی کیسا بھونڈا نقشہ کھینچا ہے۔

شیعہ مورخ ابن جریر طبری کی روایتوں میں تو جیسا آپ ملاحظہ کر چکے ہیں بتایا گیا ہے کہ حضرت عمارؓ کا دورانِ قیام مصر میں سبائی بلوائیوں سے رابطہ قائم ہوگیا تھا اور وہ ان کے ہمنوا بن گئے تھے سنّی مورخ ابن کثیر نے ایک صحابی کا سبائیوں کا ہمنوا ہو جانا بالغو و باطل جانا اس لئے انھوں نے ان کے مصر بھیجے جانیکا ذکر ہی سرے سے حذف کر دیا اور حضرت عثمانؓ سے ان کی دشمنی و عناد کا سبب یہ بتایا کہ عباس بن عتبہ بن ابولہب کو عمارؓ کسی وقت گالی دے بیٹھے تھے جس پر امیر المومنین نے تادیباً زجر و توبیخ اور ملامت کی تھی اس لئے انھوں نے بلوائیوں کے معاملے میں حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہ کا ساتھ دینا پسند نہ کیا حالانکہ اہل مدینہ صحابہ وغیر صحابہ سب ہی شریعت مطہرہ کے واضح احکام کی متابعت میں اپنے امام اور امیر المومنین کی تعمیل حکم اپنے اوپر لازم سمجھے ہوئے تھے ابن کثیر ہی نے بلوائیوں کے قرب مدینہ میں پہنچنے کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ:۔

فلما اقتربوا من المدینة امر عثمان علی بن ابی طالب ان یخرج الیھم لیردھم الی بلادھم قبل ان یدخلوا المدینة۔ (البدایہ ج ۷، ص ۱۷۰)	بلوائی جب مدینہ کے قریب آ پہنچے (حضرت عثمانؓ) نے (حضرت) علیؓ کو حکم دیا کہ ان لوگوں کے پاس جائیں اور قبل اس کے کہ وہ شہر مدینہ میں داخل ہوں انھیں ان ہی کے شہروں کی جانب واپس لوٹا دیں۔

پھر طبری کی روایت سے یہ بھی لکھدیا ہے کہ عمارؓ کو ساتھ لے جانے کی بھی ہدایت کردی گئی تھی وامرہ ان یاخذ معہ عمار بن یاسر (البدایہ ج ۷ ص ۱۷۱) نیز لکھا ہے کہ حضرت عمارؓ نے حضرت علیؓ کے ساتھ جانے سے قطعی انکار کیا اور سختی کے ساتھ منع کردیا فابی عمار کل الاباء وامتنع اشد الامتناع (ایضاً) اب یہاں پھر وہی سوال حل طلب رہتا ہے کہ حضرت علیؓ اور دیگر اکابر صحابہ کے ہوتے ہوئے جو حضرت عمارؓ سے ہر حیثیت میں بمراتب بلند تر صاحب اثر و رسوخ تھے راوی نے ایسی اہمیت اور خصوصیت اس معاملہ میں حضرت عمارؓ کی کیوں اور کس مقصد سے بیان کی ہے کہ بغیر ان کے جائے بلوائی نہ ہٹتے حالانکہ بلوائیوں سے افہام و تفہیم کا کام حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہ عمارؓ کی بہ نسبت کہیں زیادہ خوبی و خوش اسلوبی سے انجام دے سکتے تھے اور انھوں نے انجام بھی دیا تھا۔ خود مودودی صاحب فرماتے ہیں (شمارہ جولائی ص ۲۵۵) کہ بلوائیوں کے جتھے

"جب مدینے کے باہر پہنچے تو حضرت علیؓ حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ کو انھوں نے اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی مگر تینوں بزرگوں نے جھڑک دیا اور حضرت علیؓ نے ان کے ایک ایک الزام کا جواب دے کر حضرت عثمانؓ کی پوزیشن صاف کی۔ مدینے کے مہاجرین اور انصار بھی جو دراصل اس وقت مملکت اسلامیہ میں اہل حلّ و عقد کی حیثیت رکھتے تھے ان کے ہمنوا بننے کے لئے تیار نہ ہوئے"

حضرت علیؓ نے جب بقول مودودی صاحب بلوائیوں کے الزامات کی تردید کرکے حضرت عثمانؓ کی پوزیشن صاف کردی تھی تو حضرت عمارؓ کی نظروں میں بھی جنھیں حضرت علیؓ کا بڑا وفادار و عقیدت مند بتایا جاتا ہے۔ وہ بدرجہ اولی حضرت عثمانؓ کی پوزیشن صاف کرکے خلیفہ وقت کی اطاعت کے لئے انھیں ہموار کرسکتے تھے خصوصاً جبکہ بقول مودودی صاحب مدینے کے سب مہاجرین و انصار بلوائیوں سے الگ تھلگ رہے ان ہی مورخین نے صراحتاً بیان کیا ہے کہ مدنی صحابہ کی جماعت جن کی تعداد تین سو نفوس تھی بلوائیوں کو دور کرنے اور ہٹا دینے میں حضرت علیؓ کے ساتھ تھی ان میں ایسے ایسے جلیل القدر صحابہ شامل تھے جو سابقیت و علوئے منزلت اور اسلامی خدمات

اور اثر و رسوخ کے اعتبار سے حضرت عمارؓ سے کہیں بلند مرتبہ و برتر تھے مثلاً حضرت سعید بن زیدؓ جو عشرہ مبشرہ کے بزرگ تھے، حضرت زید بن ثابتؓ جو کاتبانِ وحی میں سے تھے، حضرت کعب بن مالکؓ جو بیعت عقبہ ثانیہ اور تمام غزوات کے شریک تھے، حضرت حسان بن ثابتؓ مشہور شاعر و مداح رسولؐ حضرت جبیر بن معطمؓ جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بوقت واپسی سفر طائف کفار قریش کے علی الرغم اپنے جوار میں لیا تھا، حضرت حکیم بن حزامؓ جو حضرت خدیجہؓ کے بھانجے تھے اور زمانہ نبوت کے قبل سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق خلوص و محبت کا رکھتے تھے دولتمند تھے۔ حضرت زید بن حارثہؓ ان ہی کے ذریعہ خدمت میں پہنچے تھے اسی طرح دیگر صحابہ تو پھر ایسے ممتاز و با اثر اصحاب کی موجودگی میں حضرت عمارؓ کو بلانے کے لئے جو ان حضرات سے کم حیثیت کے تھے بار بار لوگوں کو دوڑانے کی کیا وجہ ہو سکتی تھی صاف ظاہر ہے کہ یہ سب باتیں راویوں نے اسی مقصد سے تراشی ہیں کہ حضرت عمارؓ کو اس زمانے میں مدینے میں موجود بتائیں تاکہ بعد میں اولاً جنگ جمل پھر جنگ صفین میں ان کے موجود اور شامیوں کے ہاتھ سے مقتول ہو جانے سے حضرت معاویہؓ و اہل شام کو باغی ٹولی (الفئة الباغية) کہنے کی دلیل مل سکے ورنہ جو حقیقت ہے وہ خود طبری کی روایت سے منکشف ہو جاتی ہے کہ حضرت عمارؓ کو بلوائیوں کی ٹولی نے اپنا راز فاش ہو جانے کے خوف سے مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی دھوکہ سے ہلاک کر دیا۔ وقد اغتیل۔

(۱۱) پچھلے اوراق میں ذکر اس وضعی روایت کا آچکا ہے کہ حضرت عمارؓ کو علوی لشکر میں دیکھکر حضرت زبیرؓ لڑائی سے کنارہ کش ہو گئے تھے گویا راوی یہ بتانا چاہتا ہے کہ (الفئة الباغية) والی حدیث کو ذہن میں رکھکر ہی تو علیحدہ ہو گئے تھے۔ اگر یہ بات ہوتی تو جیسا ہم پہلے کہہ چکے ہیں وہ اکیلے اکیلے کیوں الگ ہو جاتے۔ انھیں لازم تھا اپنے ساتھیوں خصوصاً حضرت ام المومنین کو متوجہ کرکے لڑائی بند کرا دیتے کم از کم اپنے لختِ جگر حضرت عبد اللہؓ کو سختی سے ہدایت کرتے۔ روایت گھڑنے والے نے ان باتوں کا لحاظ نہ کیا۔

جنگِ جمل ہی کے سلسلے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ کوفے سے فوجی امداد حاصل کرنے کی غرض سے جو وفود بھیجے گئے تھے ایک کے ساتھ حضرت عمارؓ کو بھی بھیجا گیا تھا حالانکہ روایت میں یہ صراحت بھی ہے کہ ان سے پہلے حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور الاشترؓ اسی غرض سے بھیجے گئے تھے۔ والی کوفہ اس وقت حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ تھے جنھوں نے بالاعلان کہہ دیا تھا کہ خلیفہ شہید عثمانؓ کی بیعت میری گردن میں بھی ہے اور علیؓ کی گردن میں بھی پہلے تو قاتلوں سے قصاص لیا جائیگا اور بعد میں اور امور طے ہوں گے وہ رشتہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے بھتیجے داماد بھی تھے اور الاشترؓ کا وطن کوفہ تھا جہاں اس کا قبیلہ آباد تھا۔ ان دونوں کا کوفہ بھیجا جانا تو مفید مطلب ہو سکتا تھا مگر عمارؓ سے تو کوفے کے لوگ جیساکہ طبری ہی کی روایت سے پہلے بیان کیا جاچکا ہے اس وقت سے ناراض تھے جب کوفہ کے والی مقرر ہو کر گئے تھے اور اہل کوفہ ہی کی شکایتوں پر انھیں برطرف کر دیا گیا تھا اس کے بعد انھیں کوئی منصب بھی نہ دیا گیا ایسے شخص کا فوجی امداد حاصل کرنے کے لئے جانا الٹا موجب ناکامی کا ہوتا۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ روایت محض وضعی ہے۔

(۱۲) جنگ صفین میں حضرت عمارؓ کی نبرد آزمائی اور مقتول ہونے کی داستان جس طرح بیان کی گئی ہے اس کا لہجہ اور عبارت کے فقرات ہی ساختگی کی غمازی کرتے ہیں۔ ابن جریر طبری نے قال ابومخنف کی تکرار کے ساتھ یہ روائتیں درج کی ہیں ابومخنف کے آباواجداد عراقی لشکر میں اپنے قبیلہ وخاندان کے ساتھ موجود تھے اس کی روائتیں عراقیوں کی طرفداری اور شامیوں کی مذمت کا رنگ لئے ہوئے ہیں۔ ابومخنف ہی "مقتل حسین" کا مؤلف بھی ہے کربلا میں اس نے عراق کے ممتاز لوگوں میں سے شمر بن ذی الجوشن کو جو حضرت علیؓ کے رشتے میں سالے ہوتے تھے نیز شبث بن ربعی کو ایسا قسی القلب ظاہر کیا ہے کہ حضرت حسینؓ کے سینے پر چڑھ کر ذبح کرنے اور سر اتارنے کے فعل شنیعہ کا ارتکاب کیا تھا جنگ صفین میں اسی راوی ابومخنف نے ان دونوں کو حضرت علیؓ کا ایسا پرجوش حامی ظاہر کیا ہے کہ دوران جنگ حضرت معاویہؓ سے مثلاً شبث بن ربعی کی یہ گفتگو ہونا بیان کی ہے :-

شبث بن ربعی۔ معاویہ! خدا تجھے ہدایت دے! کیا تو عمارؓ قتل کر دے گا۔
معاویہ۔ مجھکو کون چیز اس کے قتل سے مانع ہوگی۔ واللہ اگر مجھے موقع ملا
تو میں عثمانؓ کے غلاموں کے بدلے اس کو مار ڈالوں گا"

ابو مخنف اس گفتگو سے یہ تاثر دینا چاہتا ہے کہ صفین کے معرکے میں حضرت
عمارؓ نہ صرف بذاتہ شریک تھے بلکہ علوی لشکر میں ان کی موجودگی عام لشکریوں
یا کم از کم سرداران لشکر کے نزدیک دلیل اس بات کی تھی کہ اگر عمارؓ شامی لشکر کے
ہاتھ سے قتل ہوں تو وہ الفئۃ الباغیۃ قرار پائے گا۔ عمر بھی ان کی بانوے ترانوے
برس کی بیان کی گئی ہے لکھا ہے کہ جسمانی طور سے وہ اس قدر کمزور تھے کہ ہتیار اٹھاتے
ہاتھ لرزنے لگتے تھے لیکن گھمسان کی لڑائی کے وقت اسی مشہور کذاب راوی کا بیان
کے مطابق وہ یہ کہتے ہوئے نبرد آزمائی کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے (طبری ج ۶ ص ۲۱)

"اے اللہ تو خوب جانتا ہے کہ اگر مجھکو یہ معلوم ہوتا کہ تیری مرضی
اسی میں ہے کہ میں اپنے کو اس دریا میں پھینک دوں تو میں بیشک ایسا ہی
کرتا اور اگر تیری خوشنودی اس میں جانتا کہ تلوار کی نوک اپنے پیٹ پر رکھ لوں
اور اس کو اس زور سے دباؤں کہ پشت سے نکل جائے تو میں بلاشبہ
ایسا ہی کرتا۔ اے اللہ! آج کے دن میں ایسا کام کیا چاہتا ہوں کہ تو
ان فاسقین سے جہاد کرنے سے زیادہ اس سے راضی ہوگا وانی
لا اعلم الیوم عملاً ھوا رضی لک من الجہاد ھولاء الفاسقین"

اس عراقی شیعہ اخباری ابو مخنف نے حضرت عمارؓ کی زبان سے شامی
"فاسقین" سے جہاد کرنے سے زیادہ جس کام کو رضائے الٰہی کا مستوجب بنایا ہے
وہ شامیوں کے ہاتھ سے ان کا مقتول ہو جانا کہ الفئۃ الباغیۃ کا لیبل اہل شام
پر لگانا ہے چنانچہ عمارؓ کا لوگوں کو اپنے ساتھ آنے کی دعوت دیتے اور یہ کہتے
ہوئے لشکر شام کی طرف چلنے کی داستان گھڑی ہے۔ وقد فتحت ابواب الجنۃ
وتزینت الحور العین' تو دروازے جنت کے کھل گئے سیہ چشم حوریں بناؤ سنگھار

سے ہیں۔ پھر کہتا ہے کہ صفین کی وادیوں میں سے کسی وادی پر سے وہ نہ گزرتے مگر صحابہ رسول اللہ ان کے ساتھ ہوتے جاتے حتیٰ کہ حضرت ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاصؓ تک پہنچ گئے جو علوی لشکر کے علم بردار تھے ان کو بھی ساتھ لیا حضرت عمرو بن العاصؓ کا مقابلہ ہوا تو عمارؓ کے منہ سے یہ صریحاً غلط بات کہلوائی کہ "تو آج ہی اس لشکر کے علمبردار سے نہیں لڑتا تین بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس علم بردار سے لڑ چکا ہے اور آج یہ چوتھا مرتبہ ہے۔ کیا تجھے یاد نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "عمار کو گروہ باغی مارے گا۔

ترجمہ ابن خلدون کتاب ثانی جلد ۴ صفحہ ۳۶۴ نیز طبری ج ۶ ص ۲۲)

ابو مخنف کو جسے سب ہی ایمہ رجال نے کذاب کہا ہے صحابہ کے حالات سے صحیح واقفیت نہ تھی ذرا دیکھئے یہاں کیسی غلط بات کہہ گیا۔ حضرت ہاشم بن عتبہؓ فتح مکہ کے بعد اسلام لائے تھے اور حضرت عمرو بن العاصؓ فتح مکہ سے قبل مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ حضرت ہاشمؓ سے عہد رسالت میں ان کی نبرد آزمائی لغو و باطل ہے۔ پھر ان کے ہی منہ سے ان کے مقتول ہو جانے اور فئة باغیة کا لیبل ان پر اور ان کے ساتھیوں پر چسپاں کرنا بیان کیا ہے گویا وہ "فاسقین" کا مقابلہ کرنے اسی لئے چلے تھے اور دوسرے صحابہ بھی اپنی جانیں ان کے ساتھ دینے پر اسی لئے مستعد ہوئے تھے کہ یہ لیبل حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں پر چسپاں کر سکیں۔ غرضیکہ اس قماش کی وضعی اور بے پایہ روایتوں سے حضرت عمارؓ کا صفین کے معرکہ میں شریک ہو کر مقتول ہو جانا تو اہل شام کو باغی گروہ قرار دینے ہی کے لئے گھڑا ہے۔ کوفے کی ٹکسالوں میں صدہا روائتیں گھڑی گئیں حتیٰ کہ حضرت عمرو بن العاصؓ کے صاحبزادے حضرت عبد اللہؓ کی اپنے والد سے گفتگو بھی وضع کی گئی اور حضرت معاویہؓ کی طرف سے بھی جواب تصنیف کیا گیا کہ جو لوگ عمارؓ کو ہماری تلوار کے نیچے ڈال گئے وہی ان کے قاتل اور وہی فئة باغیة ہیں پھر کسی نے اپنی ذہانت سے یہ تاویل بھی کر ڈالی کہ باغیہ سے مراد بغاوت

ہی نہیں بلکہ باغیہ یعنی طالبہ ہے اور ہم لوگ قصاص عثمانؓ کے طالب ہیں اس لئے فئتہ باغیہ نہیں۔ یہ سب سوال وجواب واقعہ سے تقریباً دو صدی بعد خود ہی تصنیف کرکے مشتہر کر دئے گئے جو روایت پرستی کی وجہ سے کتب تاریخ کے علاوہ دوسری کتابوں میں بھی مندرج ہیں ان سب موضوعات کی تردید وتکذیب ایک ایسی مستند تاریخی دستاویز سے ہو جاتی ہے جو اسی زمانے یعنی ۳۷ھ ہی میں قلبند کی گئی تھی یعنی خود حضرت علیؓ کا گشتی مراسلہ جو اس درجہ مستند ہے کہ کتب تاریخ وتذکرہ کے علاوہ نہج البلاغۃ کے مصنفین نے بھی اسے درج کیا ہے اسی سے یہاں نقل کیا جاتا ہے :-

گشتی مراسلہ | من کتاب علیہ السلام الی الامصار یقص فیہ ماجری بینہ وبین اھل الشام ۔

یہ گشتی مراسلہ ہے جناب (علی) علیہ السلام کا جو تمام شہروں کے لوگوں کو بھیجا گیا جس میں اس واقعہ کو بیان کیا ہے جو ان کے اور اہل شام کے درمیان پیش آیا ۔

وکان بدء امرنا لتقینا والقوم من اھل الشام وظاھر ان ربنا واحد ونبینا واحد ودعوتنا فی الاسلام ولا نستزیدھم فی الایمان باللہ والتصدیق برسولہ ولا یستزیدوننا الامر واحد الا اختلفنا فیہ من دم عثمان و نحن منہ براء ۔

(نہج البلاغۃ جزو ثانی ص۱۵۹)

اور ہمارے معاملہ کی ابتدا یہ ہوئی کہ ہم میں اور اہل شام سے مقابلہ ہوا اور یہ ظاہر ہے کہ ہمارا اور ان کا خدا ایک ہمارا اور ان کا نبی ایک ہماری اور ان کی دعوت اسلام ایک، اللہ پر ایمان رکھنے اور اس کے رسول کی تصدیق کرنے میں نہ ہم ان سے زیادہ اور نہ وہ ہم سے زیادہ پس معاملہ واحد ہے سوائے اس کے کہ ہم اور ان میں خون عثمان کی بابت اختلاف ہوا حالانکہ ہم اس سے بری تھے ۔

حضرت عمارؓ اگر جنگ صفین میں علوی لشکر کی جانب سے لڑتے ہوئے اہل شام کے ہاتھوں مقتول ہو جاتے تو حضرت علیؓ کے اس گشتی مراسلہ کا جو صفین سے واپسی کے بعد لکھا گیا تھا نہ یہ لہجہ ہوتا اور نہ حضرت علیؓ لڑائی بند کرکے نزاعی معاملہ کے تصفیہ کے

لئے ثالثی منظور کرتے بلکہ حسب فرمان خداوندی اس وقت تک لڑائی جاری رکھتے کہ اہل شام جو تقتلک الفئۃ الباغیۃ کے اعتبار سے باغی قرار پائے ہوتے اللہ کے حکم کے سامنے جھک نہ جاتے حتی تفئ الی امر اللہ کیا مودودی صاحب اور ان کے ہمخیال یہ کہنے کی جسارت کرسکتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے اس معاملہ میں حکم الٰہی کا لحاظ نہ کیا اور باغی جماعت کو زیر کرنے کے بجائے ان سے صلح مصالحت کرنے کیلئے ثالثی کی تجویز قبول کرلی۔ اور اپنے اس گشتی مراسلہ میں اشارتاً بھی اس بات کا اظہار نہ کیا کہ عمارؓ شامیوں ہی کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے۔ لہذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق عمارؓ کا قاتل گروہ ہی باغی ہے برخلاف اس کے حضرت علیؓ نے کس وضاحت کے ساتھ ان ہی شامیوں کو اپنا جیسا مومن بتا کر ان سے اپنے اختلاف کی وجہ قصاص خون عثمانؓ کا معاملہ بیان کیا ہے۔ حضرت علیؓ نے گشتی مراسلہ کی تحریر و تشہیر اور جنگ بندی کرنے سے بالفاظ دیگر قولاً اور فعلاً ثابت کردیا کہ اہل شام کو وہ باغی گروہ نہیں سمجھتے تھے کہ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ عمارؓ اہل شام کے ہاتھوں مقتول نہیں ہوئے۔ مقتول ہوتے تو حضرت علیؓ اہل شام کو باغی گروہ قرار دے کر ان سے لڑائی جاری رکھتے نہ لڑائی بند کرتے اور نہ ثالثی قبول کرتے۔ ان کے قول و فعل دونوں سے ثابت ہے کہ عمارؓ جنگ صفین میں ہرگز مقتول نہیں ہوئے جیسا ہم تفصیلاً بیان کرچکے وہ سبائی باغی ٹولی کے ہاتھوں پہلے ہی مقتول ہوچکے تھے نہ مصر سے جہاں امیر المومنین عثمانؓ کے معتمد علیہ نمائندے کی حیثیت سے بغرض تحقیقات گئے تھے مدینہ واپس آسکے نہ جنگ جمل و صفین میں موجود تھے اور نہ شامیوں کے ہاتھوں مقتول ہوئے تھے۔

جنگ صفین تو جیسا خود حضرت علیؓ کا قول نقل ہوچکا ہے قصاص خون عثمانؓ کے نزاعی معاملہ کی وجہ سے ہوئی تھی دونوں فریق کی دعوت ایک ہی تھی۔ بغاوت کا اس سے کیا تعلق۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے ابن کثیر ہی نے یہ حدیث نقل کی ہے۔

انہ قال لا تقوم الساعۃ حتی تقتتل فئتان عظیمتان یقتتل بینھما مقتلۃ عظیمۃ ودعواھما	رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ قیامت نہ آئے گی یہاں تک کہ دو عظیم گروہ آپس میں بڑی خونریزی کریں گے اور دعوت ان دونوں کی ایک ہی ہوگی۔

واحدة۔

(البدایہ ج ۷ ص ۲۷۴)

"فئتان عظیمتان" سے صاف ظاہر ہے کہ عراقی وشامی افواج ہی مراد ہو سکتی ہیں جن میں "مقتلة عظیمة" واقع ہوا۔ اگر حضرت عمارؓ قتل ہوئے ہوتے تو ضرور اشارہ ان کا اس میں ہوتا۔

ثالثی صفین میں فریقین کے لشکریوں کی تعداد دو لاکھ بیان کی گئی ہے۔ سوا لاکھ عراقی لشکر کے اور ساٹھ ہزار حضرت معاویہؓ کی شامی افواج کے یہ کثیر التعداد جیش کم و بیش تین مہینے تک ایک دوسرے کے مقابل صف آرا رہے درمیان میں چھوٹی بڑی جھڑپیں بھی ہوئیں جو شمار میں ستتر سے ایک سو دس بتائی جاتی ہیں۔

مودودی صاحب نے اپنے ماخذ البدایہ والنہایہ (ج ۸ ص ۱۱۹) میں اس واقعہ کا حال ضرور پڑھا ہوگا کہ عیسائی بادشاہ۔ قیصر روم نے جس کی افواج کو حضرت معاویہؓ متعدد معرکوں میں شکست دے چکے تھے مملکت اسلامی کی سرحدات کے قریب اپنے فوجی دستے اس مقصد سے مجتمع کرنے شروع کر دئے تھے کہ عراقی اور شامی افواج خانہ جنگی کے نتیجے میں گھٹ گھٹا کر جب کمزور و درماندہ ہو جائیں تو یکایک حملہ کر کے مسلمانوں کی حربی قوت قوت کا خاتمہ کر دے اس خطرے کا احساس سب سے پہلے حضرت معاویہؓ کو ہوا چنانچہ انھوں نے قیصر کو تہدیدی مراسلہ بھیجا کہ تیری فوجوں نے اگر اس طرف کا رخ کیا تو میں اور میرے چچا کے بیٹے (علی بن ابی طالب) تیرے مقابلے میں فوراً صلح کرلیں گے۔ لاصطلحن انا وابن عمی پھر ہر دونوں کی متحدہ افواج تیرے ملک پر چڑھائی کر کے تجھے نکال باہر کر دیں گی۔ کہتے ہیں کہ قیصر نے اسی سے متاثر ہو کر ہی اپنے فوجی دستے ہٹائے تھے عیسائی مورخین نے البتہ یہ لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے قیصر کے حملے کے پیش نظر امن و امان قایم رکھے جانے کا معاہدہ اس شرط پر اس سے کر لیا تھا کہ ایک معینہ رقم اسے سالانہ پیش کر دی جایا کرے گی۔ واقعہ کی نوعیت بہر حال کچھ ہو حضرت معاویہؓ اس خطرہ کو ضرور محسوس کر رہے تھے کہ اس لڑائی میں اسلامی لشکروں کی حربی قوت اگر کمزور پڑ گئی تو

دشمنِ اسلام قوتوں کا مقابلہ کون کر سکے گا۔ مورخین کا بیان ہے کہ دونوں لشکروں میں ایسے لوگ بھی تھے جو یہ سوچنے لگے تھے کہ اپنے ہی دینی بھائیوں کی گردنیں کاٹنے اور اپنی کٹوانے کے بجائے اس تنازعہ کا کوئی پرامن معقول حل تلاش کیا جائے۔ سبائی پارٹی کے کچھ ایسے لوگ بھی علوی لشکر میں شامل تھے جنھوں نے پہلے بھی اصحاب جمل اور حضرت علیؓ کے مابین صلح و مصالحت کو ناکام بنا کر جنگ چھیڑ دی تھی وہ صفین میں اشتعال انگیزی سے کب چوکنے والے تھے۔ چنانچہ خونریز جھڑپوں کے درمیان ہی یکایک گھمسان کا ایسا رن پڑ گیا کہ تمام دن اور ساری رات انتہائی خونریز لڑائی جاری رہی کلمہ گویوں کے سر گاجر مولی کی طرح کٹ کٹ کر گرتے رہے۔

واستمر القتال فی هذه اللیلة کلها وهی من اعظم اللیالی شراً بین المسلمین تسمی هذه اللیة لیلة الهریر۔ (البدایہ ج ۷، ص ۲۷۱)	اور اس رات میں یہ لڑائی پوری رات جاری رہی۔ اس رات کا شمار مسلمانوں کے درمیان انتہائی پرفتن راتوں میں ہے اور اس رات کو لیلۃ الھریر سے موسوم کیا گیا ہے۔

ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ (ج ۷، ص ۲۷۴) میں بیہقی کی روایت سے لکھا ہے کہ فریقین کے ساٹھ ہزار سپاہی اس لڑائی میں فنا ہو گئے تھے۔

وکان اهل الشام ستین الفاً فقتل منهم عشرون الفاً وکان اهل العراق مائة وعشرین الفاً فقتل منهم اربعون الفاً (ایضاً)	اہل شام کی ساٹھ ہزار فوج میں سے بیس ہزار قتل ہوئے اور اہل عراق کے ایک لاکھ بیس ہزار میں سے چالیس ہزار مقتول ہوئے۔

عراقی فوج گو تعداد میں شامیوں کی بہ نسبت تقریباً دوگنی تھی لیکن پچھلے اوراق میں خود حضرت علیؓ ہی کا قول نقل ہو چکا ہے معینہ وظیفے کے علاوہ عطیات کے لالچ میں بہت سے سپاہی ایسے بھرتی ہو کر آئے تھے جو آزمودہ کار سپاہی پیشہ نہ تھے برخلاف ان کے شامی افواج میں اکثر وہی دستے شامل تھے جو بارہا قیصر روم کی باقاعدہ تربیت یافتہ فوجوں کو شکست پر شکست دے چکے تھے اور اس لڑائی میں تو ایک ایک شامی مسلمان نبرد آزما اپنے

خلیفہ شہید مظلوم کے قصاص کا حملہ آوروں سے بدلہ لینے کے لئے جو اس کے وطن عزیز پر چڑھ آئے تھے بیتاب تھا۔ اس لئے اس خونریز معرکے میں شامی فوج کا پلّہ بھاری رہنا کوئی تعجب کی بات نہ تھی مگر کلمہ گویوں کی اس کثیر تعداد کا یوں فنا ہو جانا ایک المیہ تھا اس بھیانک خونریزی کا منظر سخت سے سخت دل کو بھی خون کے آنسو رلا دینے کو کافی تھا اور حضرت معاویہؓ کی تو سرشت ہی میں رافت بالرعیت وشفقت علی المسلمین کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا تھا نیز انھیں تو عیسائیوں کے خلاف جہادی مہموں میں آزمودہ کار مجاہدین کی شدید ضرورت تھی وہ اس بھیانک خونریزی کے خیال سے تڑپ اٹھے اور صبح ہوتے ہی یہ کہتے ہوئے کہ لوگ جب یوں فنا ہو گئے تو حفاظت سرحدوں کی کون کرے گا اور کون مشرکین اور کفار سے جہاد کرے گا قد فنی الناس فمن للثغور ومن لجهاد المشركين والكفار (البدایہ ج ۷ص ۲۷۲) اُنھوں نے قرآن شریف بلند کرا کے اعلان کرایا۔ هذا بيننا وبينكم (یہ ہمارے تمہارے درمیان حکم ہے) مودودی صاحب نے جو ظاہر ہے حضرت معاویہؓ اور دیگر عظماء وخلفائے بنی امیہ کی تحقیر وتضحیک میں ہر وضعی روایت قبول کر لیتے ہیں۔ مشہور کذاب اخباری ابو مخنف کی اس روایت پر اعتماد کر لیا کہ شامی فوج کو منہزم ہوتے دیکھکر حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت معاویہؓ کو یہ ترکیب سوجھا دی کہ نیزوں پر قرآن شریف آویزاں کر کے جنگ بندی کی اپیل کر دو مخالف فوج میں تفرقہ پڑ جانے سے ہمیں موقع مل جائے گا۔ چنانچہ اس بارے میں فرماتے ہیں (شمارہ جولائی ۶۵ء)

"یہ محض ایک جنگی چال تھی قرآن کو حَکَم بنانا سرے سے مقصود ہی نہ تھا"

حضرت معاویہؓ کی ان کے نزدیک یہ اگر ایک جنگی چال تھی تو حضرت علیؓ کی ایسی ہی کارروائی کو وہ پھر کیا کہیں گے۔ کیا انھوں نے اپنے مآخذ طبری (ج د ص ۱۱۹) میں ایک شیعہ ثقہ راوی عمار الدھنی کی یہ روایت نہیں ملاحظہ کی کہ جنگ جمل میں خود حضرت علیؓ نے قرآن شریف بلند کرا کے اسے حَکَم بنانے کی دعوت دی تھی۔ ان دونوں بزرگ صحابیوں اور کاتبان وحی کے یکساں طرز عمل کے بارے میں جو مزید خونریزی روکنے کے مقصد سے تھا یہ فرق وامتیاز پیدا کرنا کہ حضرت علیؓ کا قرآن اٹھوانا تو خلوص نیت سے تھا اور حضرت معاویہؓ

کی "یہ محض ایک جنگی چال تھی قرآن کو حکم بنانا سرے سے مقصود ہی نہ تھا" کیا مودودی صاحب کے "بغض معاویہؓ" کا کھلا ہوا ثبوت نہیں۔

مودودی صاحب نے ابو مخنف کی وضعی روایت کے چند لفظ نقل کر کے حضرت معاویہؓ پر جنگی چال چلنے کا فتویٰ تو صادر فرما دیا لیکن اسی سلسلے میں اس کذاب راوی کے دوسرے فقرے جن سے اس کی کذب بیانی کا راز فاش ہوتا تھا۔ مودودی صاحب پی گئے۔ صرف اتنا لکھ دیا کہ "حضرت علیؓ نے عراق کے لوگوں کو لاکھ سمجھایا کہ اس چال میں نہ آؤ جنگ کو آخری فیصلے تک پہنچ جانے دو۔" حالانکہ طبری کی روایت میں جس کا حوالہ مودودی صاحب نے دیا ہے ابو مخنف نے حضرت علیؓ سے یہ قول منسوب کیا ہے کہ تم لوگ لڑائی برابر جاری رکھو کیونکہ یہ لوگ یعنی :-

"معاویہؓ وعمرو بن العاص و ابن ابی معیط وحبیب ابن مسلمہ وابن ابی سرح وضحاک ابن قیس یہ لوگ نہ دین والے ہیں نہ قرآن والے (لیسوا باصحاب دین ولا قرآن) میں تو ان لوگوں کو تم سے کہیں زیادہ جانتا ہوں کیونکہ بچپن میں بھی ان کی سنگت میں رہا ہوں اور بڑے ہو کر بھی رقد صحبتھم اطفالا وصحبتھم رجالا) یہ بچپن میں بھی بڑے شریر تھے اور بڑے ہو کر بھی رہے انھوں نے جو قرآن بلند کئے وہ اسے جانتے ہی نہیں جو اس میں ہے (لا یعلمون بما فیھا) انھوں نے تو محض دھوکہ و فریب و مکر سے اٹھایا ہے" (طبری ج ۶ ص ۲۷)

اب دیکھئے حضرت علیؓ نے اپنے گشتی مراسلہ میں جس کا مضمون اوپر نقل ہو چکا ان ہی اہل شام کو جن سے صفین میں ان کا مقابلہ ہوا اپنا ہی جیسا مومن بتایا ہے مگر یہ کذاب راوی ابو مخنف جس کی روایت سے مودودی صاحب چند لفظ نقل کر رہے ہیں۔ ان ہی مومنین کو جو سب کے سب صحابی ہیں اور اسلامی خدمات و اشاعت دین میں جن کے عظیم الشان کارنامے ہیں حضرت علیؓ ہی کی زبان سے بے دین اور کافر کہلوا رہا ہے اس پر مستزاد یہ کہ حضرت ضحاک بن قیسؓ و حضرت ولیدؓ بن ابی معیط کو جو حضرت علیؓ سے سن و سال میں بیس برس چھوٹے تھے ان ہی کی زبان سے بچپن اور جوانی کا ساتھی و ہم جلیس

بھی کہلوا رہا ہے۔ حیرت ہے کہ مودودی صاحب نے اس کذاب راوی کی ایسی لغو روایت کے چند لفظ تو ان دونوں جلیل القدر صحابیوں حضرت معاویہؓ وحضرت عمرو بن العاصؓ پر چوٹ کرنے کے لئے لے لئے باقی فقرات کا شاید اس خوف سے اخفا کر دینا مناسب جانا کہ "ترجمان القرآن" پڑھنے والے اُن صحابہ کو "لیسوا باصحاب دین ولا قرآن" بالفاظ دیگر بے دین اور کافر قرار دیا جانا قبول کرنے کو تیار نہ ہو سکیں گے ابومخنف کی ان اکاذیب کے باوجود یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ حضرت معاویہؓ کے قرآن کو حکم بنائے جانے کی دعوت کو سب نے قبول ومنظور کر لیا برخلاف حضرت علیؓ کے قرآن بلند کرا کے حکم بنانے کی دعوت کو اصحاب جمل نے ان کی "جنگی چال" سمجھکر مسترد کر دیا تھا کیونکہ صلح مصالحت ہو جانے کے بعد بھی سبائیوں نے جیسا کہ مودودی صاحب کو تسلیم ہے اپنی خیر منانے کے لئے شبخون مار کر جنگ کی آگ بھڑکا دی تھی۔ صفین میں تو ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا تھا حضرت علیؓ اور عراقیوں کی اکثریت نے جو ہنوز مد جنگ لڑ رہے تھے اس دعوت کو بلا تذبذب قبول کر لیا صرف وہ قلیل جماعت معترض رہی جو بعد میں خوارج کہلائی۔

تقرر حکمین ثالث مقرر کرنے کے بارے میں شامی کیمپ میں تو دیگر امور کی طرح کامل اتفاق رہا حضرت علیؓ کے کیمپ میں اور باتوں کی طرح اس میں بھی اختلاف پیدا ہوا۔ حضرت علیؓ نے پہلے تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو ثالث مقرر کرنا چاہا مودودی صاحب کو بھی اس کا اقرار ہے لوگوں نے کہا یہ تو تمہارے بھائی تمہاری ذات کے مثل ہیں ہم تو آزاد ویلے لاگ شخص چاہتے ہیں جس کا تمہارے اور معاویہ کے ساتھ برابر کا تعلق ہو۔ ھومنك ومن معاويۃ سواءً حضرت علیؓ نے پھر الاشتر کا نام پیش کیا اور کہا یہ تو میرا عزیز نہیں ہے لوگوں نے اس کے نام پر بھی اعتراض کیا کہ ساری آگ تو اسی کی بھڑکائی ہوئی ہے۔ مودودی صاحب اس کو پی گئے شاید اس وجہ سے کہ حضرت علیؓ کا اپنے خاص آدمیوں سے کسی کو اپنی جانب سے ثالث مقرر کرنا تو اسی سبب سے تھا کہ قصاص خون عثمانؓ نہ لے سکنے میں وہ اپنا پہلو خود ہی کمزور سمجھ رہے تھے۔ لوگوں نے

یہ کہکر کہ الاشتر تو صحابی بھی نہیں حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ کا اسم گرامی پیش کیا بالآخر حضرت علیؓ نے بھی مان لیا اور بقول شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حضرت ابو موسیٰ کا نام لیکر یہاں تک کہہ دیا تھا کہ وہ فیصلہ صادر کردیں خواہ میری گردن کاٹ دئے جانے کے بارے میں کیوں نہ ہو۔ یہ قول ان کا مشہور کوفی راوی ابو محمد سلیمان بن مہران الکاھلی الکوفی کی سند سے نقل ہوا ہے جو مودودی صاحب کے یہاں خاصا مقبول ہے۔ پوری عبارت یہ ہے:-

قال حدثنی من سمع علیا یوم صفین وھو عاض علی شفته لو علمت ان الامر یکون ھکذا ما خرجت اذھب یا موسیٰ فاحکم ولو بحز عنقی۔ (ازالۃ الخفا۔ ج ۲ ص ۲۸۰ طبع اوّل)	سلیمان بن مہران نے کہا کہ مجھ سے اس شخص نے بیان کیا جس نے صفین کے دن (حضرت) علیؓ کے منہ سے سنا تھا وہ اپنا ہونٹ چباتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ اگر میں یہ جانتا کہ معاملہ کی یہ صورت ہو جائیگی تو خروج ہی نہ کرتا چلو ابو موسیٰ فیصلہ صادر کردو خواہ میری گردن ہی کاٹنے کے بارے میں ہو۔

ثالثی نامہ ثالثی نامے کے دو پرت لکھے گئے جس پر فریقین کے علاوہ ان کے معتمد علیہ اشخاص میں سے تیس تیس افراد کے دستخط بطور گواہ و شاہد ثبت ہوئے۔ اکثر مورخین نے ثالثی نامے کے مضمون کو پورا نقل نہیں کیا صرف ابتدائی چند فقرے درج کردئے ہیں اخبار الطوال کے مولف ابو حنیفہ احمد بن داؤد الدینوری نے جو اپنے مشہور ہم وطن مورخ ابن قتیبہ کے ہمعصر تھے ثالثی کی اس اہم دستاویز کو بتمام وکمال درج کیا ہے ابن جریر طبری نے ابو مخنف کی سند سے ثالثی نامہ کا جو مضمون نقل کیا ہے اس میں سے یہ اہم فقرہ جس سے ثالثوں نے فریقین سے اللہ کے نام پر فیصلے کی پابندی واتباع کا موثق عہد لیا تھا حذف کر دیا گیا ہے وہ مضمون یہ تھا:-

واخذ عبد اللہ بن قیس وعمرو بن العاص علی علی ومعاویۃ عھد اللہ ومیثاقہ بالرضا بما حکما بہ	عبد اللہ بن قیس (ابو موسیٰ الاشعری) اور عمرو بن العاص نے علیؓ و معاویہؓ سے اللہ کے نام پر موثق عہد و اقرار لیا ہے کہ یہ دونوں ثالثوں کے فیصلے پر راضی ہوں گے

فی کتاب اللہ وسنته نبیه ولیس لھما ان ینقضا ذلك ولا یخالفاہ الیٰ غیرہ۔

(اخبار الطوال دینوری)

جو کتاب اللہ اور اس کے نبی کی سنت کی بنیاد پر کیا جائے، علیؓ و معاویہؓ کو اس کی اجازت نہ ہوگی کہ وہ ثالثوں کے فیصلے کو توڑ دیں اور اس کے برخلاف کسی اور طرف مائل ہوں۔

ابو مخنف کا ثالثی نامے کے اس اہم فقرے کو ترک و حذف کر دینا صاف ظاہر ہے اسی کذب بیانی کی غرض سے تھا کہ حضرت علیؓ نے ثالثوں کا فیصلہ ٹھکرا دیا تھا اس بارے میں گفتگو آگے آرہی ہے۔

ثالثی نامے کی عبارت یوں شروع ہوتی ہے :-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ھذا ما تقاضی علیه علی بن ابی طالب ومعاویة بن ابی سفیان۔ قاضی علیؓ علی اھل الکوفة ومن معھم من شیعتھم من المومنین والمسلمین وقاضی معاویة علی اھل الشام ومن کان معھم من المومنین والمسلمین (الی آخرہ)

(طبری ج ۶ ص ۲۹)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ وہ عہد نامہ ہے جس پر علیؓ و معاویہؓ نے عہد کیا ہے، علیؓ نے اہل کوفہ اور ان لوگوں کی جانب جو مومنین و مسلمین میں سے ان کے ساتھ اور ان کے طرفدار ہیں اور معاویہؓ نے اہل شام اور ان لوگوں کی طرف سے جو مومنین اور مسلمین میں سے ان کے ساتھ ہیں۔

مندرجہ بالا عبارت کے الفاظ سے یہ حقیقت نکھر کے سامنے آجاتی ہے کہ ثالثی کی تجویز نے حضرت علیؓ کی وہ حیثیت ختم کر دی جو بیعت خلافت سے انھیں حاصل ہوگئی تھی۔ ثالثی نامے کی رو سے حضرت علیؓ اہل عراق کے امیر رہے اور حضرت معاویہؓ اہل شام کے امیر تسلیم کر لئے گئے اور یوں دونوں ایک سطح پر آگئے۔

ثالثی نامے میں ثالثوں کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ امر متنازعہ کے بارے میں لوگوں کی شہادت لیں اور بیانات شہادت کو قلمبند کرتے جائیں ثم یکتبان شھادتھما (طبری ج ۶ ص ۳۰)

اجتماع حکمین اور فیصلہ

ثالثوں کو تحقیقات کرنے کے لئے چار ماہ کی مہلت دی گئی تھی ساتھ یہ ہدایت بھی تھی کہ بضرورت اس مدت میں اور

اضافہ کیا جا سکتا ہے ثالثی نامہ ۱۳ ماہ صفر ۳۷ھ کو لکھا گیا تھا اور شعبان سنہ مذکور میں یعنی چھ ماہ بعد ثالثوں کا اجتماع ہوا۔ گویا تقریباً چھ مہینے تحقیقات میں صرف ہوئے جب قرار داد فریقین کو ثالثوں کا فیصلہ سننے کے لئے اپنے ساتھ چار چار سو اشخاص کے اس اجتماع میں لے آنے کی اجازت تھی اور خود ثالثوں نے بھی اپنی جانب سے عظمائے امت کو مدعو کیا تھا۔ حضرت معاویہؓ مع اپنے چار سو ساتھیوں کے موقع پر موجود تھے حضرت علیؓ نے بذات خود حاضری سے گریز کیا شاید اس لئے کہ فیصلے کے اپنی موافقت میں ہونے کا انھیں یقین نہ تھا اس لئے اپنی جانب سے اپنے چچیرے بھائی حضرت عبداللہ بن عباس کو بھیج دیا تھا۔

جیسا ہم بتا چکے ہیں مورخین نے ثالثی نامے کا مضمون تو نقل کیا ہے اکثر نے خلاصہ اور ایک نے پورا مضمون درج کیا ہے لیکن تقریباً چھ ماہ تک تحقیقات کرنے اور گواہوں کے بیانات قلمبند کرنے کے بعد جو عدالتی تجویز ثالثوں نے تحریر کی تھی وہ روایات کے انبار میں گم ہے۔ اس کا متن کہیں نہیں ملتا۔ مسعودی جیسے شیعہ مورخ کا بھی یہ بیان ہے کہ ثالثوں میں سے کسی نے زبانی تقریر نہیں کی (مروج الذھب ج ۲ ص ۴۱۱) چونکہ ثالثوں کا فیصلہ حضرت علیؓ کے خلاف تھا ابو مخنف نے اس کے متن کا اخفا کر کے روائتیں وضع کر ڈالیں اور یہ ظاہر ہے کہ واقعہ صفین اور تحکیم (ثالثی) کی روائتیں ابن جریر طبری نے ابو مخنف ہی سے لی ہیں اور قال ابی مخنف کی تکرار سے درج کر ڈالی ہیں۔ بعد کے مورخین نے طبری سے نقل کیا ہے مودودی صاحب نے ابن اثیر و البدایہ والنہایہ وغیرہ کے حوالے تو دیئے ہیں مگر یہ نہ سوچا کہ ان سب نے ایک دوسرے سے ہی نقل کیا ہے لہذا بعد کے لوگوں کے بہت سے نام دینے سے بات معتبر نہیں بن جاتی مودودی صاحب نے ابو مخنف کی وضعی روایت کے حوالے سے فرمادیا کہ حضرت علیؓ کے ثالث حضرت ابو موسیٰؓ نے کھڑے ہو کر کہہ دیا کہ میں اور میرے دوست عمرو بن العاصؓ اس بات پر متفق ہو گئے ہیں ہم علیؓ اور معاویہؓ کو الگ کر دیں لہذا میں علیؓ اور معاویہؓ کو معزول کرتا ہوں آپ لوگ جسے اہل سمجھیں اپنا امیر بنا لیں اس کے بعد عمرو بن العاصؓ نے اٹھ کر کہا ان صاحب نے اپنے آدمی (حضرت علیؓ) کو معزول کر دیا ہے میں بھی انھیں معزول کرتا ہوں اور اپنے آدمی (حضرت معاویہؓ) کو

قایم کرتا ہوں کیونکہ وہ عثمانؓ کے ولی اور ان کے خون کے دعوے دار اور ان کی جانشینی کے سب سے زیادہ مستحق ہیں"

یہ روایت خالص سبائی ٹکسال کی ہے۔ مودودی صاحب اسے مستند سمجھنے سے پہلے چند باتوں پر غور کر لیتے تو نہ خود گم راہ ہوتے اور نہ دوسروں کی گمراہی کا ذریعہ بنتے۔ انھیں اعتراف ہے اور سب کے نزدیک مسلم کو اس اجتماع میں فریقین کے چار چار سو نمایندے شریک تھے اور غیر جانب دار حضرات کی بھی ایک جمعیت موجود تھی جن میں اس عہد کی اعلیٰ منزلت ہستیاں شامل تھیں گویا کم بیش ایک ہزار چیدہ مسلمانوں کا اجتماع تھا۔ اس وقت کے بہت سے صحابہ و تابعین شریک تھے جو دور دراز مقامات یمن و حجاز و مصر و شام و عراق سے طویل مسافتیں طے کر کے آئے تھے اور ثالثوں کی شش ماہہ تحقیقات کے نتائج کی روشنی میں ان کی عدالتی تجویز سننے کے جو کتاب اللہ اور سنت عادلہ جامعہ غیر مختلف فیہا کی رو سے بدلائل و براہین قلمبند کی گئی تھی مشتاق تھے اگر واقعہ اسی طرح کا ہوتا جس کا نقشہ کذاب راوی نے ڈراما کی انداز کا کھینچا ہے تو وہیں جنگ چھڑ جاتی اور نہ چھڑتی تو غیر جانب دار حضرات کھڑے ہو جاتے اور کہتے کہ کیسی بد دیانتی کا مظاہرہ کیا گیا ہے نزاعی معاملہ قصاص خون عثمانؓ کا تھا شش ماہہ تحقیقات سے ثالثوں نے کیا نتائج اخذ کیے ہیں ان کی بنا پر کون فریق قصور وار ہے تجویز پڑھ کر کیوں نہیں سنائی جاتی۔ خلیفہ منتخب کرنے نہ کرنے کا ثالثوں کو کیا اختیار ہے لیکن تاریخ میں کسی جگہ کسی واہی روایت میں اس کا اشارہ نہیں ملتا کہ اس اجتماع میں امن شکنی کی کوئی واردات ہوئی ہو یہ قطعی اور حتمی ثبوت ہے کہ ثالثوں نے کوئی غلط اور فتنہ انگیز بات نہیں کہی اور اجلاس پُر امن طریقے سے برخاست ہو گیا۔

ترک عبارت بہ مصلحت

مودودی صاحب نے ابومخنف کی من گھڑت روایت سے پہلے تو یہ لکھ دیا ہے کہ حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے یہ اعلان کر دینے کے بعد کہ میں علیؓ و معاویہؓ دونوں کو معزول کرتا ہوں کہا تھا کہ میں بھی ان کے آدمی (علیؓ) کو تو معزول کرتا ہوں اور " اپنے آدمی (معاویہؓ) کو قائم کرتا ہوں کیونکہ

وہ عثمانؓ بن عفان کے ولی اور ان کے خون کے دعویدار اور ان کی جانشینی کے سب سے زیادہ مستحق ہیں" (شمارہ جولائی) پھر یہ فقرہ نقل کیا ہے۔

"حضرت ابو موسیٰ نے یہ بات سنتے ہی کہا۔ ما لك لا وفقك الله غدرت وفجرت (یہ تم نے کیا کیا۔ خدا تمہیں توفیق نہ دے تم نے دھوکا دیا اور عہد کے خلاف ورزی کی"

مندرجہ بالا عبارت سے پیوستہ ہی جو چند اور جملے سبائی ٹکسال کی گھڑی ہوئی اس روایت کے ہیں وہ مودودی صاحب نے بہ مصلحت ترک وحذف کر دئے یعنی عربی کے یہ لفظ "ما لك لا وفقك الله غدرتَ وفجرتَ تو نقل کر دئے مگر اسی جملے سے پیوستہ لفظ اَنّما کے ساتھ جو چند جملے اس کذّاب راوی نے ان دونوں بلند پایہ صحابہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم سے منسوب کئے ہیں جنھوں نے اپنی تحقیقات کے نتیجے میں حضرت علیؓ کے خلاف فیصلہ صادر کیا تھا مودودی صاحب نے ترک وحذف کر دئے۔ روایت میں یہ پوری عبارت جس کے خط کشیدہ جملے مودودی صاحب نے بہ مصلحت حذف کر دئے یوں ہے :-

فقال ابو موسیٰ ما لك لا وفقك الله غدرتَ وفجرتَ أنما مثلك كمثل الكلب ان تحمل عليه يلهث او تتركه يلهث قال عمرو أنما مثلك كمثل الحمار يحمل اسفاراً

(طبری ج ۶ ص ۴۱)

(حضرت) ابو موسیٰ نے کہا یہ تو نے کیا کیا۔ اللہ تجھے ہدایت نہ دے تو نے بدعہدی کی اور جھوٹ بکا تیری مثال یقیناً اس کتّے کی ہے جو ایک بار کسی چیز کو پکڑ لیتا ہے پھر دوبارہ اس کو چھوڑ دیتا ہے (حضرت) عمرو نے کہا تیری مثال اس گدھے کی ہے جو بوجھ اٹھاتا پھرتا ہے۔

حوالہ دینے کے بعد بھی مندرجہ بالا عبارت کے ان جملوں کو مودودی صاحب کا ترک وحذف کر دینا ظاہر ہے اسی خوف سے ہو سکتا ہے کہ صحیح العقیدہ مسلمان اس روایت کو جس میں اکابر صحابہ کی تحقیر وتنقیص کی غرض سے گالم گلوچ کے بیہودہ کلمات ان سے منسوب کئے گئے ہوں قبول وتسلیم نہ کر سکیں گے اور اس طرح مودودی صاحب کی یہ کوشش کامیاب نہ ہو سکے گی۔ کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو وہ سادہ لوح وبیوقوف اور حضرت عمرو بن العاصؓ کو منافق

وچالہٰذا ثابت کرے ثالثی (تحکیم) کی ساری کارروائی ہی کو ایک گورکھ دھندہ ظاہر کریں۔ اگر گالم گلوچ کے ان واہی کلمات کو وہ اکابر صحابہ کی زبان سے ادا ہونا غلط جانتے تو اس سبائی روایت ہی کو باطل قرار دے دیتے مگر ان کو تو اپنے مقصد کے پیش نظر ان اصحاب کو صدق و دیانت تہذیب و اخلاق متانت و سنجیدگی کے اعتبار سے بازاری آدمیوں سے بھی گرا ہوا محض اس وجہ سے ثابت کرتا تھا کہ انھوں نے کافی عرصہ تک تحقیقات کرنے کے بعد حضرت علیؓ کے خلاف فیصلہ صادر کر دیا تھا۔

شاید اسی خوف سے کہ لوگ یقین نہ کریں گے مودودی صاحب نے وہ سین بھی اپنے الفاظ میں کھینچنا مناسب نہ جانا جو ان کے مقبول سبائی راوی نے یہ کہکر کھینچ دیا ہے کہ ابوموسیٰؓ اور عمرو بن العاصؓ کی گالم گلوچ کے ساتھ ہی حضرت علیؓ کے نمایندے شریح بن ہانی نے حضرت معاویہؓ کے عالی منزلت ثالث حضرت عمرو بن العاصؓ فاتح مصر پر صحابہ و تابعین کے اس مجمع عام میں کوڑے برسانے شروع کر دئے جس کے جواب میں حضرت عمرو کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ نے جو خود بھی بڑے پایہ کے عالم و فاضل صحابی تھے شریح کو مارنا پیٹنا شروع کر دیا کہ اتنے میں لوگ بیچ بچاؤ کو دوڑ پڑے مگر بقول اس کذاب راوی کے شریح بن ہانی کو افسوس رہا کہ کوڑے مارنے پر کیوں اکتفا کیا حضرت عمروؓ کو تہہ تیغ کیوں نہ کر دیا۔ اس من گھڑت روایت کا ٹیپ کا بند بھی سن لیجئے جس کا اخفا کر دینا بھی مودودی صاحب نے مناسب جانا۔ ابومخنف کہتا ہے کہ ثالث صاحبان کے اس فیصلے کی روئداد جب حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور شریح بن ہانی نے کوفے پہنچکر حضرت علیؓ کے گوش گذار کی تو انھیں یہ سنکر اس درجہ قلق ہوا کہ ہر نماز فجر میں وہ ان اکابر و سادات اہل شام یعنی حضرت معاویہؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ و حضرت ابوالاعور السلمیؓ حضرت حبیب بن مسلمہؓ حضرت عبدالرحمٰن بن حضرت خالد سیف اللہؓ حضرت ضحاک بن قیسؓ اور حضرت ولیدؓ بن عقبہ پر جو سب کے سب صحابی غازی و مجاہد نامور فاتح اور منتظم تھے لعنت بھیجا کرتے تھے۔ ابومخنف نے مزید لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ کو جب اس کی خبر ہوئی تو

انھوں نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا حضرت علیؓ، حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ مالک بن الاشتر اور حضرت حسنؓ و حضرت حسینؓ پر لعنت بھیجنی شروع کر دی۔

سُنی مورخ ابن کثیر نے اگرچہ روایت پرستی کی بنا پر ابو مخنف کی یہ من گھڑت روائتیں طبری سے نقل تو کر دی ہیں لیکن اکابر صحابہ سے بد کلامی کے وہ الفاظ بھی جو مودودی صاحب نے لکھدئے ہیں منسوب کرنا پسند نہیں کئے صرف اتنا کہدیا ہے کہ ابو موسیٰ کے کلام میں "غلظت" تھی تو عمرو بن العاصؓ نے الٹ کے ویسا ہی جواب دیا البتہ ہا تھا پائی اور مار کٹائی کا تذکرہ "وذکر ابن جریر" کہہ کر کر دیا اور حضرت علیؓ نماز فجر میں قنوت پڑھتے ہوئے سادات اہل شام پر لعنت کے ڈونگرے برسانے اور حضرت معاویہؓ کی جانب سے ویسا ہی جواب دے جانے کو غلط جان کر لکھدیا "ان ھذا لم یصح واللہ اعلم"

الغرض یہ ہے کوفے کی ٹکسال کا ترتیب دادہ وہ تاریخی مواد جس کا سہارا لیکر مودودی صاحب نے اکابر صحابہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر طنز و تشنیع کے تیر و نشتر اپنے ان مضامین میں چلانے مناسب سمجھے ہیں۔

اکابر صحابہ پر اتہام یہ بھی دیکھئے کہ جس مصنوعی "واقعے" کا اوپر ذکر ہوا اس کے بارے میں مودودی صاحب نے اسی ابو مخنف کی روایت سے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے منسوب کئے ہوئے بعض کلمات جو ثالثوں پر طعن و تشنیع کے ہیں نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:-

"درحقیقت کسی شخص کو بھی وہاں اس امر میں شک نہ تھا کہ دونوں کے درمیان اسی بات پر اتفاق ہوا تھا جو حضرت ابو موسیٰ نے اپنی تقریر میں کہی تھی اور حضرت عمرو بن العاصؓ نے جو کچھ کیا وہ طے شدہ بات کے بالکل خلاف تھا۔

(شمارہ جولائی ۱۹۶۵ء)

حضرت ابو موسیٰؓ سے توراوی نے یہ تقریر منسوب کی ہے کہ "میں علیؓ و معاویہؓ کو معزول کرتا ہوں" تو سوال یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ کو انھوں نے کس چیز سے معزول کیا تھا؟ کیا خلافت سے؟ تو کیا کسی طرح ثابت کیا جا سکتا ہے کہ وہ خلافت کے مدعی تھے مودودی

صاحب نے خود ہی لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ خلافت کے مدعی نہ تھے (شمارہ جولائی ص ۳۳)
جب وہ خلافت کے مدعی ہی نہیں تھے تو انھیں امارت شام ہی سے معزول کیا جا سکتا تھا
لیکن اس کا مآل کار کیا ہوتا۔ زیر تصفیہ مسئلہ صرف یہ تھا کہ سبائی باغیوں نے امّت
کے متفق علیہ امام کو ظلماً شہید کیا اور وہ حضرت علیؓ کے لشکر میں شامل ہیں ان سے قصاص
کس طرح لیا جائے اسی ذیل میں یہ مسئلہ بھی تھا کہ نئی خلافت انہی باغیوں نے اپنے اثرات
سے قایم کی ہے جس کے سبب امّت میں ایسا تفرقہ پڑ گیا کہ شمشیر کشی تک نوبت پہنچ گئی ہے
ثالثوں نے تمام داقعات کی مکمّل تحقیقات سے یہ فیصلہ کیا کہ باغیوں اور قاتلوں کے شمول
او رایژات سے حضرت علیؓ کا انتخاب غیر آئینی ہے وہ منسوخ ہو کر کل امّت کے نمایندہ
صحابہ کے مشورے سے از سر نو انتخاب ہو اور جب تک ایسا نہ ہو فریقین اپنے اپنے زیر اقتدار
علاقوں کا نظم و نسق چلاتے رہیں اور باہم امن رکھیں۔ اس عادلانہ و مدبّرانہ اعلان کا یہ نتیجہ
تھا کہ اجلاس پُر امن طریقے پر برخاست ہو گیا اور حضرت علیؓ و حضرت معاویہؓ کے درمیان پھر
جنگ نہیں ہوئی اب یہ الگ بات ہے کہ ایسا اجلاس طلب نہ کیا جا سکا اور اس سے
پہلے ہی حضرت علیؓ اپنی ہی پارٹی کے ایک خارجی کے ہاتھ سے مقتول ہو گئے اس میں ثالثوں
کا کیا قصور!

رہے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور دیگر صحابہ کے فقرات جو مودودی صاحب نے
ابومخنف کے من گھڑت نقل کئے ہیں تو کیا وہ بتا سکتے ہیں کہ ان اکابر صحابہ حضرت سعدؓ حضرت
عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہم نے حضرت عمرو بن العاصؓ کی "اس چالبازی"
کو آئینی حیثیت دے کر کیا حضرت معاویہؓ سے بیعت خلافت کر لی تھی؟ اگر نہیں کی تو ظاہر ہے
کہ راوی کی یہ ساری کذب بیانی عیاں ہو کر ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت عمرو بن العاصؓ نے
نہ حضرت معاویہؓ کو خلافت پر قایم کیا، نہ ان کو خلافت کی بشارت دی بلکہ اطلاع دی کہ
ثالثوں نے متفقہ فیصلے سے حضرت علیؓ کے انتخاب کو منسوخ کر کے قرار دیا کہ امّت کے
نمایندہ اجلاس میں از سر نو انتخاب ہو۔

مودودی صاحب نے جو صورت حال سبائی راوی کے سہارے سے بیان کی

ہے وہ اگر ادنیٰ ترین درجے میں بھی صحیح مان لی جائے تو اس کا مطلب صرف ایک ہے کہ یہ سب اکابر صحابہ جلیل القدر فاتح و مجاہد و مدبر جن میں سے بعض کو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ذمہ دار مناصب پر فائز کیا تھا محض حقیر و بے حیثیت تھے جن پر تعلیمات نبویہ کا کچھ بھی اثر نہ تھا نہ انھیں نصوص صریحہ کی پروا تھی نہ حق و باطل کی تمیز اور نہ یہ سمجھنے کا سلیقہ تھا کہ اگر ناانصافی اور ظلم ہو تو اس کا مداوی کیا کرنا چاہیئے جن بزرگواروں کی تمام زندگیاں حق کی علم برداری اور باطل کی سرکوبی میں صرف ہوئیں ان کے متعلق ہم اس قسم کی خرافات کو کیسے باور کر سکتے ہیں جو مودودی صاحب بنی امیہ دشمنی میں باور کرانا چاہتے ہیں۔

سبائی مفروضہ مودودی صاحب فرماتے ہیں (جولائی ص ۳۳۰)

"اس بحث سے قطع نظر کہ دونوں حکموں میں سے ایک نے کیا گیا اور دوسرے نے کیا، بجائے خود یہ پوری کارروائی جو دومۃ الجندل میں ہوئی معاہدہ تحکیم کے بالکل خلاف اور اس کے حدود سے قطعی متجاوز تھی۔ ان حضرات نے غلط طور پر یہ فرض کر لیا کہ وہ حضرت علی کو معزول کرنے کے مجاز ہیں حالانکہ وہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد باقاعدہ آئینی طریقے پر خلیفہ منتخب ہوئے تھے اور معاہدہ تحکیم کے کسی لفظ سے یہ اختیار ان دونوں حضرات کو نہیں سونپا گیا تھا کہ وہ انھیں معزول کر دیں۔ پھر انھوں نے یہ بھی غلط فرض کر لیا کہ حضرت معاویہ ان کے مقابلے میں خلافت کا دعویٰ لے کر اٹھے ہیں حالانکہ اس وقت تک وہ صرف خون عثمانؓ کے مدعی تھے نہ کہ منصب خلافت کے۔ مزید برآں ان کا یہ مفروضہ بھی غلط تھا کہ وہ خلافت کے مسئلے کا فیصلہ کرنے کے لئے حکم بنائے گئے ہیں۔ معاہدۂ تحکیم میں اس مفروضے کی بنیاد موجود نہ تھی۔"

مودودی صاحب کی مندرجہ بالا تحریر ابومخنف کی وضعی روایت کے اسی مفروضہ پر مبنی ہے کہ صحابہ و تابعین کے اس عظیم الشان اجتماع میں فیصلہ ثالثی سناتے وقت حضرت ابوموسیٰؓ نے یہ فرمایا اور حضرت عمروؓ نے یہ کہا۔ یہ عقلمندی مودودی صاحب کی ہے کہ انھوں نے سبائی مفروضہ پر تکیہ کر کے ان دونوں جلیل القدر صحابیوں کو جو دنیا کے

عظیم مدبروں میں سے تھے اتنا نا سمجھ باور کرلیا کہ وہ معاہدہ تحکیم کی حدود سے نکل کر قصاص خون عثمانؓ کے نزاعی مسئلے کے سلسلے میں اپنی تحقیقات سے یہ طے کرنے کے بجائے کہ علیؓ ومعاویہؓ ان دو فریقوں میں کون خطا وار ہے جس سے امت خونریز جنگوں میں مبتلا ہے اس مسئلہ کو انتخاب خلافت کا معاملہ بنا کر امت کو نئے فتنے میں مبتلا کردیں گے۔

ہماری گذشتہ تحریر سے قارئین نے معلوم کرلیا ہوگا کہ ثالثوں نے اس قسم کی کوئی بات نہیں کہی جو مودودی صاحب نے ان سے منسوب کی ہے۔ ثالثوں کے سامنے گواہ شاہدوں کے بیانات سے جو انھوں نے ثالثی نامے کی رو سے قلمبند کئے تھے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آچکی تھی کہ جن سبائی لیڈروں نے خلیفہ شہید مظلوم کے قتل کا ارتکاب کیا تھا وہ اور ان کے دوسرے ساتھی حضرت علیؓ کے نہ صرف مشیر و معتمد علیہ بنے ہوئے ہیں بلکہ انعقاد خلافت اور سیاست وقتی میں بھی اثر انداز رہے ہیں لہٰذا اس خلافت کو آئینی حیثیت حاصل نہیں ہے امت کو خانہ جنگی سے نکالنے کے لئے انتخاب کا مسئلہ از سر نو امت کی نمائندہ مجلس شوریٰ کے سپرد کیا جائے۔ ایک محقق مستشرق نے مقالہ بعنوان "خلافت" میں اسی حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :-

"ثالثوں نے ۳۷ھ میں اپنا اجلاس اذرح مقام پر منعقد کیا تھا جو ملک شام کے جنوب مشرق میں اس جگہ واقع ہے جہاں رومی کاسٹرا کے آثار قدیمہ پائے جاتے ہیں جیسا کہ برناؤ اور دومیزوسکی نے اپنی کتاب "صوبہ عرب" میں بتایا ہے۔ مورخین نے اس مقام کے بجائے بالعموم دومۃ الجندل بتایا ہے یعنی عہد عتیق کا دومہ جو اب جوف کہلاتا ہے۔

ثالثوں کے اس اجلاس میں کیا واقعات اور حالات پیش آئے اس بارے میں مختلف روایتیں بیان کی گئی ہیں جو قطعاً غیر معتبر ہیں۔ ویلہاؤزن نے اپنی عمدہ تالیف "عرب اسٹیٹ" میں اس بات کو بہت زیادہ قرین صحت بتایا ہے کہ فیصلہ ثالثوں نے یہ صادر کیا تھا کہ علی کا خلیفہ منتخب کیا جانا منسوخ ہوا اور عثمان کے جانشین کی نامزدگی اس مجلس شوریٰ کے سپرد ہو جو

کل امت کی نمایندگی کرتی ہو" (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا۔ گیارھواں ایڈیشن)

معاہدہ تحکیم میں دونوں ثالثوں کو اس کی اجازت تھی کہ صحیح فیصلے تک پہنچنے میں جسے چاہیں مشورے میں شریک کریں چنانچہ انھوں نے یہی کیا کہ جمہور صحابہ وتابعین کو دعوت دی کہ باہم مشورے سے جو مناسب سمجھیں از سرنو انتخاب کا فیصلہ کریں۔ اس سے ان دونوں بزرگواروں کی للہیت خلوص اور انتہائی تدبر کا ثبوت ملتا ہے نہ کہ ایک کی چالبازی اور دوسرے کی بے عقلی کا۔ صحابہ کرام میں یہ دونوں وہ بزرگ تھے جنھیں خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انتظامی معاملات سپرد کئے تھے ذمہ دار عہدوں پر ان کا تقرر کیا تھا فتوحات اور اشاعت اسلام میں ان کی نمایاں خدمات ہیں۔ ہم عصر امت نے بھی ان دونوں بزرگوں کو امت کے اختلال اور فتنہ وفساد کا نجات دہندہ سمجھا تھا چنانچہ شاعر ذوالرمہ نے حضرت ابوموسیٰؓ کے پوتے بلال بن ابی بردہؒ کی شان میں جو قصیدہ کہا ہے اس کے یہ شعر بھی ہیں:۔

ابوک تلافی الدین والناس بعد ما ۔ تشاء وا وبیت الدین منقطع الکسر

وہ آپ ہی کے باپ تھے جنھوں نے دین کی اس وقت شیرازہ بندی کی جب لوگوں میں پراگندگی تھی اور قصر دین منہدم ہو چکا تھا۔

فشد اصار الدین ایام اذرح ۔ وردّ حروبا قد لقحن الی عقر

انھوں نے اذرح کے دنوں میں خیمۂ دین کی طنابیں کس دیں اور ان جنگوں کو روک دیا جو اسلام کی نسل منقطع کرنے کا سبب بن رہی تھیں۔

مودودی صاحب اور ان کے ہم خیال لوگ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ جیسے جلیل القدر صحابی اور مدبر کو کم زور اور سادہ لوح کہتے رہیں لیکن ہم عصر امت نے ان کی سیاست وتدبر کا لوہا مانا اور انھیں ملت اسلامیہ کے عظیم ترین محسنوں میں شمار کیا۔ رضوان اللہ علیہ وجزاہ عن الاسلام والمسلمین خیرالجزاء۔

اب اگر صحابۂ کرام کا یہ اجلاس منعقد ہونے سے پہلے ہی سبائیوں نے اور ایرانیوں نے حضرت علیؓ کے زیر تصرف علاقوں میں فساد بپا کئے اور اس صورت حال سے بددل ہو کر

مصریوں نے یمنیوں اور حجازیوں نے عافیت اسی میں دیکھی کہ حضرت معاویہؓ کے ساتھ ہو جائیں اور یوں رفتہ رفتہ علاقے کے علاقے بغیر کسی جنگ اور خون خرابے کے حضرت علیؓ کے تسلط سے نکلتے چلے گئے تو اس کی ذمہ داری نہ ثالثوں پر ہے اور نہ حضرت معاویہؓ پر رضی اللہ عنہم اس کی ذمہ داری بلوائی ٹولی پر ہے جس نے حضرت علیؓ کو خلیفہ تو بنا دیا لیکن پھر ان کی خلافت کو نا مقبول بنانے کی کسی صورت سے دریغ نہ کیا اور قدم قدم پر فساد انگیزیاں کیں تا آنکہ ایک بدبخت خارجی کے ہاتھ سے حضرت علی مقتول ہو گئے۔

اسی صورت حال کا نتیجہ تھا کہ حضرت حسنؓ نے حضرت معاویہؓ سے بیعت کر لی اور یوں تمام امت پھر ایک جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئی اور امت نے اس خوشی میں اس کا نام عام الجماعۃ رکھا۔ یوں دنیا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی مقبولیت عملاً دیکھ لی کہ اہل ایمان کو حضرت معاویہؓ کی امامت میں وہ ہدایت ملی جس سے پانچ برس کا اختلال رفع ہوا اور کاروان ملت پھر شاہراہ ارتقاء پر رواں دواں ہو گیا۔

حضرت علیؓ کی سیاسی ناکامی کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ سبائی مفسدوں اور کیادوں کے سوائے انہیں بہترین کارکن نہ مل سکے تھے مودودی صاحب اس کے معترف ہیں۔

حضرت قیس بن سعدؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت زیاد بن ابی سفیانؓ کے علاوہ اور سب کارکن ناتجربہ کار تھے اور خود حضرت علیؓ کی ذات میں تقویٰ و طہارت کے عمدہ صفات ہونے کے باوجود سیاسی امور میں تدبر و آمرانہ قوت کا فقدان نہیں تو نمایاں نقصان ضرور تھا ایک آزاد و بے لاگ محقق دے خوئے کے الفاظ ہیں "علی بہادر شخص تو ضرور تھے مگر حکمران ہونے کی ان میں صلاحیتیں نہ تھیں (ص۹۰ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا گیارہواں ایڈیشن)

ALI WAS A VALIANT PERSON, BUT HAD NO GREAT TALENT AS A RULER

برخلاف اس کے حضرت معاویہؓ کے پاس اس وقت کے بہترین مدبر و منتظم جمع تھے۔ ان کے زیر نگیں علاقے میں کسی قسم کی شورش کبھی بپا نہیں ہوئی۔ یہ وجہ تھی کہ رائے عامہ ان کی طرف ڈھلتی چلی گئی۔

مودودی صاحب کو شکوہ ہے کہ حضرت معاویہؓ عرصہ دراز تک شام کے اہم علاقے پر حکمران رہے اور یہ حیثیت بنالی کہ مرکز کا تابع رہنے کے بجائے مرکز کو تابع بنالیں تو یہ ناراضگی مودودی صاحب یا ان کے ہمخیال سبائیوں کو ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سے خوش تھے آپ کو دکھا دیا گیا تھا کہ جس بزرگ امتی کی قیادت میں پہلا بحری جہاد ہوگا اور عیسویت کے مرکز قسطنطنیہ پر پہلا حملہ ہوگا وہ حضرت معاویہ رضی ہیں اللہ اور اس کے رسول اور اہل ایمان جس سے خوش ہوں اس سے مودودی صاحب اور ان کے سبائیت زدہ ہمخیال ناراض ہوتے رہیں اس کا اثر امّت مسلمہ کے اس مدبّر اعظم پر کیا ہوسکتا ہے۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔

موقف حضرت علی رضی اللہ عنہ

مودودی صاحب فرماتے ہیں (جولائی ص ۱۳۱)

حضرت علیؓ نے ان کے (ثالثوں کے) فیصلے کو رد کر دیا اور اپنی جماعت میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:-

"سنو، یہ دونوں صاحب جنھیں تم لوگوں نے حکم مقرر کیا تھا انھوں نے قرآن کے حکم کو پیٹھ پیچھے ڈالدیا اور خدا کی ہدایت کے بغیر ان میں سے ہر ایک نے اپنے خیالات کی پیروی کی اور ایسا فیصلہ دیا جو کسی واضح حجت اور سنت ماضیہ پر مبنی نہیں ہے اور اس فیصلے میں دونوں نے اختلاف کیا ہے اور دونوں ہی کسی صحیح فیصلہ پر نہیں پہنچے ہیں۔ (طبری)

اس بیان کا ایک حرف بھی حضرت علیؓ کے منہ سے نکلا ہوا نہیں معلوم ہوتا۔ ثالثوں نے اگر وہ کیا ہوتا جو ان کی طرف اس بیان میں منسوب کیا گیا ہے تو اس کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو نعوذباللہ من ذلک حضرت علیؓ کو غلط کو سمجھا جائے کہ فیصلہ رد کر دینے کے بعد بھی "قرآن کے حکم کو" جسے بقول ان کے دونوں ثالثوں نے "پیٹھ پیچھے ڈال دیا تھا" نافذ کرانے کے لئے کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا یا پھر جمہور صحابہ اور افراد امّت کو معاذ اللہ بزدل و باطل پرست سمجھ لیا جائے جنھوں نے دونوں ثالثوں کی یا ان میں سے ایک کی چالبازی و بد دیانتی خاموشی

سے برداشت کرلی اور اس غداری کا سر کچلنے کے لئے حضرت علیؓ کے جھنڈے کے نیچے جمع نہیں ہوئے اور ان کی بیعت تک نہ کی۔

لہذا اصریح اور صحیح بات یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے ایسی کوئی بات نہیں کہی اور نہ ثالثی نامہ میں ثالثوں کے فیصلہ کی پابندی کا موثق عہد کر لینے کے بعد ایسی کوئی بات کہہ سکتے تھے اور نہ ثالثوں نے کوئی بد دیانتی کی اور نہ شش ماہہ تحقیق و تفتیش کے دوران شہادتیں قلمبند کرنے اور مسئلہ کے تمام پہلوؤں کو جانچنے کے بعد کر سکتے تھے۔ تحکیم کے بعد حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ میں پھر نہ کوئی جنگ ہوئی اور نہ لشکر کشی جو کچھ فساد ہوا وہ صرف حضرت علیؓ کے اپنے علاقے میں ہوا۔ اگر حضرت معاویہؓ ایسے ہوتے جیسے مودودی صاحب نے انھیں بتانے کی کوشش کی ہے تو وہ دنیا پرست لوگوں کی طرح ایک ہی ہلے میں حضرت علیؓ کا علاقہ فتح کرکے ان کی حکومت کا خاتمہ کر دے سکتے تھے۔

ایک علاقہ جو شام اور مصر پہ مشتمل تھا جہاں ہر طرف امن و امان تھا تمام رعایا اپنے امیر کی مطیع تھی اور فوجی طاقت ایسی زبر دست اور قوی کہ بازنطینی سلطنت کے لشکروں کا حلیہ بگاڑ دیا کرتی تھی اسے اس حکومت کا ختم کر دینا کیا دشوار تھا جہاں آئے دن فساد ہوتے رہتے تھے اور قریہ بقریہ اختلاف تھا اور آخر میں سوائے کوفہ اور اس کے متصلہ ایرانی علاقے کے کہیں اس حکومت کا اثر و اقتدار باقی نہ رہا تھا۔ فیصلہ ثالثی میں چونکہ صریحاً قرار دے دیا گیا تھا کہ جب تک امت کی نمایندہ مجلس شوریٰ از سر نو انتخاب کی کارروائی نہ کرے دونوں فریق اپنے اپنے علاقے کا نظم و نسق چلاتے رہیں ان کی پابندی دونوں فریق کرتے رہے تھے اسی وجہ سے پھر کوئی جنگ نہیں ہوئی۔

ان دونوں ثالثوں، اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بہترین صحبت یافتہ لوگوں کی بابت جو غلط باتیں دشمنان ملت نے منسوب کی ہیں ان پر تکیہ وہی شخص کر سکتا ہے جو قصداً و عمداً رواۃ سبائیہ کا ہمنوا ہو کر اسلامی تاریخ پر خط نسخ کھینچ دینے پر تلا ہو اور اس طرح دنیا کو یہ باور کرانا چاہے گویا آنحضرت صلی اللہ وسلم اس اس دنیا سے (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) ناکام گئے اور اپنے اصحاب کی اتنی بھی تربیت

نہ کرسکے کہ شریف آدمیوں کی طرح معاملات طے کریں۔ اور عدالتی فیصلہ کی خواہ موافق ہو یا مخالف پابندی دیانت سے کرسکیں۔ سبائی راویوں کے بیانات میں بتایا گیا ہے کہ حضرت علیؓ کی حکومت کوفیوں و عراقیوں کے بل پر چل رہی تھی صفین کی عبرتناک شکست کے بعد حضرت علیؓ نے دوبارہ جنگ کرنے پر ان کو ابھارا مگر وہ چلنے پر آمادہ نہ ہوئے حیلے بہانے ہی کرتے رہے۔ مودودی صاحب کے نزدیک علوی خلافت کی بیچارگی کا یہی عالم تھا تو پھر اسے آئینی خلافت کیسے کہا جاسکتا ہے وہ اسے خلافت کہتے اور حکومت جانتے ہیں تو انھیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت علیؓ نے ثالثوں کا فیصلہ تسلیم کرلیا تھا کیونکہ حضرت معاویہؓ سے انھوں نے نہ دوبارہ جنگ کرنی چاہی اور نہ فی الواقع کوئی لڑائی صفین کے بعد اُن سے ہوئی انھوں نے اپنی ناکامی اور شکست کو ایک صادق القول مرد شجاع کی طرح تسلیم کرلیا تھا۔

ناکامی کا اعتراف

ابن کثیر نے اپنی اسی تالیف البدایہ والنہایہ میں (ج ۷، ص ۳۲۳) جو مودودی صاحب کا مآخذ بھی ہے حضرت علیؓ کی سیاسی ناکامی اور بے بسی کی حالت کا اظہار کرتے ہوئے خصوصاً فیصلہ ثالثی کے بعد سے کہا ہے کہ حضرت موصوف اگرچہ اپنے زمانے کے بہترین اشخاص میں سے بڑے عابد و زاہد شخص تھے۔ بایں ہمہ لوگ ان سے ایسے برگشتہ اور کنارہ کش ہوگئے تھے کہ آخر کار وہ بددل ہوکر اپنی زندگی سے اتنے تنگ آگئے تھے کہ موت کی تمنا کرنے لگے تھے (خذلوہ وتخلوا عنہ حتی کرہ الحیاۃ وتمنیٰ الموت) یہ افسوسناک صورتِ حال سیاسی مناقشات کے نتائج کی پیداوار تھی کیونکہ حضرت عثمانؓ کے قاتلین اور اُن کے دوسرے سبائی ساتھی حضرت علیؓ کے ساتھ ہوگئے تھے اور بقول مودودی صاحب "ان کے ہاں تقرب حاصل کرتے گئے تھے" چنانچہ فرماتے ہیں (شمارہ جولائی ص ۳۲۳)

> "بتدریج وہ لوگ ان کے ہاں تقرب حاصل کرتے گئے جو حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش برپا کرنے اور بالآخر انھیں شہید کرنے کے ذمہ دار تھے حتیٰ کہ مالک بن حارث الاشتر اور محمد بن ابی بکر کو گورنری کے عہدے تک دے دیئے درآنحالیکہ قتل عثمانؓ میں ان دونوں صاحبوں کا جو حصہ تھا وہ سب کو معلوم ہے"

مودودی صاحب ذرا اور تحقیق سے کام لیتے تو "ان دونوں صاحبوں" کے علاوہ اور "صاحبوں" مثلاً کنانہ بن بشر تجیبی مصری کے بطور مشیر گورنر مصر مقرر کئے جانے کا بھی ذکر کرتے ورآنحالیکہ یہی وہ خبیث شخص تھا جس نے خلیفہ شہید کے سر اور پہلو پر مہلک ضربیں لگا کر قتل کیا تھا۔ حضرت عثمانؓ کی زوجہ محترمہ سیدہ نائلہ کی تو اپنی آنکھوں دیکھا یہ سارا سانحہ تھا اپنے محبوب شوہر کے مرثئے کے اشعار میں ان کا یہ شعر اسی تجیبی کے بارے میں ہے۔
(الاغانی ج ۱۵ ص ۶۸)

الا ان خیر الناس بعد ثلاثۃ　　قتیل التجیبی الذی جاء من مصر

یہ اور اسی طرح کے دیگر حالات و واقعات جو سبائیوں کے سلسلے میں ثالثوں نے دوران تحقیقات معلوم کئے تھے انہی کی روشنی میں فیصلہ صادر کیا تھا لیکن صدور فیصلے سے بہت پہلے تقرر ثالثی ہی کے وقت سے حضرت علیؓ کو احساس اس امر کا ہو گیا تھا کہ خلافت پر اب ان کا قایم رہنا دشوار ہو گا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ازالۃ الخفا میں بضمن تذکرہ حضرت علیؓ (ج ۲ ص ۲۸۳) شعبی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ صفین سے لوٹتے وقت ہی انھوں نے سمجھ لیا تھا کہ اب وہ کبھی حکمرانی نہ کر سکیں گے (لما رجع علی من صفین علم انہ لایملک ابداً) راوی کا بیان ہے کہ اس وقت ایسے کلمات ان کی زبان سے ادا ہوئے جو پہلے کبھی نہیں کہے تھے اپنے لوگوں کو مخاطب کرکے فرمادیا تھا کہ:۔

ایھا الناسُ! لا تکرھوا امارۃ معاویۃ فواللہ لو فقدتموہُ لقد رایتم الرؤس تنزوعن کواھلھا کالحنظل۔	اے لوگو! معاویہ کی امارت سے (امیر المومنین ہونے سے) تم کراہت ہرگز نہ کرنا کیونکہ قسم بخدا اگر تم نے ان کو بھی گنوا دیا تو دیکھو گے کہ مونڈھوں پر سے سر کٹ کٹ کر دھڑا دھڑ اس طرح گریں گے جیسے حنظل (اندراین کے پھل) گرتے ہیں۔

مودودی صاحب ہی کی کتب مآخذ شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید والبدایۃ والنہایۃ میں صراحتاً بیان ہے کہ حضرت حسنؓ نے اپنے والد ماجد کا یہ ارشاد اپنی تقریر میں اس وقت بیان کر دیا تھا جب حضرت معاویہؓ سے بیعت کرنے سے پہلے عراقیوں کے سامنے تقریر کی تھی۔ الامامۃ والسیاسۃ کے غالی مؤلف نے بھی (ج ا ص ۱۷۲ طبع اولیٰ) حضرت حسنؓ کی تقریر

کا یہ فقرہ لکھا ہے جس میں انھوں نے فرمایا تھا کہ :-

ان ابی کان یحدثنی ان معاویۃ سیلی الامر (الی آخرہ)	میرے والد مجھ سے فرماتے تھے کہ معاویہؓ خلافت پر ضرور فائز ہو جائیں گے۔

ان واقعات سے مودودی صاحب کے اس بیان کی تکذیب ہو جاتی ہے جو انھوں نے حضرت معاویہؓ کے برسر اقتدار آنے کے بارے میں فرمایا ہے اس کے متعلق آگے بھی گفتگو آرہی ہے ایک شیعہ مجتہد و مورخ کے بیان سے بھی مودودی صاحب کا بیان باطل ٹھہرتا ہے وہ لکھتے ہیں :-

لما صالح الحسن بن علی بن ابی طالب معاویۃ بن ابی سفیان دخل علیہ الناس فلامہ بعضھم علی بیعۃ فقال ویحکم ما تدرون وما علمت واللہ للذی عملت خیر لشیعتی مما طلعت علیہ الشمس او غربت (الی ان قال) اما علمت انہ ما منا الا ویقع فی عنقہ بیعۃ لطاغیۃ زمانہ الا القائم الذی یصلی خلفہ روح اللہ عیسیٰ بن مریمؑ ۔ (احتجاج طبری)	جب حسن بن علی بن ابی طالب نے معاویہؓ بن ابی سفیان سے صلح کرلی تو لوگ ان کے پاس گئے اور بعض لوگوں نے ان کو (معاویہؓ سے) بیعت کر لینے پر ملامت کی تو انھوں نے کہا تمہاری خرابی ہو تم کیا جانو میں نے کیا کام کیا خدا کی قسم جو کام میں نے کیا ہے وہ میرے طرفداروں کے لئے تمام دنیا کی چیزوں سے بہتر ہے کیا تم نہیں جانتے کہ ہم میں سے کوئی نہیں جس کی گردن میں اپنے زمانے کے کسی گمراہ (طاغیہ) کی بیعت نہ ہو سوائے قائم (یعنی ھدی) کے جن کے پیچھے روح اللہ عیسیٰ بن مریم نماز پڑھیں گی۔

یہ تو غالی طرز کا قول ہے تاہم اس سے بھی ان حالات پر روشنی پڑتی ہے جو حضرت علیؓ کی سیاسی ناکامی کے نتیجے میں پیدا ہوئے اور حضرت معاویہؓ پر تمام امت نے اجماع کر کے اس سال کا نام عام الجماعۃ رکھا۔ تقریباً بیس برس تک امت مسلمہ کی سربراہی کے سلسلے میں جو خدمات انھوں نے انجام دیں اس کا بیان کرنا یہاں مقصود نہیں۔ حضرت علیؓ کے مختصر سے ایام میں جو حالات پیدا ہو گئے تھے اور سیاسی مناقشات سے جو اندوہناک جو ابتری پڑ گئی تھی اس کے پیش نظر آئندہ کے لئے ان کا سدباب کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ ایک جلیل القدر صحابی کی تحریک اور دیگر صحابہ و تابعین اور کل امت کے اتفاق رائے سے ولیعہدی کی بیعت عامہ کی گئی۔

امیر یزیدؒ کی ولایت عہد

مودودی صاحب نے امیر یزیدؒ کے ولی عہد بنائے جانے کے سلسلے میں سبائیوں کی وضع کردہ جتنی لغو اور لچر اور بے پایہ روایتیں بیان کی ہیں انھیں پڑھ کر کوئی شخص جسے شریعت اور سیاسیات اسلامیہ سے کچھ بھی مناسبت ہو اور صحابۂ کرام نیز حضرات امہات المومنینؓ کی کچھ بھی عظمت دل میں رکھتا ہو، وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہوگا کہ ان کے پیشِ نظر واقعات ثابتہ کا بیان کرنا نہیں ہے بلکہ چلتے ہوئے بازاری قصے بیان کرنا مقصود ہے کس قدر سطحی اور گستاخانہ ہے مودودی صاحب کا بیان (جولائی ص ۳۳۵)

"اس تجویز کی ابتدا حضرت مغیرہ بن شعبہ کی طرف سے ہوئی۔ حضرت معاویہؓ انھیں کوفے کی گورنری سے معزول کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ انھیں اس کی خبر مل گئی۔ فوراً کوفہ سے دمشق پہنچے اور یزید سے مل کر کہا کہ "صحابہ کے اکابر اور قریش کے بڑے لوگ دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ امیر المومنین تمھارے لئے بیعت لینے میں تامل کیوں کر رہے ہیں۔ یزید نے اس بات کا ذکر اپنے والد ماجد سے کیا اُنھوں نے حضرت مغیرہ کو بلا کر پوچھا کہ یہ کیا بات ہے جو تم نے یزید سے کہی۔ حضرت مغیرہ نے جواب دیا" امیر المومنین آپ دیکھ چکے ہیں کہ قتلِ عثمان کے بعد کیسے کیسے اختلافات اور خون خرابے ہوئے۔ اب بہتر یہ ہے کہ آپ یزید کو اپنی زندگی ہی میں ولی عہد مقرر کر کے بیعت لے لیں تاکہ اگر آپ کو کچھ ہو جائے تو اختلاف برپا نہ ہو" حضرت معاویہ نے پوچھا "اس کام کو پورا کرا دینے کی ذمّہ داری کون لے گا؟" انھوں نے کہا اہل کوفہ کو میں سنبھال لوں گا اور بصرہ کو زیاد۔ پھر اور کوئی مخالفت کرنے والا نہیں۔ یہ بات کر کے حضرت مغیرہ کوفہ آئے اور دس آدمیوں کو تیس ہزار درہم

دے کر اس بات پر راضی کر لیا کہ ایک وفد کی صورت میں حضرت معاویہ کے پاس جائیں اور یزید کی ولی عہدی کے لئے ان سے کہیں۔ یہ وفد حضرت مغیرہ کے بیٹے موسیٰ بن مغیرہ کی سرکردگی میں دمشق گیا اور اس نے اپنا کام پورا کر دیا۔ بعد میں حضرت معاویہ نے موسیٰ کو الگ بلا کر پوچھا "تمہارے باپ نے ان لوگوں سے کتنے میں ان کا دین خریدا ہے"
انھوں نے کہا تیس ہزار دینار میں۔ حضرت معاویہ نے کہا "تب تو ان کا دین ان کی نگاہ میں بہت ہلکا ہے"[1]

اللہ اکبر! یہ صحابۂ رسول اللہ صلعم کی باتیں ہو رہی ہیں اور ذکر اس قوم کا ہے جس کی ٹھوکروں میں اس وقت دنیا کے خزانے تھے! ان دس آدمیوں نے رشوت بھی لی تو کتنی کہ اس عہد کے معیار زندگی کے مطابق بہت معمولی سی رقم تھی۔ اس روایت کی تفصیلات اگر دسویں جماعت کا طالب علم بھی پڑھے تو سوچے گا کہ جو امت دو براعظموں میں پھیلی ہوئی تھی اور جس کا امام دنیا کا عظیم ترین حکمراں تھا۔ اس کے ولی عہد کے انتخاب کے لئے ایسے آفاقی لوگ تحریک کرنے بھیجے گئے تھے جو تین تین ہزار درہم یا دینار میں اپنی رائے فروخت کر دیتے تھے۔

پھر دیکھنا ہے کہ حضرت مغیرہؓ امیر یزیدؒ سے یہ کیسے فرما سکتے تھے کہ "صحابہ کے اکابر اور قریش کے بڑے لوگ دنیا سے رخصت ہو چکے" حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سعید بن زید (دونوں عشرہ مبشرہ میں ہیں) حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت حضرت عبداللہ بن عباس اور دوسرے سیکڑوں بڑے اور چھوٹے صحابہ اس وقت موجود تھے جن میں حضرت عبداللہ بن عامر اور سعید بن العاص بھی ہیں جو اپنی فاتحانہ اور

---

[1] مودودی صاحب نے رشوت کی رقم کی ادائیگی میں ایک جگہ تو تیس ہزار درہم دس آدمیوں کے دینے کا ذکر کیا ہے اور چند سطر بعد تیس ہزار دینار دینے کا۔ درہم تو چوبیس رتی چاندی کا سکہ تھا۔ یعنی چھ دانگ کے برابر اور دینار ڈیڑھ درہم کے مساوی گویا ہمارے زمانہ کے الکشنوں کے ووٹوں کی قیمت سے بھی بہت کم رشوت صحابہ رسول اکرم نے (معاذاللہ) لوگوں کو دلوائی تھی۔

مدبرانہ شان کا سکہ بٹھا چکے تھے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ اس امت کے عظیم ترین بزرگوں میں ہیں اپنے علاقے کے مثالی حکمران تھے۔ آپ کی محبوبیت مقبولیت اور عظمت ایسی تھی اور آپ کی اصابت رائے اور تدبر کا یہ عالم تھا کہ آپ کی رعایا آپ پر پورا اعتماد رکھتی تھی اور آپ کے مشوروں کو حق وصداقت پر مبنی سمجھتی تھی، اور وہ ان کے نزدیک نہایت محترم تھے (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۱ طبع مصر)

عن زیاد بن علاقہ قال سمعت جریر بن عبد اللہ یقول یوم مات المغیرۃ بن شعبۃ قام فحمد اللہ واثنیٰ علیہ وقال علیکم باتقاء اللہ وحدہ لاشریک لہ والوقار والسکینۃ حتیٰ یاتیکم امیر فانما یاتیکم الآن ثم قال استعفوا لامیرکم فانہ کان یحب العفو ثم قال اما بعد فانی اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم قلت ابایعک علی الاسلام فشرط علیّ والنصح لکل مسلم فبایعتہ علی ھذا ورب ھذا المسجد انی لناصح لکم ثم استغفر ونزل	حضرت زیاد بن علاقہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جریر بن عبد اللہؓ کو مغیرہ بن شعبہؓ کی وفات کے دن سنا۔ آپ کھڑے ہوئے اللہ کی حمد وثنا کی پھر فرمایا تم پر لازم ہے اللہ سے ڈرنا جو اکیلا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور وقار اور سکون سے رہنا تاآنکہ تمہارا (نیا) امیر آئے اور وہ عنقریب آنے والا ہے۔ پھر فرمایا اپنے (مرحوم) امیر کے لئے خدا تعالیٰ سے معافی مانگو کیونکہ وہ معاف کرنے کو دوست رکھتے تھے۔ پھر فرمایا اب سنو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں آپ کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کرتا ہوں تو آپ نے شرط لگائی کہ ہر مسلمان کو نصیحت کرنے پر بھی۔ چنانچہ میں نے اس پر بیعت کی۔ اور اس مسجد کے رب کی قسم میں تمہارا بھی ناصح ہوں پھر آپ نے استغفار کیا اور منبر سے اتر آئے۔

یہ ایک جلیل القدر صحابی کی حضرت مغیرہؓ کے بارے میں شہادت ہے کہ وہ لوگوں کی غلط روی پر چشم پوشی فرماتے تھے اور ان کی خطائیں بخش دیتے تھے تو پھر وہ جتنے بھی محبوب ہوں کم ہے۔ اور اسی کا نتیجہ تھا کہ نئے والی کے آنے تک پوری طرح امن رہا

اور آپ کی تجہیز و تکفین کی گئی۔ آثار و شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ مزار مبارک وہ ہے جسے آج حضرت علیؓ کا مدفن بتایا جاتا ہے۔

غرض یہ ہے کہ کوفہ جو ہمیشہ اپنے والیوں کے لئے دردسر بنا رہا اور جہاں کبھی ان والیوں کی عظمتِ شخصی اور تعمیر و ترقی کی کوششوں کو نہ سراہا گیا وہاں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی ہستی ایسی محترم تھی کہ ان کا احترام ان کی وفات کے بعد بھی قائم رہا تو اُنھیں اس کی کیا ضرورت تھی کہ لوگوں کو رشوتیں دے کر اپنا ہمنوا بنائیں۔ کوفہ سے جو وفد گیا تھا، وہ آفاقی اور بے حیثیت لوگوں کا نہ تھا بلکہ عربی النسل اکابر کا تھا۔

سیدھی اور صاف بات ہے جسے سب نے تسلیم کیا ہے کہ امیر یزیدؒ کو ولی عہد بنانے کی تحریک حضرت مغیرہؓ نے کی تھی اس کی وجہ یہ تھی جو اُنھوں نے حضرت معاویہؓ سے بیان کی یعنی خلافت کے بارے میں جو فسادات سیدنا عثمانؓ کے بعد ہوئے ان کا تقاضا یہی تھا کہ ولی عہد المسلمین کا تقرر حضرت معاویہؓ اپنی زندگی میں کر جائیں اور وہ ولی عہد ہوں فرزند امیر المومنین جو اپنی صلاحیت و قابلیت، آداب جہانبانی سے واقفیت اور دین کے لئے قربانی کا جذبہ رکھنے کا پورا ثبوت جہادوں میں دے چکے تھے پھر تمام بنو امیہ اور قریش ان کی حمایت پر تھے اور قبیلۂ بنو کلب کی پوری طاقت ان کی پشت پر تھی۔ صحابہ کرام میں وہ مقبول تھے اور ان کی قدر سب کو معلوم تھی۔ چنانچہ جمہور صحابہ و امہات المومنین اور اکابر اُمّت نے اس تحریک کی تائید کی اور ارباب حل و عقد کے اتفاق سے یہ مسئلہ طے کیا گیا جسے ہم آیندہ بیان کریں گے۔

مودودی صاحب نے یہ تصوّر قائم کیا ہے کہ وفد صرف کوفے کے اِن پست و دون فطرت لوگوں کا تھا اور یہ کہ امیر زیادؒ کی زندگی تک حضرت معاویہؓ کو یہ مسئلہ اُٹھانے کی ہمّت نہیں ہوئی کیونکہ وہ امیر یزیدؒ کو ولی عہد بنانے کے خلاف تھے۔

(جولائی ص ۳۳۶)

مگر یہ جو کچھ اُنھوں نے لکھا ہے سب باطل ہے۔ شیعہ مورخ مسعودی تک کو اس کا

اعتراف ہے کہ وفد کسی ایک جگہ سے نہیں بلکہ چاروں طرف سے آئے تھے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے۔ (مروج الذہب ج ۳ ص ۳۶-۳۷)

وفی سنة تسع وخمسین وفد علی معاویة وفدٌ من الامصار من العراق وغیرها۔ فکان ممن وفد من اھل العراق الاحنف بن قیس فی آخرین من وجوہ الناس

اور ۵۹ھ میں (حضرت) معاویہؓ کی خدمت میں عراق وغیرہ کے شہروں سے وفد آئے۔ اور جو وفد اہلِ عراق کی طرف سے آیا تھا اس میں دوسرے بڑے لوگوں کے علاوہ احنف بن قیس بھی تھے۔

مسعودی نے سنہ غلط دیا ہے طبری ودیگر مورخین نے ۵۶ھ بیان کیا ہے۔ مگر یہاں ہمیں بتانا یہ ہے کہ سارے عالم اسلام سے جو وفود آئے تھے وہ اکابر اہل حل وعقد اور ذی وجاہت لوگوں کے تھے نہ کہ اُن کے جو دو تین ہزار درہم یا دینار رشوت لیکر رائے دیں۔ امیر زیادؓ نے بھی بصرے سے وفد بھیجا تھا۔

ان وفدوں کے سامنے موافق ومخالف ہر قسم کی تقریریں ہوئیں اور لوگوں نے پوری آزادی کے ساتھ اپنی رائے دی مسعودی نے حضرت احنف بن قیس کی یہ تقریر نقل کی ہے:—

انّ الناس امسوا فی منکر زمانٍ قد سلف ومعروف زمان یؤتنف و یزید حبیب قریب فان تولّہ عہدك فعن غیر کبر مفنٍ او مرض مضنٍ وقد حلبت الدھور وجربت الامور فاعرف من تسند الیہ عھدك۔ ومن تولیہ الامر بعدك۔ واعص رأی من یامرك ولا یقدر لك ویشیر علیك ولا ینظر لك۔

لوگ بُرے دور سے گزر چکے اور اچھے زمانے کی امیدیں لگائے ہوئے ہیں۔ یزید محبوب ہیں اور قریبی ہیں۔ آپ جو انھیں ولی عہد بنا رہے ہیں تو بغیر اس بڑھاپے کے جو قوی کو کمزور کرنے والا ہو اور بغیر اس مرض کے جو جسم کو گھلانے والا ہو۔۔ آپ نے وقت سے پورا پورا فائدہ اُٹھایا ہے۔ اور معاملات کو خوب پرکھا ہے۔ لہٰذا دیکھ بھال کر اپنا عہد سپرد کیجئے اور اپنا ولی عہد بنائیے۔ ان لوگوں کی رائے پر مت چلئے جو بات تو کرتے ہیں لیکن

آپ کی حمایت کی قدرت نہیں رکھتے اور آپ کو مشورہ دیتے ہیں لیکن آپ کی خیر خواہی مطلوب نہیں۔

خضری نے لکھا ہے (محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ ج ۲ ص ۱۱۸) کہ جب لوگوں نے کافی بحث کر لی تو امیر المومنین نے حضرت احنف سے فرمایا ما تقول یا ابا بحر؟ (اے ابو بحر آپ کیا کہتے ہیں) تو انھوں نے عرض کیا:۔

نخافکم ان صدقنا و نخاف اللہ ان کذبنا وانت یا امیر المومنین اعلم بیزید فی لیلہ ونہارہ وسرہ وعلانیتہ ومدخلہ ومخرجہ فان کنت تعلمہ للہ وللامۃ رضا فلا تشاور فیہ وان کنت تعلم فیہ غیر ذلک فلا تزودہ الدنیا وانت صائر الی الاخرۃ وانما علینا ان نقول سمعنا واطعنا۔

ہم سچ کہیں تو آپ کا خوف ہے اور جھوٹ بولیں تو اللہ سے ڈر لگتا ہے اور امیر المومنین یزید کے رات دن کے مشاغل، ان کا ظاہر و باطن اور ان کا اُٹھنا بیٹھنا سب آپ کو ہم سے زیادہ معلوم ہے اگر آپ انھیں خدا اور اُمت کے لئے پسندیدہ سمجھتے ہیں تو پھر ان کے بارے میں کسی سے مشورہ مت لیجئے اور اگر آپ اس کے خلاف جانتے ہوں تو ان کی دنیا کے لئے اپنی آخرت مت بگاڑیئے۔ رہے ہم تو ہمارا کام ہے سننا اور اطاعت کرنا۔

حضرت احنف جیسے دلیر اور ذی رتبہ شخص کی طرف یہ دو تقریریں منسوب کی گئی ہیں۔ ہمیں ان پر بحث کی ضرورت نہیں یعنی نہ یہ کہنا ہے کہ ان تقریروں کی نسبت حضرت احنف کی طرف درست ہے یا نہیں اور نہ یہ کہ ان تقریروں کا کونسا مضمون کیا حیثیت رکھتا ہے۔ ہمیں تو صرف اس طرف متوجہ کرنا ہے کہ اس عظیم الشان اجلاس میں موافق و مخالف ہر قسم کی تقریریں ہوئیں اور کثرت رائے سے یہ تجویز منظور کی گئی۔ حضرت ضحاک بن قیس فہری بڑی قوت سے اس تحریک کی تائید میں تھے۔ اُن کی پرجوش تقریریں نقل کی گئی ہیں۔ مسعودی شیعی نے یہ پرجوش تقریریں اپنے طریقے پر نقل کی ہیں۔

اب ہم اہل مدینہ کی بابت مودودی صاحب کی گُل فشانیاں بیان کرتے ہیں۔ ارشاد ہے (جولائی ص ۳۳۷)

"حضرت معاویہ نے مروان کو پھر لکھا کہ میں نے جانشینی کے لئے یزید کو منتخب کیا ہے۔ مروان نے پھر یہ معاملہ اہل مدینہ کے سامنے رکھ دیا اور مسجد نبوی میں تقریر کرتے ہوئے کہا" امیر المومنین نے تمہارے لئے مناسب آدمی تلاش کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے اور اپنے بعد اپنے بیٹے یزید کو جانشین بنایا ہے یہ بہت اچھی رائے ہے جو اللہ نے ان کو سجھائی۔ اگر وہ اس کو جانشین مقرر کر رہے ہیں تو کوئی نئی بات نہیں۔ ابو بکر و عمر نے بھی جانشین مقرر کئے تھے اس پر حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکر اُٹھے اور اُنھوں نے کہا جھوٹ بولے ہو تم اے مروان اور جھوٹ کہا معاویہ نے۔ تم نے ہرگز امت محمدیہ کی بھلائی نہیں سوچی ہے۔ تم اسے قیصریت بنانا چاہتے ہو کہ جب ایک قیصر مرا تو اس کی جگہ اس کا بیٹا آگیا۔ یہ سنت ابی بکر و عمر نہیں ہے۔ اُنھوں نے اپنی اولاد میں سے کسی کو جانشین نہیں بنایا تھا" مروان نے کہا پکڑو اس شخص کو یہی ہے وہ جس کے متعلق قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ والذی قال لوالدیہ اف لکما۔ (الاحقاف، ۱۷) حضرت عبد الرحمان نے بھاگ کر حضرت عائشہ کے حجرے میں پناہ لی۔ حضرت عائشہ چیخ اٹھیں کہ" جھوٹ کہا مرواں نے۔ ہمارے خاندان کے کسی فرد کے معاملے میں یہ آیت نہیں آئی ہے بلکہ ایک اور شخص کے معاملے میں آئی ہے جس کا نام میں چاہوں تو بتا سکتی ہوں۔ البتہ مروان کے باپ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی تھی جبکہ مروان ابھی اس کی صلب میں تھا" اس مجلس میں حضرت عبد الرحمٰن کی طرح حضرت حسین بن علی، حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت عبد اللہ بن زبیر نے بھی یزید کی ولی عہدی ماننے سے انکار کر دیا"

یہ روایت اپنے ناشائستہ اضافوں کے سبب بتا رہی ہے کہ اس کے راویوں میں کس ذہنیت کے لوگ ہیں۔ مودودی صاحب نے اگر سند دی ہوتی تو

رجال کی قلعی بھی کھول دی جاتی اگرچہ کوئی خاص ضرورت نہیں کیونکہ اس کا متن ہی اپنی حقیقت بتا رہا ہے۔ یہاں چند باتیں غور طلب ہیں:-

۱- حضرت عبدالرحمانؓ شروع سے امیر معاویہؓ کے ساتھ تھے اور آخر تک رہے۔ انھیں اگر اختلاف تھا بھی تو اُسے حسن کے ساتھ بیان کر سکتے تھے۔ اور یہ ناممکن ہے کہ اُنھوں نے اپنے امام کے متعلق یہ لہجہ اختیار کیا ہو پھر وہ تو اس زمانہ میں دنیا میں موجود ہی نہ تھے۔ بروایت اصح ۵۳ھ میں انتقال ہو گیا تھا۔ اور مودودی صاحب خود کہتے ہیں کہ زیاد کی وفات ۵۳ھ میں ہو جانے کے بعد ولیعہدی کی یہ تحریک ہوئی تھی۔

۲- حضرت ام المومنین صلوات اللہ علیہا کے یہ الفاظ ہرگز نہیں ہو سکتے کیونکہ بدیہی البطلان ہیں۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حکمؓ پر لعنت اگر ان کے کفر کی حالت میں کی تھی تب تو ظاہر ہے کہ بیکار گئی کیونکہ وہ اسلام لائے اور حضرت مروانؓ نے ساری عمر حکومت کی اور آخر میں چار برس خلیفہ رہے۔ پھر علم و فضل کے اعتبار سے ان کا شمار اکابر امت میں ہوا اور اُن کے فتاویٰ اور فیصلے شرعی نظائر کی حیثیت سے صحاح میں مندرج ہوئے یعنی انھیں لعنت میں سے کچھ بھی حصہ نہ ملا بلکہ بڑی رحمت ثابت ہوئی۔ اور اگر یہ لعنت حضرت حکمؓ کے اسلام لانے کے بعد کی تھی۔ تو حضرت مروانؓ ان کی پشت سے جدا ہو چکے تھے اور فتح مکہ کے وقت ان کی عمر نو دس برس کی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، صغار صحابہ اور کبار تابعین میں ان کی حیثیت مسلم ہوئی۔

۳- حضرت مروانؓ نے اول تو سنت ابی بکرؓ و عمرؓ کا ذکر نہیں کیا جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت سے معلوم ہوگا۔ اور اگر کہا تو صحیح کہا کیونکہ مسئلہ اپنے بعد کے خلیفہ کو نام زد کرنے کا تھا اور یہ یقیناً سنت ابی بکرؓ و عمرؓ ہے۔ رہا بیٹے کو نام زد کرنا تو یہ الگ بات ہے اور کتاب و سنت میں اس کی کہیں ممانعت نہیں اور جب ممانعت نہیں تو اباحت خود بخود ثابت ہوگئی حضرت علیؓ کے آخر وقت ان کے بیٹے کی نامزدگی ہوئی تھی۔

۴- حضرت عبدالرحمانؓ اگر اس وقت بقید حیات ہوتے بھی قیصریت کا کوئی ذکر نہیں

کر سکتے تھے کیونکہ قیصر آمر و ناہی ہوتا تھا اور اسے یہ اختیار تھا کہ جو قانون چاہے بنائے۔ اس کے منہ سے نکلا ہوا لفظ اس کی رعایا کے لئے قانون کا حکم رکھتا تھا۔ اسلامی معاشرے میں ایسا کوئی تصور نہیں۔ یہاں تمام معاملات کتاب وسنّت پر مبنی ہوتے ہیں۔

۵۔ مودودی صاحب نے جو الفاظ آخر میں بڑھائے ہیں کہ اس مجلس میں حضرت عبدالرحمان کی طرح حضرت حسین بن علیؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ نے بھی یزید کی ولی عہدی ماننے سے انکار کر دیا تھا تو اس کا کوئی ثبوت نہیں اور حضرت حسینؓ کے بارے میں تو امیرالمومنین یزیدؒ نے اپنے قطعہ اشعار میں ان کی بیعت کرنے کا اشارہ کر دیا تھا۔ بلکہ حضرت ابن عمرؓ کے بارے میں یہ صریح جھوٹ ہے۔ جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے۔

۶۔ اس اجلاس میں ولی عہد ماننے نہ ماننے کا کوئی ذکر نہ تھا صرف ایک تحریک کی اطلاع دی گئی تھی۔ اور فیصلہ ہونے سے پہلے تحریک کی مخالفت میں جو کچھ بھی کہا جائے اس کی کوئی قیمت نہیں۔ البتہ فیصلہ ہو چکنے کے بعد اگر کوئی شخص مخالفت پر قایم رہے تب اس کا موقف زیر بحث آئیگا۔

مودودی صاحب نے اس روایت پر جو تعلیقہ دیا ہے اس میں انھوں نے صحیح بخاری کے بیان کو مختصر بنایا ہے کیونکہ ان کا مدعا اس سے پورا نہیں ہوتا اور حضرت ام المومنینؓ کی زبان مبارک سے حضرت مروانؓ پر طعن کی گنجائش نہیں نکلتی حالانکہ صحیح بخاری کا بیان اس نورانی ماحول کے مطابق ہے جہاں فضولیات سے گریز کیا جاتا تھا۔ ملاحظہ ہو (ج ۳ ص ۸۸ الاحقاف) اس سند میں ایک بھی شخص بدعقیدہ یا مشتبہ خیالات کا نہیں سب بلند پایہ ہیں۔

حدثنا موسیٰ بن اسمٰعیل حدثنا ابو عوانۃ عن ابی بشر عن یوسف بن ماھک قال کان مروان علی الحجاز	ہم سے موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں ہم سے ابوعوانہ نے ابوبشر کے حوالے سے بیان کیا اور انھوں نے یوسف بن ماھک کے حوالے

استعمله معاویة فخطب فجعل یذکر یزید بن معاویة لکی یبایع له بعد ابیه فقال له عبدالرحمٰن بن ابی بکر شیئًا قال خذوه فدخل بیت عائشة فلم یقدروا فقال مروان ان ھٰذا الذی انزل اللہ فیہ "والذی قال لوالدیہ اف لکما اتعدانی" فقالت عائشة من وراء الحجاب ما انزل اللہ فینا شیئًا من القرآن الا ان اللہ انزل عذری۔

سے۔ وہ فرماتے ہیں مروان حجاز کے والی تھے انھیں (حضرت) معاویہؓ نے مقرر فرمایا تھا۔ تو انھوں نے ایک تقریر کی اور اس میں یزید بن معاویہؓ کا ذکر کرنے لگے کہ ان کے والد کے بعد ان سے بیعت کی جائے۔ اس پر (حضرت) عبدالرحمان بن ابی بکرؓ نے کچھ کہا تو انھوں نے (یعنی حضرت مروانؓ نے) کہا "پکڑو انھیں"۔ اس پر وہ (حضرت ام المومنین) عائشہؓ کے گھر میں چلے گئے اور لوگ ان پر قابو نہ پا سکے۔ تو مروانؓ نے کہا۔ "یہی ہیں وہ لوگ جن کے متعلق اللہ نے یہ آیت نازل کی ہے" وہ شخص جس نے اپنے ماں باپ سے کہا افسوس ہو تم پر تم مجھے دھمکی دیتے ہو" اس پر (حضرت) عائشہؓ نے پردے کے پیچھے سے فرمایا" اللہ تعالےٰ نے ہم لوگوں کے متعلق قرآن میں کوئی چیز نہیں اتاری سوائے اس کے کہ اللہ نے میری پاکدامنی کی آیات نازل فرمائیں۔

یہ تھی ساری بات بروایت بخاری نہ یہاں لعنت کی باتیں ہیں نہ امیر و امام کو جھوٹا کہنے کی۔ رہا حضرت مروانؓ کا آیت کو حضرت عبدالرحمان کے متعلق بتانا تو یہ قیاساً تھا کیونکہ حضرت عبدالرحمانؓ بدر میں کفار کے لشکر کے ساتھ آئے تھے اور بعد میں مسلمان ہوئے۔ حضرت عبدالرحمانؓ نے کیا کہا اس کا کوئی ذکر نہیں۔ ظاہر ہے کہ انھوں نے کوئی چبھتی ہوئی بات کہدی ہوگی۔ لیکن یہ قضیہ قطعاً آگے نہیں بڑھایا گیا اور اجلاس بغیر کسی اور بدمزگی کے ختم ہو گیا۔ اس اجلاس میں قطعاً کسی دوسری طرف سے اعتراض نہیں ہوا یعنی وہ اکابر صحابہ مثلاً حضرت سعد بن ابی وقاصؓ حضرت سعید بن زیدؓ حضرت جابر بن عبداللہؓ وغیرہم ان سب نے یہ بات سنی اور گوارا کی۔ چھوٹوں کی موجودگی میں بات توجہت بڑوں کی ہے۔ کسی روایت سے یہ ثابت نہیں حتیٰ کہ مودودی صاحب کی بیان کردہ روایت

سے بھی کہ بڑوں نے کیا کہا۔

مودودی صاحب فرماتے ہیں (جولائی ص ۳۰۳)

"عراق وشام اور دوسرے علاقوں سے بیعت لینے کے بعد حضرت معاویہؓ خود حجاز تشریف لے گئے کیونکہ وہاں کا معاملہ سب سے اہم تھا اور دنیائے اسلام کی وہ با اثر شخصیتیں جن سے مزاحمت کا اندیشہ تھا وہیں رہتی تھیں۔ مدینے کے باہر حضرت حسینؓ حضرت ابن الزبیرؓ حضرت ابن عمر اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ ان سے ملے۔ حضرت معاویہؓ نے ان سے ایسا درشت برتاؤ کیا کہ وہ شہر چھوڑ کر مکہ چلے گئے۔

اس طرح مدینے کا معاملہ آسان ہو گیا۔ پھر انھوں نے مکہ کا رُخ کیا اور ان چاروں اصحاب کو خود شہر کے باہر بلا کر ان سے ملے۔ اس مرتبہ ان کا برتاؤ اس کے برعکس تھا جو مدینہ کے باہر ان سے کیا تھا۔ ان پر بڑی مہربانیاں کیں۔ انھیں اپنے ساتھ لئے ہوئے شہر میں داخل ہوئے۔ پھر تخلئے میں بلا کر انھیں یزید کی بیعت پر راضی کرنے کی کوشش کی۔

حضرت عبداللہ بن زبیر نے جواب میں کہا "آپ تین کاموں میں سے ایک کام کیجئے۔ یا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح کسی کو جانشین نہ بنائیے لوگ خود اسی طرح کسی کو اپنا خلیفہ بنالیں گے جس طرح انھوں نے حضرت ابوبکرؓ کو بنایا تھا یا پھر وہ طریقہ اختیار کیجئے جو حضرت ابوبکر نے کیا کہ اپنی جانشینی کے لئے حضرت عمر جیسے شخص کو مقرر کیا جن سے ان کا دور پرے کا رشتہ بھی نہ تھا۔ یا پھر وہ طریقہ اختیار کیجئے جو حضرت عمر نے کیا کہ چھ آدمیوں کی شوریٰ تجویز کی اور اس میں ان کی اولاد میں سے کوئی شامل نہ تھا۔"

حضرت معاویہ نے باقی حضرات سے پوچھا "آپ لوگ کیا کہتے ہیں"

انھوں نے کہا ہم بھی وہی کہتے ہیں جو ابن الزبیر نے کہا ہے۔

اس پر حضرت معاویہؓ نے کہا "اب تک میں تم لوگوں سے درگزر کرتا

رہا ہوں۔ اب میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم میں سے کسی نے میری
بات کے جواب میں ایک لفظ بھی کہا تو دوسری بات اس کی زبان سے
نکلنے کی نوبت نہ آئے گی۔ تلوار اس کے سر پر پہلے پڑ چکی ہو گی۔

پھر اپنے باڈی گارڈ کے افسر کو بلا کر حکم دیا "ان میں ہر ایک پر
ایک ایک آدمی مقرر کر دو اور اسے تاکید کر دو کہ ان میں سے جو بھی
میری بات کی تردید یا تائید میں زبان کھولے اس کا سر قلم کر دے۔

اس کے بعد وہ انھیں لئے ہوئے مسجد میں آئے اور اعلان کیا۔

"یہ مسلمانوں کے سردار اور بہترین لوگ جن کے مشورے کے بغیر
کوئی کام نہیں کیا جاتا یزید کی ولی عہدی پر راضی ہیں اور انھوں نے
بیعت کر لی ہے لہذا تم لوگ بھی بیعت کر لو۔ اب لوگوں کی طرف سے انکار
کا کوئی سوال ہی باقی نہ تھا۔ اہل مکہ نے بھی بیعت کر لی (بحوالہ ابن اثیر)

ابن اثیر نے واقعی یہ افسانہ نقل کیا ہے۔ یہ ساتویں صدی ہجری کے
مصنف ہیں (متوفی ۶۳۰ھ) جبکہ تاریخ اسلام پوری طرح مسخ ہو چکی تھی۔ ان کے
تمام بیانات بغیر اسناد کے ہیں اور انھوں نے کہیں اپنے ماخذ کا حوالہ نہیں دیا ایک
مربوط کہانی کے طور تاریخ اسلام بیان کی ہے یہ صرف اپنے زمانہ کے یا اس سے کچھ پہلے
کے واقعات کے بارے میں تو مستند سمجھے جا سکتے ہیں لیکن قرون اولیٰ کے واقعات
کے بارے میں ان کا بیان بغیر سند کے کوئی وقعت نہیں رکھتا۔

انھوں نے یہ افسانہ جس مربوط شکل میں بیان کیا ہے، اور یہ تاثر دینا چاہا ہے
کہ ان چاروں اصحاب سے حضرت معاویہؓ کی پہلی ملاقات مدینہ میں ہوئی اور ان کے
رویہ سے بددل ہو کر یہ حضرات جب مکہ چلے گئے تو دوسری ملاقات وہاں ہوئی اور
ان کی بیعت کا مذکورہ واقعہ پیش آیا، اس طرح کا بیان ابن اثیر سے سو برس
پہلے کہیں نہیں ملتا۔ قاضی ابوبکر بن العربیؒ (المتوفی ۵۴۳ھ) کے زمانے میں یہ ایک
روایت نہیں تھی بلکہ تین مختلف روائتیں تھیں۔ اور ان سب کا مدار وہب بن جریر

بن حازم پر تھا یعنی کسی شخص نے ان وہب کی طرف منسوب کر کے کوئی بات کہی اور کسی دوسرے نے کوئی دوسری بات یعنی یہ نہیں کہ کسی نے تینوں باتیں کہی ہوں۔ یہ روایتیں یوں ہیں۔

(۱) حضرت معاویہؓ جب مدینہ حاضر ہوئے تو ابن عمرؓ ابن ابی بکرؓ ابن الزبیرؓ ان کے استقبال کے لئے نکلے۔ اور پھر حضرت معاویہؓ نے مدینہ پہنچ کر تقریر کی اور خلافت کے لئے یزیدؔ کی موزونیت بیان کر کے منبر سے اتر آئے۔ پھر مکہ چلے گئے۔ اور حج سے فارغ ہو کر حضرت ابن عمرؓ کو بلا کر بیعت کے لئے کہا۔ انھوں نے عرض کیا کہ میں بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح ایک شخص ہوں۔ سب بیعت کر لیں گے تو میں بھی کر لوں گا۔ یہ کہہ کر چلے آئے۔ پھر حضرت معاویہؓ نے حضرت عبدالرحمانؓ کو بلایا اور ابھی سلسلہ گفتگو شروع ہی کیا تھا کہ یہ بیچ میں بول پڑے کہ ہم ایسا نہیں کریں گے اور آپ کو اس معاملے میں شوریٰ کرنا ہوگا یہ کہہ کر اٹھ گئے۔ حضرت معاویہؓ نے فرمایا "رکو اہل شام کو تمہاری یہ بات نہ معلوم ہونے پائے۔ میں رات کو یہ اعلان کرنے والا ہوں کہ تم نے بیعت کر لی پھر جو تمہارا جی کرنا" پھر حضرت ابن الزبیرؓ کو بلایا اور انھیں سخت سست کہا "کہ تم ہی نے ان دونوں کو بھی ورغلایا ہے۔ حضرت ابن الزبیرؓ نے عرض کیا کہ آپ خلافت سے تھک گئے ہوں تو الگ ہو جائیے ہم آپ کے بیٹے کے ہاتھ پر بیعت کر لیں گے۔ تم دونوں کی بیعت کبھی جمع نہیں ہو سکتی۔ حضرت معاویہؓ باہر نکلے اور لوگوں سے فرمایا" لوگ کہتے ہیں کہ ابن عمرؓ ابن الزبیر اور ابن ابی بکر نے بیعت نہیں کی حالانکہ وہ مطیع ہیں اور بیعت کر چکے ہیں۔ شامیوں نے کہا۔ "یوں نہیں۔ انھیں بیعت سب کے سامنے کرنی چاہیئے ورنہ ہم انھیں قتل کر دیں گے" حضرت معاویہؓ نے فرمایا "سبحان اللہ! کیسے جلدی لوگ قریش کی برائی پر اس طرح تل گئے۔ آئندہ میں ایسی بات کسی کی زبان سے نہ سنوں۔ یہ کہہ کر منبر سے اتر آئے"

اس روایت کی دو باتیں قابلِ غور ہیں :-

۱۔ حضرت ابن عمرؓ ابن ابی بکرؓ اور ابن الزبیرؓ تینوں حضرت معاویہؓ کے ساتھ مکہ گئے تھے۔ اور مدینہ کی تقریر سے لیکر حج ختم ہونے تک حضرت معاویہؓ نے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کی۔ اور جب کی تو تینوں نے اپنی اپنی رائے الگ الگ بیان

کردی۔ یعنی یہ نہیں ہوا کہ کسی کو نمایندہ بنایا گیا ہو نیز یہ کہ حضرت حسینؓ کا اس میں کوئی ذکر نہیں۔

۲۔ دوسری بات جو راوی کی جہالت ثابت کرتی ہے وہ حضرت ابن الزبیرؓ کے جواب میں ہے "کہ آپ خلافت سے تھک گئے ہوں تو الگ ہو جائیے ہم آپ کے بیٹے سے بیعت کرلیں گے۔ آپ دونوں کی بیعت بیک وقت جمع نہیں ہو سکتی" حضرت ابن الزبیرؓ جو امام الفقہا ہیں کیا وہ اتنی بات بھی نہیں جانتے تھے کہ بیعت خلافت کی نہیں بلکہ ولایت عہد کی لی جارہی تھی یعنی امیر المومنین معاویہؓ کی وفات کے بعد ولیعہد کو خلیفہ تسلیم کرنے کی۔

(۲) انہی وہب سے دوسری روایت یوں ہے کہ حضرت معاویہؓ نے مدینہ میں جو تقریر کی تھی تو اس میں فرمایا کہ ابن عمر کو بیعت کرنی ہوگی ورنہ میں انھیں قتل کردونگا ان کے فرزند عبداللہ بن عمرؓ نے جو یہ بات سنی گھبرا کر مکہ روانہ ہو گئے تاکہ اپنے والد ماجد کو یہ بات بتائیں۔ حضرت ابن عمرؓ نے جو یہ سنا تو رو پڑے۔ ابن صفوان جو ان کے ساتھ تھے انھوں نے کہا کہ آپ کا ارادہ اگر جنگ کرنے کا ہو تو میں ساتھ دینے کے لئے تیار ہوں۔ لیکن حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا میں صبر کروں گا۔ (گویا حضرت ابن عمرؓ مدینے میں نہیں تھے۔ بلکہ پہلے ہی سے مکہ میں تھے) اتنے میں حضرت معاویہؓ مکہ پہنچے تو ان کے استقبال کے لئے عبداللہ بن صفوان نکلے اور کہا "کیا آپ کا یہ خیال ہے کہ ابن عمرؓ نے آپ کے بیٹے کی بیعت نہیں کی تو آپ انھیں قتل کر دیں گے؟ حضرت معاویہؓ نے فرمایا "میں اور ابن عمرؓ کو قتل کروں؟ ایسا ہرگز نہیں ہوگا (یعنی منبر پر جو قسم کھائی تھی وہ بے معنی تھی۔ م)

(۳) انہی وہب سے تیسری روایت یہ ہے کہ یہ سب حضرات مکہ میں تھے اور جب حضرت معاویہؓ وہاں پہنچے اور یہ استقبال کے لئے نکلے تو امیر المومنین نے فرمایا۔ میں اکیلا چلتا ہوں کوئی میرے ساتھ نہ چلے اور جب میں سواری مانگوں تو پیش کی جائے۔ پہلے حضرت حسین بن علیؓ آئے۔ حضرت معاویہؓ نے بڑے تلطف سے ان کا استقبال کیا مدح سرا ہوئے اور سواری منگوائی۔ کچھ دور چلے تھے کہ حضرت عبد الرحمان بن ابی بکرؓ

آئے ان کا استقبال بھی اسی طرح ہوا اور سواری منگوائی گئی۔ پھر تھوڑی دور چلے تھے کہ حضرت ابن عمرؓ تشریف لاتے نظر آئے۔ ان کے ساتھ بھی یہی ہوا اور سواری منگوائی گئی۔ پھر تھوڑی دور چلے تھے کہ حضرت ابن الزبیرؓ ملے ان کے ساتھ بھی یہی ہوا اور سواری منگوائی گئی۔ اس طرح ان سب کو ساتھ لے کر مکہ میں داخل ہوئے۔ اور حج ختم ہونے تک بڑی شگفتگی کے ساتھ باتیں رہیں۔ پھر وہ سب قصہ ہے جو مودودی صاحب نے لکھا ہے۔

اس روایت کے مطابق چاروں حضرات مکہ میں پہلے سے موجود تھے۔ جب امیر المومنین کی تشریف آوری کی اطلاع ہوئی اور شہر کے عمائد آپ کے استقبال کے لئے نکلے۔ تو یہ چاروں صاحب شہر ہی میں رہے اور پھر بجائے چاروں ایک ساتھ آنے کے ایک ایک کرکے ڈرامائی انداز میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر نمودار ہوئے۔ راوی نے ترتیب بھی اپنے زاویہ نگاہ سے رکھی۔ اس کے نزدیک سب سے بلند رتبہ حضرت حسینؓ تھے اس لئے وہ سب سے پہلے آئے پھر حضرت صدیقؓ کے بیٹے اور ان کے بعد حضرت فاروقؓ کے۔ چونکہ ابن الزبیرؓ اس شخص کے نزدیک سب سے کم رتبہ تھے اس لئے سب کے بعد آئے۔

دوسری چیز اس روایت سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ چاروں نے اپنی اپنی رائے الگ نہیں بتائی بلکہ ابن الزبیرؓ کو وکیل کیا اور وہ سب کی طرف سے بولے۔

تیسری چیز اس میں بھی وہ ہے جو راوی کی جہالت پر دلالت کرتی ہے' کیونکہ حضرت ابن الزبیرؓ جیسے ذکی و فطین شخص ایسی بات نہیں کہہ سکتے تھے۔ جب حضرت عثمانؓ کے انتخاب تک ہر انتخاب مختلف تھا۔ تو حضرت ابن الزبیرؓ یہ کیسے کہہ سکتے تھے کہ اب اختلاف نہیں ہو سکتا۔

یہ ہیں وہ تین متناقض غیر مربوط وضعی روایتیں جو ایک دوسرے سے بے خبر راویوں نے اپنی اپنی جگہ وہب بن جریر کے حوالے سے بیان کی ہیں۔ ابن اثیر نے اپنے زمانے میں انھیں ایک مربوط افسانے کی شکل دینے کے لئے یہ رائے قائم کرلی کہ حضرت معاویہؓ کے برتاؤ سے بد دل ہوکر یہ حضرات مکہ چلے گئے تھے۔ مگر انھوں نے

یہ نہ سوچا کہ مکّہ میں بھی تو امیر المومنین سے انھیں چھٹکارا ملنے والا نہیں تھا۔

امام ابن العربیؒ نے اِن تینوں روایتوں کو جھوٹا بتایا ہے [ص ۲۱۹-۲۲۴] اور علامہ محب الدین الخطیبؒ نے ہر روایت پر تنقید کی ہے۔ اہل علم وہاں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

ہم ناظرین کرام کو ایک اور بات پر متوجہ کرنا چاہتے ہیں، شاید مودودی صاحب کچھ عبرت پکڑیں۔

(۱) ابن اثیر (المتوفی سنہ ۶۳۰ھ) نے ساتویں صدی میں جو مربوط افسانہ لکھا وہ ان سے سو برس پہلے امام ابن العربیؒ کے زمانے میں (المتوفی سنہ ۵۴۳ھ) یعنی العواصم کی تالیف کے وقت ایک روایت نہیں تھی بلکہ تین مختلف روائتیں الگ الگ مشہور تھیں۔ کوئی کہتا تھا کہ واقعہ یہ ہوا اور کوئی کہتا تھا یہ۔

(۲) امام ابن العربیؒ سے دو سو برس پہلے شیعہ مورخ مسعودی کے زمانہ میں (المتوفی سنہ ۳۴۶ھ) ایسی کسی روایت کا وجود نہ تھا ورنہ وہ اسے ضرور نقل کرتا کیونکہ امیر المومنین سیدنا معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں پر اس نے قسم قسم کی چوٹیں کی ہیں وہ بنو بویہ کے دربار سے منسلک تھا۔ جنھوں نے دنیا میں پہلی مرتبہ ماتم حسینؓ کی ابتدا کی اور صحابہ کرام کی منقصت میں کتابیں لکھوائیں۔ اگر ادنیٰ درجے میں بھی ایسی کسی روایت کا اسے کہیں سراغ ملتا تو درج کئے بغیر نہ رہتا۔

(۳) مسعودی سے نصف صدی پہلے تیسری صدی ہجری میں محمد بن جریر طبری ہوئے ہیں (المتوفی سنہ ۳۱۰ھ)۔ وہ وہب بن جریر سے روایت کرتے ہیں لیکن انھوں نے ایسی کوئی روایت وہب سے نقل نہیں کی۔

علاوہ ازیں ابن اثیر سے لے کر وہب تک اور وہب سے لے کر اوپر تک اس ایک یا ان تین روایتوں کی کوئی سند نہیں ملتی جو اس کے راویوں کی بابت کچھ کہا جا سکے۔

غرض یہ ہے کہ امیر یزیدؒ کی ولایت عہد کے سلسلے میں چوتھی صدی ہجری کے اوائل تک کوئی ایسی روایت نہیں ملتی جیسی ابن اثیر نے بیان کی ہے۔ البتہ الامامہ والسیاسہ میں پہلی مرتبہ وہ روایت بیان ہوتی ہے جس کے مطابق اِن چاروں بزرگوں نے حضرت

معاویہؓ کا استقبال مکہ میں کیا اور اس ڈرامائی انداز میں ایک ایک کرکے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ان سے ملے۔ پھر ہنستے بولتے وقت گزرا اور آخر دن ان تینوں کو بلایا گیا یہ سمجھ گئے کہ کیوں بلایا گیا ہے اور انھوں نے ابن الزبیرؓ کو اپنا وکیل بنا دیا جنھوں نے یہ مطالبہ کیا کہ یا تو حضرت معاویہؓ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح بغیر وصیت کئے اس دنیا سے جائیں یا حضرت صدیقؓ کی طرح ایک غیر شخص کو ولی عہد بنائیں یا حضرت فاروقؓ کی طرح چند آدمیوں کو نامزد کر جائیں۔ اس پر حضرت معاویہؓ نے برافروختہ ہو کر کہا کہ میں اعلان کرنے والا ہوں کہ تم سب نے بیعت کر لی اور تمہارے سروں پر ننگی تلواریں لئے آدمی کھڑے ہوں گے۔ اگر تم میں سے کسی کے ہونٹ ہلے تو بات منہ سے نکلنے سے پہلے اس کا سر زمین پر پڑا ہوگا۔

الامامۃ والسیاسۃ کے غالی مؤلف نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ سب حضرات یعنی عبدالرحمن بن ابی بکرؓ و عبداللہ بن عمرؓ و عبداللہ بن عباسؓ و عبداللہ بن زبیرؓ و حسین بن علیؓ سب چپ سادھے رہے کسی نے کچھ بھی نہ کہا قتل ہو جانے کے ڈر سے لم یتکلموا شیئاً حذر القتل (ج ۱ ص ۲۰۰) ان وضعی روایتوں جہاں حضرت معاویہؓ امیرالمومنین پر کذب بیانی کا الزام لگایا ہے وہیں ان سب بزرگوں کی بزدلی کا بھی کیسا برا نقشہ کھینچا ہے۔

الامامۃ والسیاسۃ کے متعلق اہل تحقیق نے ثابت کر دیا ہے کہ امام ابو محمد عبداللہ بن مسلم المعروف با بن قتیبہؒ کی تصنیف نہیں ہے بلکہ کسی مجہول غالی شخص نے یہ کتاب لکھی ہے [ملاحظہ ہو العواصم من القواصم ص ۲۴۸ تعلیقہ علامہ خطیبؒ] گویا ساتویں صدی ہجری سے لیکر تیسری صدی ہجری کی تاریخ کا جائزہ لینے پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ چوتھی سے پانچویں صدی ہجری تک کے زمانے میں یہ تین مختلف روائتیں الگ الگ لوگوں نے وھب کے نام سے وضع کی تھیں اور ابن اثیر نے انھیں ایک مربوط افسانے کی شکل میں پیش کر دیا چوتھی صدی کے اوائل تک ایسی کوئی بات امت کو معلوم نہ تھی۔

مسعودی کی مروج الذہب [ج ۳] کا مطالعہ واضح کرتا ہے کہ امیر یزیدؒ کی ولایت عہد کے سلسلے میں صحابہ کرام کے درمیان قطعاً کوئی اختلاف یا بدمزگی پیدا نہیں ہوئی۔ ہر طرف کے وفود نے کثرتِ رائے سے اس کی تائید کی اور عالمِ اسلام نے قبول کرلیا۔ ایسی صورت میں ابن اثیر اور ان کے بعد کے راویوں کا کوئی بیان کب لائقِ توجہ ہے۔ اور کسی صاحبِ علم کے لئے کب روا ہے کہ ان فضولیات کو بطورِ حجت پیش کرے۔

اب ہمیں ایک طرح اور دیکھنا چاہیئے کہ ابن اثیر نے جس طرح یہ افسانہ مرتب کیا ہے اور مودودی صاحب جو تاثر پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ اس وقت اہلِ مدینہ میں یہی چاروں بزرگ اصحاب نمود تھے۔ لہٰذا حضرت معاویہؓ کے لئے ضروری تھا کہ انھیں رام کریں۔ حالانکہ یہ تصوّر قطعاً باطل ہے۔ اس وقت بڑے بڑے صحابہ موجود تھے۔ جن کے سامنے یہ چاروں خورد ول کی حیثیت رکھتے ہیں مثلاً حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سعید بن زید، حضرت ابوایوب انصاری، وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین اور پھر ان چاروں میں دو تو بالکل ہی خورد تھے یعنی حضرت ابن الزبیرؓ اور حضرت حسینؓ گویا مسئلے کا فیصلہ کرتے وقت رائے دینے والوں میں حضرت ابن عمرؓ تو بیشک تھے اور ان کے بعد حضرت عبدالرحمان بن ابی بکرؓ اگر وہ اس وقت دنیا میں موجود ہوتے لیکن حضرت ابن الزبیرؓ اور حضرت حسینؓ اس وقت یہ حیثیت نہیں رکھتے تھے کہ بزرگوں کے فیصلے سے خلاف جا سکیں۔

علاوہ ازیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا شعار تھا کہ تمام اہم معاملات میں حضرات امہات المومنین سے مشورہ کرکے کوئی اقدام کرتے تھے۔ اور اس بارے میں حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کی بھی کوئی تخصیص نہیں وہ بھی اُمہات المومنین کی رائے لیا کرتے تھے حالانکہ وہ ان کی بیٹیاں تھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت سے انھیں تمام اُمت میں جو عظیم ترین سربلندی ملی ہے اس کا تقاضا بھی یہی تھا۔ اللہ تعالےٰ نے ازواج مطہرات کو معارف دینیہ میں خاص درک عطا فرمایا تھا جیسا کہ نصِ قرآنی سے ثابت ہے واذکرن مایتلیٰ فی بیوتکن من آیٰت اللہ والحکمۃ (اور تم

یاد کیا کرو اللہ کی ان آیات اور حکمت کی باتوں کو جو تمہارے گھروں میں پڑھی جاتی ہیں)
تمام امت میں سے یہ تخصیص امہات المومنین کی ہے کہ وہ علوم نبویہ کی ایسی حامل ہیں کہ
ان کو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت خاصہ ان سب کو حاصل ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہر مسئلے میں صحابہ کرامؓ حضرات امہات المومنین کی ہدایات حاصل
کرتے تھے۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہن وعلی بعلہن دائماً ابداً) اب یہ کسی طرح
ممکن نہیں کہ حضرت ابن عمرؓ حضرت عبدالرحمٰنؓ حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ اور حضرت حسینؓ
اپنا موقف بناتے وقت امہات المومنین سے استصواب نہ کرتے۔ اور کسی درجے میں بھی یہ
تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ کہ حضرت ابن عمرؓ نے سیدہ حفصہؓ سے حضرت عبدالرحمان اور
ابن الزبیرؓ نے سیدہ عائشہؓ سے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت حسینؓ نے سیدہ میمونہؓ سے
رائے نہ لی ہو اور اس رائے پر عمل نہ کیا ہو۔

چنانچہ ہم ان روایات واہیہ اور ان تمام لغویات وخرافات کے مقابلے میں صحیح
بخاری کی حدیث پیش کرتے ہیں جس سے سب مسئلہ صاف ہو جائیگا۔

[ملاحظہ ہو ج ۲، ص ۵۸۹ اصح المطابع]

عن ابن عمر قال دخلت علی حفصة ونوساتها تنطف قلت قد کان من امر الناس ما ترین فلم یُجعل لی من الامر شیءٌ فقالت الحق فانهم ینتظرونك واخشی ان یکون فی احتباسك عنهم فرقة فلم تدعه حتی ذهب۔	حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں (ام المومنین) حفصہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کی زلفوں سے اس وقت پانی ٹپک رہا تھا (غالباً سر دھویا ہوگا) میں نے عرض کیا آپ لوگوں کی باتیں دیکھ رہی ہیں اس معاملے میں میری کوئی حیثیت نہیں سمجھی گئی۔ آپ نے فرمایا وہاں جا بیٹھو لوگ تمہارے انتظار میں ہیں۔ اور مجھے ڈر ہے کہ تمہارے رک جانے سے اختلاف نہ پیدا ہو جائے۔ اور اس وقت تک انھیں نہ چھوڑا جب تک وہ چلے نہ گئے۔
فلما تفرق الناس خطب معاویة قال من کان یرید ان	جب لوگ متفرق ہو گئے (یعنی صرف خاص مجمع رہ گیا) تو حضرت معاویہؓ نے تقریر کی اور فرمایا اب کوئی صاحب اس

يكلم فى هذا الامر فليطلع قرنه فلنحن احق به ومن ابيه	بارے میں بولنا چاہیں تو سر اٹھائیں۔ ہم ان سے اور ان کے والد دونوں سے اس امر کے (خلافت کے) زیادہ حقدار ہیں۔
قال حبيب بن مسلمةؓ فهلا اجبته قال عبد الله فحللت حبوتى وهممت ان اقول احق بهذا الامر منك من قاتلك واباك على الاسلام فخشيت ان اقول كلمة تفرق بين الجمع وتسفك الدم ويحمل عنى غير ذلك فذكرت ما اعد الله لى فى الجنان قال حبيب حفظت وعصمت	حضرت حبیب بن مسلمہؓ نے کہا پھر آپ نے کوئی جواب بھی دیا؟ "حضرت عبداللہ نے فرمایا" میں نے چاہا کہ اپنا حبوہ کھولوں اور کہنے کا ارادہ کیا کہ اس کا زیادہ حق تو ان کا ہے جنھوں نے آپ سے اور آپ کے والد سے اسلام کے لئے جنگ کی تھی لیکن پھر میں ڈرا کہ کہیں ایسی بات منہ سے نہ نکل جائے جو اجماع کے بعد افتراق کا موجب ہو خوں ریزی کی نوبت آ جائے اور میرا عندیہ اس کے علاوہ کچھ اور سمجھ لیا جائے۔ لہٰذا میں نے جنت کی ان نعمتوں کو یاد کیا جو اللہ نے میرے لئے تیار کی ہیں۔ حضرت حبیبؓ نے فرمایا اللہ نے آپ کو غلط بات کہنے سے محفوظ رکھا۔ اور غلط اقدام سے بچا لیا۔

اس صحیح اور ناطق حدیث سے کئی باتیں معلوم ہوئیں :۔

۱ ۔ حضرت ابن عمرؓ نے اپنی ہمشیرہ معظمہ ام المومنین حفصہؓ سے مشورہ ضروری سمجھا۔

۲ ۔ بیعت کا معاملہ مدینہ طیبہ میں طے ہو رہا تھا نہ کہ مکہ میں۔

۳ ۔ مسجد شریف میں پورا اجتماع تھا اور تمام اہل الرائے جمع تھے یعنی حضرت سعدؓ اور حضرت سعیدؓ اور دوسرے اکابر رضی اللہ عنہم۔

۴ ۔ حضرت ابن عمرؓ کے دل میں یہ خطرہ ہوا کہ ولی عہد ہونے کا زیادہ حق انھیں ہے تو ام المومنین حضرت حفصہؓ نے یہ خطرہ رفع کر دیا۔

۵ ۔ حضرت ابن عمرؓ کی ایسی اہم شخصیت تھی کہ آپ کی عدم شرکت سے فتنہ کھڑا ہو سکتا تھا

۶ ۔ آپ کے وہاں پہنچ جانے کے بعد بیعت کی تکمیل ہو گئی اور تمام بزرگواروں کے اجماع

سے یہ مسئلہ طے ہوا۔

۷۔ جب عوام اٹھ گئے اور خواص رہ گئے تو حضرت معاویہؓ نے اپنے گھرانے استحقاق ظاہر کیا کہ کس طرح حکومت بنو یہ سے لیکر ان کے اپنے عہد تک یہ گھرانہ امت کی قیادت کرتا چلا آرہا تھا اور اسے کیسی مقبولیت حاصل تھی۔

۸۔ حضرت ابن عمرؓ نے طیش میں جو کہنا چاہا تو صرف تعریضاً تھا کیونکہ معاویہؓ کسی وقت بھی اسلام اور کفر کی آویزش میں اسلام کے مقابلے پر نہیں آئے تھے۔ اس لئے ان کے اس کہنے سے کہ آپ اور آپ کے باپ سے اسلام کیلئے جو لڑے تھے اس سے مقصود صرف اتنا تھا کہ یہ باپ بیٹے اسلام بہت بعد میں لائے تھے اور اسلام کی فیصلہ کن جنگوں میں حضرت ابوسفیانؓ کفر کی طرف تھے۔

۹۔ حضرت حبیب بن مسلمہؓ مجاہد صحابی جو حضرت معاویہؓ کے ساتھیوں میں تھے اور اپنے جہادوں میں مشغولیت کے سبب موقعہ پر موجود نہ تھے۔ بہت بعد میں حضرت ابن عمرؓ نے ان سے یہ واقعہ بیان کیا وہ بھی حضرت معاویہؓ کی بات سن کر برافروختہ ہوئے مگر حضرت ابن عمرؓ کا چپ رہنا انھیں مناسب دموزوں معلوم ہوا۔

ظاہر ہے کہ طبقے اور عمر کے اعتبار سے امیر یزیدؒ تابعی ہیں اور ان بزرگواروں پر فضیلت نہیں رکھتے لیکن جن مصالح کی بناپر انھیں ولی عہد بنایا گیا وہ سب کی سمجھ میں آگئیں اگرچہ وقتی طور پر کسی درجے میں کسی کو پسند نہ ہوا ہو۔

مگر یہ حدیث ان تمام فضولیات کا قلع قمع کر دیتی ہے جو اس سلسلے میں لوگوں نے وضع کی ہیں اور اس سے قطعی ثبوت اس کا ملتا ہے کہ امیر یزیدؒ کی ولی عہدی کا مسئلہ جمہور صحابہ کی رضا سے طے ہوا تھا۔ اور یہ فیصلہ ان بزرگواروں نے کیا تھا جن سے زیادہ نہ کسی میں دین کی سمجھ ہوسکتی ہے، اور نہ ان سے زیادہ کوئی شخص اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا وفادار ہوسکتا ہے اور نہ ان سے زیادہ کسی کو اس وقت کے احوال سے واقفیت ہوسکتی ہے اور نہ ان سے زیادہ حالات حاضرہ کی مصلحتوں کو کوئی سمجھ سکتا ہے۔ اس وقت حضرات امہات المومنین میں سے جتنی موجود

تھیں ان سب کی اولاد و اعزہ و اقربا نے امیر یزید کی ولایت عہد اور بعد میں خلافت کی بیعت کی۔
مثلاً حضرت ام سلمہؓ کے فرزند حضرت عمر بن ابی سلمہؓ حضرت میمونہؓ کے بھانجے
حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت حفصہؓ کے بھائی حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عائشہؓ
کے بھانجے حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ وغیرہم۔ اس بیعت کے وقت کوئی استثناء نظر
نہیں آتا اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضرت حسینؓ نے بھی بیعت کی تھی جیسا کہ امیر یزیدؒ نے اپنے
قطعہ اشعار میں اس کا اشارہ کیا تھا۔

حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ ام المومنین حضرت عائشہؓ کے سگے بڑے بھائی تھے
اور حضرت ابوبکر الصدیقؓ کی اولاد میں بھی سب سے بڑے تھے ان کی وفات اپنی سگی چھوٹی
بہن حضرت عائشہؓ متوفی ۵۸ھ سے پانچ سال پہلے ۵۳ھ میں مکہ کے قریب ایک پہاڑ
پر یکایک ہوگئی تھی مات مجاءۃ سنۃ ثلاث وخمسین بجبل بقرب مکۃ (المعارف
ابن قتیبہ ص ۲۶) دونوں بھائی بہن میں بڑی محبت تھی لوگوں نے جنازہ کو کندھوں پر
لاکر حدود حرم میں دفن کرایا حضرت عائشہؓ کو محبوب بھائی کی جدائی کا بڑا قلق تھا
مدینہ سے مکہ آکر بھائی کی قبر پر گئیں حسرت سے یہ شعر پڑھے جو متمم بن نویرہ نے اپنے بھائی
مالک کی جدائی میں کہے تھے۔

وکنا کندمانی جذیمۃ حقبۃ　　من الدھر حتی قیل لن یتصدعا
فلما تفرقنا کانی ومالکاً　　لطول اجتماعٍ لم نبت لیلۃ معا

امام ابو محمد عبداللہ بن قتیبہ الدینوری متوفی ۲۷۶ھ نے سنہ وفات ان کا صراحتاً
۵۳ھ لکھا ہے ان سے دو سو برس بعد کے مولف ابن عبدالبر نے بھی ۵۳ھ ہی بتایا ہے
گرچہ لفظ قیل کے ساتھ ۵۵ھ بھی یہ کہکر لکھ دیا ہے کہ اول الذکر سنہ کی روایت بکثرت
ہے۔ حافظ ابن کثیر نے بھی جو ابن قتیبہ سے پانسو برس بعد کے مولف ہیں ابن سعد و ابوعبید
واقدی وغیرہم کا بیان کردہ ۵۳ھ و ۵۴ھ سنہ وفات کا ذکر کرتے ہوئے ۵۸ھ کو
جو حضرت عائشہ صدیقہؓ کے انتقال کا سنہ ہے غلطی سے ان کے ان بھائی کا بھی سنہ وفات
قرار دے ڈالا حالانکہ ان کے یکایک مرنے اور حضرت عائشہ کے بھائی کی قبر پر جانے اور

شعر پڑھنے کے سب حالات بھی لکھے ہیں۔ غرضیکہ حضرت عبدالرحمٰنؓ کا انتقال تحریک ولیعہدی یزیدؒ سے جب تین سال پہلے ہو چکا تھا تو یہ وضعی روایتیں خود بخود باطل ہو جاتی ہیں جو سبائی راویوں نے ان کی رائے ہموار کرنے کے لئے حضرت معاویہؓ کو متہم کیا ہے کہ انھوں نے ایک لاکھ درہم رشوت میں ان کو بھیجے تھے۔ اور مودودی صاحب نے البدایہ ج ۸ ص ۸۹ کا حوالہ دے کر بھی یہ غلط بیانی کی ہے کہ یہ رشوت انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو دی تھی۔ یہ مفتریات سب بعد میں وضع ہوئیں مودودی صاحب کا دارومدار چونکہ ان موضوعات پر ہے۔ اس لئے اسی کے مطابق تنقید ہم نے کی ہے ورنہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر متوفی ۵۳ھ اس زمانہ میں بقید حیات نہ تھے۔

حضرت ابن الزبیرؓ نے گو خلافت کی بیعت نہیں کی لیکن امیرالمومنین یزیدؒ کی زندگی بھر خلافت کا دعویٰ بھی نہیں کیا۔ حضرت حسینؓ نے سبائیوں کے دھوکے میں آکر خروج تو کر دیا لیکن کوفہ پہنچ کر جب صحیح حالات دیکھے تو موقف سے رجوع کر لیا اور امیرالمومنین سے بیعت کرنے دمشق کی راہ پکڑ لی لیکن جب کربلا پہنچے تو آپ کے ساتھیوں کے سبب بے وجہ لڑائی ہو پڑی۔ جس کے نتیجے میں کربلا کا حادثہ رونما ہوا۔

۱۰۔ جب مدینہ میں بیعت کی تکمیل ہو گئی تب حضرت معاویہؓ نے بلاد اسلامیہ میں امیر یزیدؒ کے ولی عہد ہونے کی بیعت لی۔

اگر سب شہروں میں بیعت پہلے ہو گئی ہوتی تو اہل مدینہ پر بھی ویسے ہی اس بیعت میں داخل ہونا واجب ہو جاتا اور نہ ہوتے تو شرعاً ان کے خلاف فوجی کارروائی کی جاتی۔ حضرت معاویہؓ جیسے یگانہ روزگار مدبر یہ غلطی کیسے کر سکتے تھے کہ اہل مدینہ سے بیعت بعد میں لیں۔ اور بے وجہ فساد کا سبب بنیں۔ اول صرف تحریک ہوئی تھی اور بیعت اس وقت لی گئی جب اہل مدینہ نے بیعت کر لی۔ یہ حدیث اس کی وضاحت کر رہی ہے۔ یہاں تو صرف ولایت عہد کا مسئلہ پیش تھا تب ہی حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ "میرا اس معاملے میں خیال نہیں کیا گیا"

صحیح بخاری کے اس بیان کی موجودگی میں مودودی صاحب کی بیان کردہ خرافات کی

گنجائش کب رہتی ہے اور کس طرح کوئی صاحب علم و ایماں یہ فضول بات کہہ سکتا ہے جو انھوں نے امیر یزیدؒ کے بارے میں کہی کہ (جولائی ص ۳۳۶)

دو باتیں بالکل واضح ہیں ایک یہ کہ یزید کی ولی عہدی کے لئے ابتدائی تحریک کسی صحیح جذبے کی بنا پر نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ ایک بزرگ نے اپنے ذاتی مفاد کے لئے دوسرے بزرگ کے ذاتی مفاد سے اپیل کرکے اس تجویز کو جنم دیا اور دونوں صاحبوں نے اس سے قطع نظر کرلیا کہ وہ اس طرح امت محمدیہ کو کس راہ پر ڈال رہے ہیں۔

دوسرے یہ کہ یزید بجائے خود اس مرتبہ کا آدمی نہ تھا کہ حضرت معاویہؓ کا بیٹا ہونے کی حیثیت سے قطع نظر کرتے ہوئے کوئی شخص یہ رائے قائم کرتا کہ حضرت معاویہ کے بعد امت کی سربراہی کے لئے وہ موزوں ترین آدمی ہے

مودودی صاحب نے جو پہلی "واضح" بات فرمائی ہے اور حضرت مغیرہؓ اور اور حضرت معاویہؓ دونوں کو ہوا پرست بنایا ہے تو ان کا یہ طنز صرف ان دونوں بزرگوں پر نہیں بلکہ اِن سب پر ہے جنھوں نے اس تحریک کو کامیابی کے ساتھ انجام تک پہنچایا اور ان میں عظیم ترین صحابہ کرام کے علاوہ حضرات امہات المومنین بھی شامل ہیں۔

رہی دوسری "واضح" بات تو اس کا جواب بھی وہی ہے کہ امیر یزیدؒ کا موزوں ترین ہونا ان بزرگواروں کو معلوم تھا جنھوں نے ان کی ولایت عہد پر اجماع کیا۔ اور اجماع اس شان کا تھا کہ تمام امّت کے سربرآوردہ لوگوں سے استصواب کے بعد ہوا۔ تاریخ اسلام میں جس وسیع پیمانے پر استصواب امیر یزیدؒ کی ولی عہدی کے بارے میں ہوا، ایسا استصواب ان سے پہلے کسی کے لئے نہیں ہوا تھا۔

علاوہ ازیں ان کی شخصی قابلیت اور فضائل بھی کم نہ تھے۔ ان کے علم و فضل کا ان کے تقوٰی و دینداری کا ان کی شجاعت و شہامت کا اور ان کی اہلیت و صلاحیت جہاں بانی کا اعتراف ہم عصر امت نے کیا۔ اس سے بڑی اور کیا شہادت ہے کہ صحابہ کرام ان کے کارکن تھے۔ ان کے عامل تھے۔ ان کے سپہ سالار تھے ان کے صاحب خاتم تھے اور ان کے

قاضی تھے یعنی امیر المومنین یزیدؒ کی خلافت عملاً صحابہ کرام کی خلافت تھی۔

اور یہ خلافت ایسی تھی کہ حضرت ابن عمرؓ اس کے خلاف کھڑے ہونے کو خدا اور رسول سے سب سے بڑی غداری کہتے تھے جیسا کہ ہم صحیح بخاری کتاب الفتن کے حوالے سے گزشتہ صفحات میں بیان کر چکے جہاں اہلِ مدینہ کی بغاوت کے وقت حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا تھا۔

> ہم نے اس شخص سے خدا و رسول کے نام پر بیعت کی ہے اور مجھے اس سے بڑی کوئی غداری نظر نہیں آتی کہ جس کے ہاتھ پر ہم خدا اور رسول کی بیعت کریں اس سے لڑنے کھڑے ہو جائیں۔

رہا حضرت حسینؓ کا ناکام خروج جو بقول مورخ الحضری نتیجہ تھا ناتجربہ کاری و ناعاقبت اندیشی کا (اعدم الاناۃ والتبصر فی العواقب) چنانچہ مزید کہا ہے کہ

وعلی الجملة فان الحسين اخطاء خطاء عظیماً فی خروجه هذا الذی جر علی الامة وبال الفرقة والاختلاف وزعزع عماد الفتها الی یومنا هذا وقد اکثر الناس من الکتابة فی هذه الحادثه لایریدون بذالك الا ان تشتعل النیران فی القلوب فیشتد تباعدها۔ غاية ما فی الامر ان الرجل طلب امراً لم يتهيا له ولم يعد له عدته فحيل بينه وبين ما يشتهی وقتل دونه وقبل ذالك قتل ابوه فلم يجد من اقلام الكاتبين من يبشع امر قتله ويزيد به نار العداوة

بہر حال حضرت حسینؓ نے اپنے خروج میں بہت بڑی غلطی کا ارتکاب کیا جس کی وجہ سے امت پر تفرقہ اور اختلاف کا ایسا وبال پڑا کہ الفت و محبت کے ستون آج تک متزلزل ہیں۔ اس حادثہ کو اکثر مورخین نے اس انداز سے پیش کیا ہے جس سے ان کا مقصد لوگوں کے دلوں میں بغض و عداوت کی آگ کو بھڑکانا ہے واقعہ تو صرف اتنا ہی تھا کہ ایک شخص حکومت کی طلب میں اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور اس کے حصول کے لئے جن اسباب و اعوان کی ضرورت ہے وہ فراہم نہیں کر سکتا اور بغیر حاصل کئے (امر مطلوبہ) قتل ہو جاتا ہے۔ اس سے پہلے ان کے والد (حضرت علیؓ) بھی قتل ہو گئے تھے

تلجيجا وقد ذهب الجميع الى ربهم يحاسبهم على ما فعلوا۔
والتاريخ يلخذ من ذالك عبرة وهى انه لا ينبغى لمن يريد عظائم الامور ان يسير اليها بغير عدتها الطبيعية فلا يرفع سيفه الا اذا كان معه من القوة ما يكفل له النجاح او يقرب من ذالك كما انه لا بد ان تكون هناك اسباب حقيقية لمصلحة الامة بان يكون هناك جور ظاهره لا يحتمل وعسف شديد ينوء الناس بحمله اما الحسين فانه خالف على يزيد وقد بايعه الناس ولم يظهر منه ذلك الجور ولا عسف عند اظهار هذا الخلاف
(المحاضرات الخضری ج ۲ ص ۱۳۵)

لکھنے والوں کے قلم روکے نہیں جا سکے انھوں نے ان کے (حسینؓ کے) قتل کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہے جس سے عداوت کی آگ بڑھتی گئی مگر یہ سب لوگ اب اللہ کے حضور میں پہنچ چکے ہیں وہ ہی ان کے کیے کا محاسبہ کرے گا۔ لیکن اس واقعہ سے تاریخ ایک عبرت دلاتی ہے اور وہ یہ کہ جو شخص بڑے کاموں کا ارادہ کرے تو مناسب تیاری سے پہلے ان کی جانب بڑھنا ٹھیک نہیں اور جب تک وہ اتنی قوت حاصل نہ کرے کہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکے یا کم از کم اس کے قریب ہی ہو سکے تو اسے تلوار اٹھانا نہیں چاہیے نیز اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ایسے اسباب حقیقی طور سے موجود ہوں جو اُمت کے لئے اصلاح طلب ہیں یعنی بین طور پر ناقابل برداشت ظلم وستم ہو رہا ہو اور لوگوں پر اتنی تنگی ہو کہ وہ درماندہ ہوں مگر حضرت حسینؓ نے امیر المومنین) یزیدؒ کی مخالفت تو اس حال میں کی تھی کہ امت نے ان کی بیعت کر لی تھی اور اس مخالفت کے اظہار کے وقت ان کی (امیر المومنین) جانب سے کسی قسم کے ظلم وستم کا اظہار بھی نہ ہوا تھا۔

مودودی صاحب کا یہ فرمانا کہ امیر یزیدؒ کی بیعت ولیعہدی سے "خلافت کی گاڑی کا رخ تبدیل ہوتے دیکھکر حضرت حسینؓ نے "گاڑی کو پھر صحیح پٹڑی پر ڈالنے کے لئے اپنی جان لڑا دینے کا فیصلہ کیا" نری شاعری ہے۔ جان سپاری کا محرک اگر واقعی ولایت

عہد ہی کا معاملہ تھا تو وہ اس وقت کیوں چپ سادھ گئے تھے جب بقول مودودی صاحب
حضرت معاویہؓ ارباب حل وعقد سے ولایت عہد کی بیعت لینے مدینہ تشریف لائے تھے
اور ان پانچوں حضرات کے سروں پر جن میں حضرت حسینؓ بھی شامل تھے تلوار لٹکا دی گئی تھی
"جان لڑا دینے کا" وقت تو وہی تھا جب خلافت کی گاڑی کا کانٹا بقول مودودی صاحب
بدلا جا رہا تھا یعنی ۵۶ھ میں بوقت بیعت ولیعہدی ۵۶ھ سے ۶۰ھ کی چار پانچ
سال کی مدت میں حضرت حسینؓ کا جذبہ سرفروشی آخر کیا کرتا رہا صفحات تاریخ پر دیکھا جا سکتا
ہے کہ گاڑی کا رخ موڑنے کے لئے جان کی بازی لگانے کے بجائے وہ حضرت معاویہؓ سے
برابر تعاون کر کے وظائف کی سالانہ رقوم کے علاوہ گرانقدر عطیات بھی وصول کر کے
شادکام ہوتے رہے سچی بات جس پر سب اہل تحقیق متفق ہیں یہی تھی کہ حضرت حسینؓ
نے مکہ سے عراق کا سفر اپنے بیوی بچوں کو ساتھ لیکر جان دینے کے لئے شروع نہیں کیا تھا
بلکہ اس لئے شروع کیا تھا کہ ہزاروں کوفیوں کے مواعید نے سیاسی اقتدار حاصل کرنیکا
امکان پیدا کر دیا تھا اپنے معتبر ایجنٹ مسلم بن عقیلؒ کی رپورٹ موصول ہوتے ہی کہ کوفہ
میں سب آپ کی بیعت خلافت کرنے کو تیار بیٹھے ہیں اپنے سب عزیزوں اور خیر خواہوں
کی رائے کے خلاف جن کو اہل کوفہ کی تلون مزاجی کا تجربہ تھا روانہ ہو گئے مگر ابھی منزل
مقصود پر پہنچے بھی نہ تھے کہ محاصرے میں آجانے کے بعد یہ تین شرطیں خود ہی پیش کیں -
(۱) یا تو وہیں لوٹ جانے دو جہاں سے آیا ہوں (۲) یا کسی سرحدی مقام پر بھیجدو جو حال
اور مسلمانوں کا ہوگا۔ اسی پر زندگی گذار دوں گا (۳) یا دمشق جانے دو کہ امیر یزید کے
ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیدوں یعنی بیعت کر لوں۔ گورنر اور کمانڈر کوفہ دمشق بھیجنے پر اس شرط
پر آمادہ تھے کہ ان کے قافلے کے ساتھ جو آلات حرب ہیں وہ ان کے حوالے کر دئے جائیں
تاکہ اس کا امکان باقی نہ رہے کہ اپنے ساتھیوں کے اثر میں آکر رائے تبدیل کر دیں اور
دمشق جانے کے بجائے اجا وسلمیٰ کے پہاڑوں پر چلے جائیں جیسا کہ کوفی ساتھیوں نے
مشورہ بھی دیا تھا اس گفتگو کے دوران مسلم بن عقیلؒ کے بھائیوں نے جو اپنے مقتول بھائی
کا بدلہ لینے کے لئے بیتاب تھے فوجی دستے پر حملہ کر دیا اور یوں یہ واقعہ حزن انگیز پیش آگیا

مودودی صاحب نے جن کتب کو اپنا ماخذ قرار دیا ہے ان ہی میں آخری شرط کے یہی الفاظ موجود ہیں یعنی البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۷۰ اور تاریخ طبری ج ۶ ص ۲۳۵ کے علاوہ شیعوں کے بڑے ممتاز عالم جو نہج البلاغۃ کی تالیف میں شریک رہے ہیں یعنی شریف المرتضیٰ متوفی ۴۳۶ھ نے اپنی تالیف الشافی (طبع ایران ص ۴۷۱) میں اس تیسری شرط کے یہ الفاظ بطور دوسری شرط کے درج کئے ہیں:-

وقد روی انّہ علیہ السلام قال لعمرو بن سعد اختار وامنّی اِمّا الرجوع الی المکان الذی اقبلت منہ اوان اضع یدی علی ید یزید فھو ابن عمّی لیریٰ فی رایہ واما ان یسیروا بی الی ثغر من ثغور المسلمین فاکون رجلاً من اھلہ لی مالہ وعلیّ ما علیہ

(کتاب الشافی شریف المرتضیٰ ص ۴۷۱)

حضرت حسینؓ سے پختہ روایت ہے کہ آپ نے عمر بن سعدؓ سے کہا میری تین باتوں (شرطوں) میں سے ایک پسند کر لو (۱) یا تو اس جگہ لوٹ جانے دو جہاں سے آیا ہوں (۲) یا یہ کہ میں اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ پر رکھ دوں جبکہ وہ میرے چچا کے بیٹے ہیں تو وہ میرے متعلق اپنی رائے خود قائم کر لیں گے (۳) یا پھر مجھے مسلمانوں کی سرحدات میں سے کسی سرحد کی طرف روانہ کر دو تو میں وہیں کا باشندہ بن جاؤں گا پھر جو نفع و آرام وہاں کے لوگوں کو حاصل ہوگا وہی مجھے بھی ملیگا اور جو نقصان اور تکلیف وہاں کے لوگوں کو ہوگی وہی مجھے بھی ہوگی"

یہ روایت تو ایک ایسے غالی شیعہ مصنف کے قلم سے ہے جن کا زمانہ بھی مودودی صاحب سے تقریباً ساڑھے نو سو برس پہلے کا ہے اور وہ اسی کتاب "نہج البلاغۃ" کے مولفین میں بھی ہیں جس کی شرح کو مودودی صاحب نے اپنا ماخذ قرار دیا ہے یعنی شریف المرتضےٰ ابو القاسم علی بن الحسن بن موسیٰ بن محمد بن موسیٰ بن ابراہیم بن جعفر (الصادق) بن محمد (الباقر) بن علی (زین العابدین) بن الحسین

بن علی بن ابی طالب اور سلسلہ نسب بھی ان کا یہ نسبت مودودی صاحب کے خاندانی سلسلہ[1] کے صحیح واسطوں سے حضرت حسینؓ سے متصل ہوتا ہے یعنی صحیح النسب حسینی اور غالی شیعہ ہونے کے باوجود شریف المرتضیٰ نے حضرت حسینؓ کی پیش کردہ شرطوں کے اظہار میں تامل نہیں کیا۔

شریف المرتضیٰ سے ڈیڑھ سو برس پہلے کا ایک اور غالی مولف الامامۃ والسیاسۃ بھی یہی بیان کرتا ہے کہ حضرت حسینؓ نے سرکاری لشکر کے کمانڈر عمرو بن سعدؓ کو اپنی یہی شرطیں پیش کرتے ہوئے کہا تھا :-

یا عمرو اختر منی ثلاث خصال اما تترکنی ارجع کما جئت فان	اے عمرو یہ تین شرطیں میری مان لو۔ یا تو مجھے جہاں سے آیا ہوں لوٹ جانے دو۔ اگر یہ منظور نہ ہو تو (کفار

[1] چشتیہ سلسلہ کے بزرگ خواجہ قطب الدین مودود چشتی بن خواجہ ابو یوسف چشتی کی نسل والے مودودی کہلاتے ہیں مشائخ وصوفیہ کے تذکروں کی بعض کتب اقتباس الانوار و انوار العارفین کی تصریحات کے علاوہ خود مودودی خاندان کے ایک مورخ مولوی آل حسن مودودی مولف نخبۃ التواریخ میں خواجہ قطب الدین مودود کا سلسلہ نسب "عبداللہ الملقب بہ علی اکبر بن امام علی نقی سے ملایا ہے جو غلط ہے کیونکہ شیعوں کے ان دسویں امام جناب علی نقی کے کوئی فرزند عبداللہ الملقب بہ علی اکبر نہ تھے' صرف دو بیٹے حسن و جعفر نام تھے اول الذکر کو فرقہ امامیہ اپنا گیارہواں امام مانتے ہیں وہ لاولد مر گئے تھے۔ امامیہ نے ان کا فرزند محمد نام ذا ردے کر اپنا بارہواں امام غائب قرار دے لیا ہے ثانی الذکر جعفر کو یہ حضرات کذاب اس لئے کہتے ہیں کہ انھوں نے لاولد بھائی کا ترکہ لے لیا تھا۔ ان جعفر کذاب کی نسل بہت پھیلی جو لوگ اپنے کو نقوی کہتے ہیں وہ سب ان ہی کی نسل سے ہیں۔ خواجہ قطب الدین مودود چشتی کا مادری سلسلہ نسب ناصر الدین بن عبد اللہ محض بن حسن مثنیٰ ابن حسن بن علی بن ابی طالب سے ملایا ہے وہ بھی غلط محض ہے ۔ اس نام کے کوئی بیٹے عبداللہ محض کے نہیں تھے اور نہ اس قسم کے نام رکھنے کا دستور اس زمانہ میں ہاشمی یا قریشی خاندان میں تھا۔ بھارت و پاکستان کے مختلف مقامات امروہہ سنبھل دہسوان دبریلی واجمیر و حیدر آباد دکن و ضلع کرنال وغیرہ میں۔ مودودی گھرانے آباد رہے ہیں جن میں علما و فضلاء نسلاً بعد نسل ہوتے رہے اور بعض صاحب منصب و جاگیر بھی تھے۔ مودودی حضرات کے ناموں میں پہلے خواجہ بالعموم لکھا جاتا تھا بعد کے زمانہ میں یہ لوگ سید لکھنے لگے۔ ان میں جو صوفی مشرب تھے وہ بھی نیم شیعہ تھے شاہ اکبر علی چشتی مودودی ہی کے مشورے سے لکھنؤ کے خاندان اجتہاد کے بانی مولوی دلدار علی کی امامت میں شیعوں کی نماز جمعہ و جماعت لکھنؤ میں شروع ہوئی تھی۔

ابعث هذه فاخری سیر بی الی الترك اقاتلهم حتی اموت او تسیر بی الی یزید فاضع یدی فی یده فیحکم بما یرید فارسل عمر الی ابن زیاد بذالك فهم ان یسیر الی یزید۔

(ج ۲ ص ۹ مطبوعہ مصر ۱۳۵۷ھ)

ترک کی طرف بھیجدو کہ قتال ان سے کرتا رہوں حتی کہ مرجاؤں یا مجھے یزید کے پاس بھیجدو کہ میں اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دیدوں پھر وہ میرے متعلق جو مناسب سمجھیں فیصلہ کریں۔ عمرو بن سعدؓ نے اس بارے میں ابن زیاد سے رجوع کیا انھوں نے بھی انھیں یزید کے پاس بھیج دینے کا ارادہ کرلیا۔

ان تین صورتوں کی اجازت حاصل کرنے کی خواہش ہی سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت حسینؓ نے کوفیوں کے مواعید کی قلعی کھل جانے سے طلب خلافت کا خیال ترک کر دیا تھا اور یہی چاہتے تھے کہ کسی طرح اس بکھیڑے سے نکل جائیں۔ اثبات مدعا کے لئے تو یہی تین شرطیں کافی ہیں مودودی صاحب حضرت حسینؓ کی ان تقریروں اور گفتگوؤں کو جو ان ہی کی کتب ماخذ میں ہیں نظر انداز کر گئے جو حضرت حسینؓ نے کوفیوں کو مخاطب کر کے مختلف انداز میں کی تھیں اور کہا تھا کہ تم نے ہی مجھے بلایا ہے اور اب تم ہی میرے خلاف تلوار اٹھاتے ہو۔ مودودی صاحب ہی بتائیں کہ گاڑی کے آگے کھڑے ہو کر اپنی جان لڑا دینے والے کے یہی تیور ہوتے ہیں یا اس شخص کا طرز عمل ہوتا ہے جو اپنی غلطی کا احساس کر کے اپنے موقف سے رجوع کر لیتا ہے۔ حضرت حسینؓ کی طینت کی برکت کہ صحیح صورت حال کا جائزہ لے کر کہ سب لوگ امیرالمومنین یزیدؒ کی بیعت میں داخل ہیں۔ وہ بھی آمادہ ہو کر دمشق کی راہ پر چل پڑے مسلم بن عقیلؓ کے بھائیوں کے ناعاقبت اندیشانہ حملے سے قتال وجدال کی نوبت آکر یہ اندوہناک واقعہ پیش آگیا جسے ابو مخنف وغیرہ جیسے کذاب سبائی راویوں نے دیو مالائی انداز میں پیش کر کے واقعات کو مسخ کر دیا مودودی صاحب نے اپنے طبعی رجحان سے بغیر تحقیق واقعات غض بصر کر لیا ہے۔

اب ملاحظہ ہو اختتامیہ مودودی صاحب فرماتے ہیں (جولائی ۶۹ ۳۳۹-۳۴۰)

اس طرح خلافت راشدہ کے نظام کا آخری اور قطعی طور پر خاتمہ ہو گیا۔

خلافت کی جگہ شاہی خانوادوں (DYNASTIES) نے لی۔
اور مسلمانوں کو اس کے بعد سے آج تک پھر اپنی مرضی کی خلافت نصیب نہ ہوسکی۔
حضرت معاویہ کے محامد و مناقب اپنی جگہ پر ہیں۔ ان کا شرف صحابیت بھی
بھی واجب الاحترام ہے۔ ان کی یہ خدمت بھی ناقابل انکار ہے کہ انھوں
نے پھر سے دنیائے اسلام کو ایک جھنڈے تلے جمع کر دیا اور دنیا میں اسلام کے
غلبے کا دائرہ پہلے سے زیادہ وسیع کر دیا۔ ان پر جو شخص لعن طعن کرتا ہے وہ
بلا شبہ زیادتی کرتا ہے۔ لیکن ان کے غلط کام کو تو غلط کہنا ہی ہوگا۔ اسے
صحیح کہنے کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم اپنے صحیح و غلط کے معیار کو خطرے میں
ڈال رہے ہیں۔

یہاں مودودی صاحب سے ہم چند سوال کرنا چاہتے ہیں۔

(۱) آپ کے ہاں صحیح اور غلط کا معیار کیا ہے؟ یہی خرافات جو آپ نے اپنے مضمون میں بھری ہیں یا آپ کے مزعومات جن کا آپ وقتاً فوقتاً اظہار کرتے رہتے ہیں۔ اگر یہی ہیں تو کیا آپ اپنی ہستی اس قسم کی سمجھتے ہیں کہ سب مسلمان آپ کی پیروی کے مکلف ہوں یا آپ کے نزدیک بھی شروع سے آج تک کے مسلمانوں کی طرح، صحیح اور غلط کا معیار اللہ کی کتاب رسول کی سنت، صحابہ کا اجماع اور وہ قیاس ہے جو ان سب پر مبنی ہو! ہم اس کا جواب واضح چاہتے ہیں؟ اور پھر پوچھتے ہیں کہ اگر آپ صحابہ کرام کے متبع ہیں تو دین کے مآخذ کی روشنی میں آپ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے برپا کردہ نظام خلافت کو کس طرح غیر قانونی کہنے کی جرأت کر سکتے ہیں جبکہ جمہور صحابہ اور امہات المومنین نے ان کا ساتھ دیا اور کسی نے ان کی ہمنوائی سے گریز نہ کیا۔

(۲) مسلمانوں کی مرضی سے آپ کی مراد کیا ہے؟ معمولی عقل رکھنے والوں کے نزدیک تو ایک حکومت کی مقبولیت کی دلیل صرف یہ ہے کہ عام طور پر رعایا اپنے راعی کے ساتھ ہو اور اس کے خلاف جو لوگ کھڑے ہوں ان کا ساتھ نہ دے اور ان کے غلط اقدامات سے انھیں روکے۔ اس کے علاوہ اگر کوئی معیار ہو تو ہم جیسے معمولی

حیثیت کے لوگوں کی عقل کی رسائی وہاں تک نہیں۔ آپ اپنی سطح سے ذرا نیچے اتر کر ہماری سطح پر بات کریں تو شاید کچھ سمجھ میں آجائے۔ ہم یہ بات غیر مسلح منتشر اور کم ہمت لوگوں کی نہیں کر رہے جو مجبور ہوتے ہیں اگرچہ وہ بھی تنگ آمد بجنگ آمد کے تحت وہ کچھ کر گزرتے ہیں۔ جو دنیا کو حیران کر دے۔ مگر ہم بات کر رہے ہیں اس عہد کی جو خیر القرون تھا اور اس اُمت کی جس کا ہر فرد مسلح تھا جس کے بچے بھی تیر کمان سے کھیلتے تھے اور تلواروں کو اپنا کھلونا جانتے تھے۔ جس قوم کا ہر بالغ شخص ماہر حرب وضرب ہوتا تھا جو وقت پر ان سب ہتھیاروں سے مسلح ہو کر میدان میں اتر سکتی تھی جو حریف کی فوج کے پاس ہوں۔ ہم بات اس قوم کی کر رہے جس کی زندگی اجتماعی تھی اور جو صورتیں ایک علاقے کے لوگوں کی اجتماعی زندگی مضبوط کرتی کی ہوتی ہیں وہ سب اسے حاصل تھیں۔ ہم بات اُس قوم کے افراد کی کر رہے ہیں جنھوں نے بڑی بڑی سلطنتوں کے تختے اُلٹ دیئے اور بڑے بڑے جباروں اور قہاروں کی سر اپنے قدموں تلے روند ڈالنے کے لئے جب چاہتے تھے کھڑے ہو جاتے تھے۔

یہ قوم اگر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے برپا کردہ نظام خلافت سے ناراض تھی تو اس نے اس حکومت سے گلو خلاصی کی کوئی مؤثر تدبیر کیوں نہ کی۔ اس بیسویں صدی مسیحی کی غیر مسلح منتشر اور حریف ملکوں میں بٹی ہوئی قوم جس کی حرارت دینی ماند پڑ چکی ہے اور جس کی علمی و روحانی قوت پہلی صدی ہجری کے مسلمانوں کے مقابلے میں ہیچ محض ہے وہ دنیا کی عظیم طاقتوں کے مقابلے میں کھڑی ہو کر آزادی حاصل کر کے اپنی مرضی کی حکومت قائم کر لیتی ہے اور حاکم اگر ناپسندیدہ ہوں تو انھیں برطرف کر دیتی ہے۔ مکر و فریب سے اگر اس پر کوئی مسلط ہو جائے تو زیادہ دن اپنا تسلط قائم نہیں رکھ سکتا اسے بھاگتے ہی بنتی ہے۔ اس قوم نے حضرت معاویہؓ اور ان کے بعد کے خلفاء کے خلاف کوئی مؤثر قدم کیوں نہ اٹھایا اور کیوں ان لوگوں کا ساتھ نہ دیا جو وقتاً فوقتاً حکومت کے خلاف کھڑے ہوئے۔

یہ منظر ہمیں کیوں نظر آتا ہے کہ جو قوم دو برّاعظموں میں پھیلی ہوئی تھی اور کفار کے خلاف جہادوں میں مشغول تھی۔ اس قوم نے اپنے گھر کی خبر نہ لی اور حضرت حسینؓ جب امیر المومنین یزیدؒ کے خلاف کھڑے ہوئے تو انھیں اپنی حمایت پر چند حمایتی بھی نہیں مل سکے اور

چاروں طرف سے عزیزوں، دوستوں، بزرگوں اور خوردوں، اپنوں اور غیروں سب ہی نے سمجھایا اور کسی ایک صحابی نے بھی ان کا ساتھ دینا تو درکنار ان کے موقف سے زبانی ہمدردی کا اظہار تک نہ کیا۔ تا آنکہ وہ اپنے موقف سے رجوع کرنے پر مجبور ہو گئے صفحات تاریخ پر ہم یہ کیوں دیکھتے ہیں کہ جب اہل مدینہ کے بعض منچلے لوگوں نے دوسرے مدعی خلافت (حضرت ابن زبیرؓ) کے طرف داروں کے شہ دینے پر بغاوت کی تو خود شہر کی بڑی اکثریت نے ان کا ساتھ نہیں دیا اور عسکر خلافت کو اپنے محلے میں سے گزار کر شہر پر قبضہ کرا دیا۔ ہم یہ کیوں دیکھتے ہیں کہ جب جناب زید بن علیؓ (زین العابدین) بن الحسنؓ نے امیر المومنین ہشامؒ جیسے مقبول انام امام کے خلاف کھڑے ہوئے تو انھیں دو سو کوفیوں سے زیادہ لوگ اپنی حمایت پر نہ مل سکے۔ حالانکہ اسی قوم نے بعد میں بربروں کی ہولناک بغاوت کو کچل کر رکھ دیا۔

یہ تمام دلائل تو ہر انصاف پسند کو اس کا بیّن ثبوت معلوم ہوں گے کہ اموی خلافت امت میں نہایت مقبول تھی اور سو برس تک تمام اُمت کی اور چار سو برس اندلس کے مسلمانوں کی حمایت اسے حاصل رہی۔ "مسلمانوں کی مرضی کی حکومت" کا اگر کوئی اور معیار ہو تو وہ مودودی صاحب کے ذہن میں ہوگا۔

اب ہم ایک دوسرا سوال کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اصحاب جنھوں نے آپ کی معیت میں دین قائم کیا تھا اور جس کے لئے اُنھوں نے کبھی کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا نیز حضرات امہات المومنین سلام اللہ علیہن جن پر دین کی حفاظت کی ذمہ داری سب سے زیادہ تھی ان سب نے حضرت معاویہؓ کا ساتھ دیا تو کیا یہ سب کے سب (معاذ اللہ) دین فروش تھے اور بقول روافض مرتد ہو گئے تھے؟ آپ صاف صاف بات کیوں نہیں کہتے اور کیوں امت کو اپنی طولانی تحریروں کے چکر میں پھنسا کر اس راہ ڈالنا چاہتے ہیں جو دشمنان صحابہ کی راہ ہے۔

(۳) مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ پر لعن طعن کرنا "زیادتی" ہے اس کا مفہوم بھی ہماری ناقص عقل میں نہیں آیا۔ کیونکہ آپ کو خود اعتراف ہے کہ وہ

صحابی ہیں واجب الاحترام ہیں اور ان کی اس خدمت کا بھی انکار ممکن نہیں کہ انھوں نے مسلمانوں کو ایک جھنڈے تلے جمع کر کے اسلام کی سربلندی کا دائرہ وسیع تر کر دیا جس شخص کی یہ تعریف ہو اور وہ شخص ہو پہلی صدی ہجری کے وسط میں جبکہ امت صرف صحابہ وتابعین اور تبع تابعین پر مشتمل تھی تو اس کے معنی یہی تو ہوئے کہ سارے صحابہ وتابعین ان کی امامت پر متفق تھے۔ تو پھر ان پر لعن طعن کرنے والے کو محض یہ کیوں کہا جائے کہ "زیادتی" کر رہا ہے۔

ذرا سوچیے جس صحابی کاتب وحی کی امانت پر اللہ اور اس کے رسول کو اعتبار ہو اسی کی امانت و دیانت پر اتہام لگانا۔ اور بدگوئی کرنا کیا موجب ضلالت و گمرہی نہ ہوگا مودودی صاحب صحابہ رسول کو واجب الاحترام قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں (شمارہ جولائی ص ۳۴۰)

"بلاشبہ ہمارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ واجب الاحترام ہیں اور بڑا ظلم کرتا ہے وہ شخص جو ان کی کسی غلطی کی وجہ سے ان کی ساری خدمات پر پانی پھیر دیتا ہے اور ان کے مرتبے کو بھول کر گالیاں دینے پر اتر آتا ہے"

وہ ذرا اپنے ان الفاظ پر غور فرمائیں اور گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ صحابہ پر بد دیانتی اور بے ایمانی کے بہتان باندھنا کیا" ان کے مرتبے کو بھول کر گالیاں دینے پر اُتر آنے" کے مترادف نہیں۔ کیا یہ امر باعث حیرت نہیں کہ مودودی صاحب کو حضرت معاویہؓ کے شرف صحابیت ان کے محامد و مناقب اور ان کی اسلامی خدمات کا بھی اعتراف ہے اسم گرامی بھی ان کا یوں تحریر فرماتے ہیں (شمارہ اگست ص ۳۲) :-

"حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ"

گویا نام نامی کے ساتھ "رضی اللہ عنہ" تحریر کرنے سے مودودی صاحب کے اس کا بھی اقرار ہے کہ حضرت معاویہؓ سے خدا راضی تھا بایں ہمہ انھوں نے سبائی ٹکسال کی گھڑی ہوئی مردود روایت کے سہارے جس کی ساختگی اگلی سطور سے بخوبی واضح ہو جائے گی حضرت معاویہؓ پر نیز سابقون الاولون زمرے کے جلیل القدر صحابی حضرت مغیرہ بن

شعبہؓ پر امیر یزید کی ولیعہدی کی تحریک کے سلسلے میں "ذاتی مفاد" کی خاطر رشوت دے دلاکر لوگوں کا "ایمان خریدنے" کی بدگوئی سے اجتناب نہیں کیا۔ اور حضرت مغیرہؓ کے اسم گرامی کے ساتھ "رضی اللہ عنہ" یا اس کی علامت "رضؓ" بھی تحریر نہیں کی درآنحالیکہ وہ بھی منجملہ ان خوش بخت صحابہ کے تھے جو بیعت الرضوان میں موجود تھے اور جن کی شان میں سورۂ فتح کی یہ آیتیں نازل ہوئی تھیں:۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا۔	یقیناً اللہ ان مومنین سے راضی ہوا جب وہ درخت کے نیچے تجھ سے (اے رسول) بیعت کر رہے تھے سو اس نے جان لیا جو کچھ ان کے دلوں میں تھا پس ان پر تسکین نازل کی اور انھیں بدلے میں فتح قریب دی۔

مودودی صاحب ہی کی کتب ماخذ الاستیعاب والبدایہ والنہایہ میں بضمن تذکرہ حضرت مغیرہؓ بیان ہوا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کنیت ابی عبداللہ قرار دی تھی اور فرمایا تھا:۔ قد غفر لہ ما تقدم من ذنبہ وما تاخر (الاستیعاب ج ۱ ص ۲۵۰) یعنی حضرت مغیرہؓ ایسے خوش بخت صحابی تھے کہ ان کے اگلے پچھلے گناہوں کی معافی کا اظہار لسان نبوت سے فرما دیا گیا۔ ابن کثیر نے بتایا ہے کہ صلح حدیبیہ کے وقت کفار قریش کے سامنے حضرت مغیرہؓ تلوار سونتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ایستادہ رہے تھے۔ کان واقفا یوم الصلح (الحدیبیہ) علیٰ راس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالسیف صلتا (البدایہ ج ۸ ص ۴۸) پھر نبی کریمؐ نے طائف کے بُت خانہ کے انہدام کے لئے ان کو حضرت ابوسفیانؓ کے ساتھ مامور فرمایا حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے مبارک عہد میں فتوحات واشاعت اسلام میں ان کے بڑے بڑے کارنامے ہیں ۔

غزوہ خندق ۵ھ کے زمانے میں مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد سے ۵۰ھ تک یعنی ۴۵ برس مسلسل حضرت مغیرہؓ نے شاندار اسلامی خدمات انجام دی تھیں بڑے واہئیے کرائے بزرگ تھے حضرت علیؓ نے ان کا یہ نیک مشورہ نہ مانا کہ حضرت معاویہؓ سے نہ بگاڑیں۔ مگر ہیبتناک خونریزی ہونے کے بعد بھی نتیجہ حضرت علیؓ کے خلاف رہا اپنی وفات سے

چند ماہ قبل حضرت مغیرہؓ اپنے حالات حاضرہ کو پیش نظر رکھکر حضرت معاویہؓ کو مشورہ دیا کہ اپنی زندگی ہی میں ولیعہد مقرر کر جائیں ایسا نہ ہو کہ ان کی آنکھیں بند ہوتے ہی انعقاد خلافت کے جھگڑے اٹھ کھڑے ہوں اور اُمت میں پھر خون خرابہ کی نوبت آئے سبائی راویوں نے اس عاقلانہ مشورہ کو بری طرح مسخ کرکے پیش کیا ہی تھا مودودی صاحب نے ایسے جلیل القدر صحابہ پر بد دیانتی کا بہتان باندھتے ہوئے جس انداز میں پیش کیا ہے وہ اور بھی افسوسناک ہے۔

قدیم مورخین کے بیان اس مردود روایت کا اشارتاً و کنایتاً بھی کوئی ذکر نہیں جو مودودی صاحب نے درج فرمائی ہے کہ حضرت مغیرہؓ نے تیس ہزار دینار میں لوگوں کا "دین خریدا" اور ولایت عہد کی تائید کے لئے وفد بھیجا۔ مودودی صاحب نے طبری کو ماخذ قرار دے کر متعدد حوالے دئے ہیں لیکن اس موقع پر طبری کا نام ان کے زبان قلم سے ادا نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا تھا کیونکہ لوگوں کے دین خریدنے اور رشوت دینے کا اس میں اشارتاً بھی کوئی ذکر نہیں۔ اس میں تو صرف یہ واقعہ بیان ہوا ہے کہ حضرت مغیرہؓ نے بیعت یزیدؒ کے بارے میں کارروائی کی اور ایک وفد اس بارے میں حضرت معاویہؓ کی خدمت میں بھیجا۔
وعمل المغيرة فی بيعة يزيد واوفد فی ذلك وافداً الیٰ معاوية (طبری ج ۶ ص ۱۶۹)
طبری مع البدایہ والنہایۃ اور بعد کے مورخین کا ماخذ ہے امیر یزیدؒ کی ولیعہدی کے سلسلے میں اہل عراق کے صرف وفد کے بھیجے جانے کا ذکر ہے۔ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے بھی ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ کی اسی روایت کے حوالے سے فقط اتنا ہی لکھا ہے کہ حضرت مغیرہؓ نے ولایت عہد کی تحریک کو تقویت دینے کی کوشش کی تھی سعی المغيرة توطيد ذالك (البدایہ ج ۸ ص ۷۹) ابن خلدون متوفی ۸۰۸ھ نے جو ابن کثیر مولف البدایہ کے ہمعصر تھے ولیعہدی امیر یزیدؒ کی تحریک کے سلسلے میں حضرت مغیرہؓ کی کوشش کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:۔

"حضرت مغیرہؓ نے کوفہ پہنچکر ہوا خواہان دولت بنی امیہ سے اس کا (ولیعہدی امیر یزیدؒ) ذکر کیا ان لوگوں نے بہ کمال خوشی منظور کر لیا مغیرہؓ

نے ان لوگوں میں سے ایک گروہ بطور وفد اپنے لڑکے موسیٰ کے ساتھ دارالخلافت دمشق کو روانہ کیا۔ اہل وفد نے حاضر ہو کر ولیعہدی یزیدؔ کی بیعت کی درخواست پیش کی امیر معاویہؓ نے دریافت کیا "کیا تم لوگ اس سے راضی ہو؟" عرض کیا "ہم سب اور ہمارے سوا اور جتنے آدمی ہیں سب اس سے راضی ہیں" امیر معاویہؓ نے فرمایا "اچھا جو تم نے درخواست پیش کی ہے اس پر ہم غور کریں گے۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ کیا حکم دیتا ہے سوچ کر کام کرنا بہتر ہے عجلت کرنے سے (کتاب ثانی جلد پنجم ترجمہ تاریخ ابن خلدون ص ۴۴)

"محاضرات تاریخ اسلامی" (ص ۲۱۶) میں بھی کوفے کے ہوا خواہان بنی امیہ یعنی "شیعہ لبنی امیہ" کے وفد کا موسیٰ فرزند حضرت مغیرہؓ کی قیادت میں دمشق آنے کا وہی حال لکھا ہے جو ابن خلدون نے مندرجہ بالا عبارت میں بیان کیا ہے گویا ان مورخین نے جن میں قدما و متاخرین دونوں شامل ہیں اشارتاً و کنایتاً بھی ارکان وفد کو رشوت دے کر ان کا ایمان خریدنے کا ذکر نہیں کیا مودودی صاحب نے رشوت دینے کی مردود روایت کے ان فقرات پر ابن کثیر کی مبسوط تالیف البدایہ والنہایہ کا غلط حوالہ یوں دیا ہے۔ (البدایہ ج ۸ ص ۷۹) اور لکھا ہے کہ :-

"حضرت معاویہؓ نے موسیٰ (بن مغیرہؓ۔م) کو الگ بلا کر پوچھا "تمہارے باپ نے ان لوگوں سے کتنے میں ان کا دین خریدا ہے" انھوں نے کہا۔ "تین ہزار دینار میں" حضرت معاویہؓ نے کہا "تب تو ان کا دین ان کی نگاہ میں بہت ہلکا ہے"

مگر البدایہ ج ۸ کے ص ۷۹ پر یا کسی اور صفحے پر مودودی صاحب کی مندرجہ بالا عبارت کا نہ کوئی لفظ ہے اور نہ اس کے اعتبار سے رشوت دے کر لوگوں کے دین خریدنے کا کوئی اشارہ ــــ کتاب البدایہ نایاب نہیں مطبوعہ ہے ہر شخص بآسانی مطالعہ کر کے معلوم کر سکتا ہے کہ مودودی صاحب نے کتاب کی جلد اور صفحے کا حوالہ دے کر بھی ایسی پُر فریب غلط بیانی کا ارتکاب کیا ہے جو ایک عالم کے مرتبے کے منافی اور جماعت اسلامی کے

امیر و رہنما کے بلند مقام سے بہت فروتر ہے وہ تو تماشاء اللہ اب جوانی دیوانی کی مدہوشیوں سے گذر کر سن کہولت کے حدود میں پہنچ چکے ہیں تعجب ہے اور تاسف بھی کہ انہوں نے صحابہ کرام پر "رشوت دے کر لوگوں کے دین خریدنے" کا بہتان باندھتے وقت یہ بھی نہ سوچا کہ کوفے سے جو وفد گیا تھا وہ "شیعۃ لبنی امیۃ" ہوا خواہاں وطرفداران بنی امیہ کا تھا جنہیں رشوت دیکر ان کی رائے خریدنے کا امکان ہی نہ تھا پھر حضرت مغیرہؓ نے امیر یزیدؒ کی ولیعہدی کی تحریک اس زمانے میں کی تھی۔ جب حضرت مغیرہؓ بوجہ سن کہولت پبلک خدمات سے سبکدوش ہو رہے تھے اور جب رومی عیسائیوں کے خلاف جہادوں اور دیگر معارک عظیمہ میں امیر یزیدؒ کارہائے نمایاں انجام دیکر اور ۴۹ھ کے مشہور جہاد قسطنطنیہ میں سپہ سالار کی حیثیت سے انتظامی صلاحیتوں اور اپنے ذاتی شجاعت و شہامت کے جوہر دکھا کر زبان خلق سے فتی العرب کے سورما کا خطاب پا چکے تھے۔ اپنے ماخذ البدایہ والنہایۃ (ج ۸ ص ۱۵۱) میں مودودی صاحب نے غالباً پڑھا ہو گا۔ کہ صحابہ کرام کی جو جماعت قسطنطنیہ کے جہاد میں امیر یزیدؒ کی قیادت و سپہ سالاری میں شریک ہوئی تھی اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے میزبان حضرت ابو ایوب انصاریؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور دیگر صحابہ کے علاوہ حضرت حسینؓ کے چچا حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور خود حضرت حسینؓ بھی شامل تھے۔ شیعی مورخ جسٹس امیر علی نے بھی حضرت حسینؓ کی شرکت جہاد قسطنطنیہ کا اعتراف کیا ہے (ہسٹری آف سیریسنز ص۸۴) مورخ اسلام علامہ ذہبی بحوالہ ابن عساکر کہتے ہیں۔

وفد الحسين على معاوية وغزا القسطنطنية مع يزيد (ج ۲ ص۱۱)	حضرت معاویہؓ کے پاس حضرت حسینؓ وارد ہوئے اور (امیر) یزیدؒ کے ساتھ جہاد قسطنطنیہ میں شریک ہوئے۔

صحیح بخاری (ج ۱ ص ۴۱۰) میں مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر جس اسلامی لشکر کے جہاد کرنے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی "مغفور لہم" سے اس لشکر کی بشارت مغفرت منقول ہے۔ غازیان اسلام کا وہ یہی لشکر تھا جس کی قیادت امیر یزیدؒ نے کی تھی۔ اور لسان نبوت سے بشارت مغفرت پائی تھی۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں

کہ اسی بشارت مغفرت کی خاطر امیر یزیدؒ نے جہاد کیا تھا۔

غرض کہ اس مجاہد و غازی قریشی نوجوان امیر یزیدؒ کی نمایاں کارگذاریوں، انتظامی صلاحیتوں اور دیگر اوصاف حمیدہ کی بنا پر ولیعہدی کی تحریک حضرت مغیرہؓ جیسے سابقون الاولون کے زمرے کے جلیل القدر صحابی نے ملت اسلامیہ کے مفاد کے لئے پیش کی تھی نہ کہ بقول مودودی صاحب "اپنے ذاتی مفاد کے لیے" حضرت مغیرہؓ تقریباً پچاس سال متواتر شاندار اسلامی خدمات انجام دینے کے بعد بعذر ضعف پیری کہ ۸۰ سال کا سنہ تھا۔ اپنی ہی مرضی اور خواہش سے انتظامی معاملات کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو رہے تھے۔ انہوں نے ملت اسلامیہ کی متعدد سیاسی گتھیوں کو ناخن تدبیر سے سلجھانے میں نمایاں حصہ لیا تھا۔ اب اپنے آخر وقت کہ یہ تحریک پیش کرنے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد داعی اجل کو لبیک کہا تھا انہوں نے امیر المومنین حضرت معاویہؓ کو متوجہ کیا کہ اپنی زندگی ہی میں ولایت عہد کا انتظام کر جائیں تاکہ سیاسی قسمت آزماؤں کے فتنہ و فساد میں ملت کو حسب سابق خونریزیوں میں مبتلا ہونا نہ پڑے سبائی راویوں کے سہارے مودودی صاحب نے ایسے بزرگ صحابی کی نیک نیتی پر جو غزوہ خندق کے وقت مہاجر ہو کر نبی کریم کے پاس آئے تھے۔ قدم مهاجراً (الاستیعاب ج ۱ ص ۵۰) چوٹ کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا بھی لحاظ نہ کیا۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَّهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ	اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ اور جن لوگوں نے انہیں پناہ دی اور ان کی مدد کی یہ سب سچے اور سچے مومن ہیں اور ان کے لئے مغفرت اور رزق کریم ہے

یہ تبصرہ مودودی صاحب کے سلسلہ مضامین (ترجمان القرآن شمارہ مئی تا جولائی ۶۵ء) سے متعلق ہے۔ اگست تا اکتوبر ۶۵ء کے سلسلہ مضامین پر تبصرہ بنظر سہولت قارئین دوسرے حصہ میں کیا گیا ہے۔ حصہ دوم میں ایک باب ماخذ تاریخ اسلامی بھی شامل ہے۔

اسلامی تاریخ پر مصنف کی دیگر نادر تالیفات

۱۔ خلافت معاویہؓ و یزید؟ :۔ تاریخی ریسرچ کی اس شہرۂ آفاق کتاب کی پہلی طباعت مئی ۱۹۵۹ء میں ہوئی۔ تین ہی مہینے بعد جب دوسرا ایڈیشن جولائی ۵۹ء میں طبع ہو رہا تھا کہ ۱۲ اگست سنہ مذکور کو زیر دفعہ ۹۹ ضابطہ فوجداری کتاب بحق سرکار پاکستان ضبط کر لی گئی۔ مصنف کی اپیل دائر کرنے پر ۹ اردسمبر ۶۰ء کو ہائی کورٹ اسپیشل بنچ نے حکم ضبطی کو منسوخ کر دیا۔ جنوری ۶۱ء میں تیسرا اور جون ۶۲ء میں چوتھا ایڈیشن طبع ہو چکا تھا کہ پھر فروری ۶۳ء کو گورنر صاحب مغربی پاکستان کے حکم سے یہ کتاب دوبارہ ضبط کی گئی۔ اب ۲۴ دسمبر ۶۵ء ہائی کورٹ کی اسپیشل بنچ نے مصنف کی اپیل کو منظور کرتے ہوئے حکم ضبطی کو منسوخ کر دیا ہے۔ شائقین کتاب کے متواتر طلب اور تقاضوں سے اب پانچواں ایڈیشن باضافہ مضامین طبع کرنے کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ سائز $\frac{36}{16}$×۲۳ ضخامت ۵۰۰ صفحات تخمیناً قیمت ۸ روپے

۲۔ تحقیق مزید :۔ بسلسلہ خلافت معاویہؓ و یزیدؒ) سائز $\frac{26}{8}$×۲۰ ضخامت ۵۱۲ صفحات قیمت آٹھ روپے

اس دوسری مبسوط کتاب میں تقریباً تین سو صحابہ رسول اکرم صلعم بشمول اصحاب عشرہ مبشرہ و اصحاب بدر و بیعت الرضوان وغیرہم کے مختصر تذکرے ہیں جو امیر یزیدؒ کی خلافت کے موافق اور حضرت حسینؓ کے خروج کے مخالف رہے نیز ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور اصحاب جمل کے اقدامات قصاص خون عثمانؓ کے صحیح حالات کے علاوہ طلب خلافت کے لئے ۶۵ اشخاص کے خروجوں اور بغاوتوں کے حالات کا اجمالی بیان ہے جو حضرت حسینؓ کے ناکام خروج کے کچھ عرصہ بعد سے ان کے اور ان کے بھائی کے اخلاف نے چوتھی صدی ہجری تک کئے۔ نیز بعض دیگر اہم تاریخی انکشافات کا مختصراً بیان ہے

۳۔ تحقیق سید و سادات :۔ قرآن، حدیث تاریخ و انساب کی روشنی میں) سائز $\frac{36}{16}$×۲۳ ضخامت ۵۴۴ صفحات مجلد۔ کاغذ سفید طباعت نفیس گرد پوش دیدہ زیب قیمت آٹھ روپے۔ یہ کتاب اپنے مبحث پر یکتا ہے۔ لفظ سید جس کے معنی سردار و سربراہ و معظم و محترم کے ہیں۔ نہ اہل زبان نے کبھی اظہار نسب میں استعمال کیا نہ عربوں کا کوئی قبیلہ و خاندان سید کہلایا۔ ہندوستان میں کب سے اور کن وجوہ سے اظہار قومیت میں اس کا استعمال شروع ہوا اس کے تاریخی حالات کے علاوہ اور بہت سے اچھوتے مباحث کتاب شامل ہیں۔

المشتہر

مکتبہ محمود۔ $\frac{1}{26}$ بی ایریا۔ لیاقت آباد۔ کراچی ۱۹

تصحیح اغلاط طباعت

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲	۵	نا مصنف	نام مصنف
۳	۱۱	شوریٰ حکومت	شوروی حکومت
۱۳	۲	عیب	غیب
۲۵	۱۳	بعد	اور
۵۳	۱۲	وجود حسنی	وجود حیستی
۵۴	۴	دعوی	دعوی کیا
۵۴	۸	قتل کر کے	قتل کروا کے
۷۸	۵	توذب	شو ذب
۸۱	۱۵	بھائیوں	سبائیوں
۹۲	۱۰	ذیل	ذلیل
۱۱۲	۵	وھی خویہ	دی خویہ
۱۴۴	۱۹	علیؓ	حضرت علیؓ
۱۵۹	۴۳	یس اور	بس ان ھی
۱۶۴	۱۴	قتل کیا گیا	قتل کرے گا
۱۶۸	۴	سودانی	سوداں بن
۶۰۲	۶	اپنی خلافت	آپنی خلافت
۲۴۴	۱	اپنے	نے
۲۴۴	۷	کے بیان	کے بیان میں
۱۱۳	۱۸	Compeled	Compelled
۱۱۳	۱۸	oo	do

مجاہدین پاکستان

★ میجر ضیاء الدین احمد عباسی

★ میجر عزیز بھٹی

★ فلائٹ لفٹیننٹ خواجہ یونس

و دیگر شہداء کی یاد میں
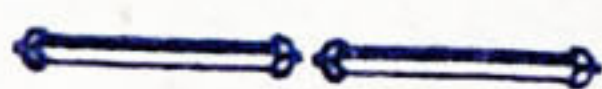
اس خطہ پاک پر اسلامی پرچم سب سے پہلے اموی خلیفہ امیرالمومنین الولید بن امیرالمومنین عبدالملک بن امیرالمومنین مروان کے جوان سؤال کمانڈر محمد بن قاسم ثقفی نے لہرایا تھا رضی اللہ عنہم اجمعین۔

بارہ سو سال بعد کے سیاسی انقلاب میں برطانوی حکومت نے یہ پرچم عارضی طور سے سرنگوں کر دیا مگر مسلمانان برکوچک کی عزیمت ماندہ نہ پڑسکی تا آنکہ اسی خطہ پاک کے بطل جلیل و قائد اعظم محمد علی جناح کے حسن تدبیر سے ایک بار پھر یہ اسلامی پرچم سر بلند ہوا اور دنیا کی سب سے بڑی اسلامی حکومت منصہ شہود پر آئی۔

اٹھارہ برس بعد بد عہد بھارت نے بلا اعلان جنگ جب اس خطہ پاک پر بزدلانہ حملہ کی جسارت کی تو اسی سرزمین کے دوسرے بہادر فرزند **فیلڈ مارشل محمد ایوب خان** صدر مملکت کی مضبوط قیادت کے طفیل ہمارے شیر دل مجاہدوں نے دشمن کو وہ مار دی کہ دنیا حیران رہ گئی اور دشمن کے سارے منصوبے خاک میں مل گئے۔

یہ کتاب جو اسی اموی خلافت کے صحیح حالات میں ہے جسکے مبارک عہد میں اسلامی ریاست کا پرچم سب سے اول یہاں لہرایا تھا اسے ان پاکستانی مجاہدوں کے نام منسوب کرتا ہوں جنھوں نے اس پرچم کی سر بلندی اور وطن عزیز کے دفاع میں تاریخی کارنامے انجام دیتے ہوئے اپنی عزیز جانیں تک قربان کردیں۔ منافع بھی اسکا قومی دفاعی فنڈ سے مخصوص کرتا ہوں۔

محمود احمد عباسی

کراچی ۱۰ - اکتوبر سنہ ۱۹۶۵ء